

سیرت

حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



مولانا محمد نافع مدظلہ

دار الکتاب



سیرت حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا محمد نافع مدظلہ

دار الکتاب ناشران وتاجران کتب

A-6 یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
0300-8099774

نام کتاب ـــــ سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (دونوں جلدیں یکجا)

مصنف ـــــ حضرت مولانا محمد نافع دامت برکاتہم

ناشر ـــــ دارالکتاب
6-A یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

طابع ـــــ اشتیاق مشتاق پرنٹرز، لاہور

اشاعت ـــــ جنوری ۲۰۱۱ء

قیمت ـــــ

باہتمام
حافظ محمد ندیم
0300-8099774

فہرست مضامین حصہ اول

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

از حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ

دار العلوم...... کراچی نمبر ۱۴

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ (جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ) کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے کہ انھوں نے اپنی متعدد تالیفات کے ذریعے سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقیقی سیرت و کردار کو مستحکم علمی اور تاریخی دلائل کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ جن انصاف ناآشنا حلقوں نے ان حضرات پر طرح طرح کے اعتراضات و مطاعن کی بھرمار کی ہے، ان کے اعتراضات کا شافی اور اطمینان بخش جواب دیا ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو علمی اور سیاسی اختلافات پیش آئے، ان کے حقیقی اسباب کی دلنشیں وضاحت فرمائی ہے۔

مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ جو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اپنے موضوع پر ایک ایسی نادر کتاب ہے کہ اس کی نظیر عربی زبان میں بھی موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ''مسئلہ اقربا نوازی''، ''بنات اربعہ'' اور ''حدیث ثقلین'' پر ان کی کتابیں انتہائی مفید اور قابل قدر ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ان کی کتاب ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' منظر عام پر آ چکی ہے جس میں انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت بڑے دلآویز انداز میں تحریر فرمائی ہے۔ اب ان کی تازہ کتاب ''سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' اسی مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کے خلاف اعتراضات و مطاعن کے ترکش سے کوئی تیر بچا کر نہیں رکھا گیا۔ موجودہ کتاب میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے ان کی سیرت کے حقیقی روشن پہلوؤں کو مضبوط دلائل کے ساتھ اجاگر فرمایا ہے۔ پہلی جلد کے پہلے حصے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سوانح، عہد رسالت میں ان کے منصب و مقام اور کارنامے اور ان کے مناقب کی احادیث کو پوری تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی جلد کے دوسرے حصے میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمات، ان کی جنگی مہمات اور دیگر کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہیں۔ تیسرے حصے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے واقعات زیر بحث لائے ہیں اور اسی

ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے اختلافات، جنگ صفین اور تحکیم کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور فاضل مؤلف نے ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان غیر مستند روایات سے نہ صرف پاک رکھا ہے، بلکہ ان کی مدلل تردید کی ہے جو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن وسنت اور مستند روایات کے بیان کردہ اوصاف سے کسی طرح میل نہیں کھاتیں۔

چوتھے حصے میں فاضل مؤلف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے کارناموں، ان کی فتوحات، ان کے قائم کیے ہوئے انتظامی ڈھانچے، ان کی رفاہی اور ترقیاتی خدمات، ان کی علمی کاوشوں، ان کے مکارم اخلاق، ان کے فقہی اجتہادات، اہل بیت کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات اور ان کے اعزاز و اکرام کے واقعات کا انتہائی مبسوط جائزہ لیا ہے جو اس کتاب کی جان ہے۔ آخر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے عشق و محبت کے مظاہر اور ان کے بارے میں اکابر امت کی آرا نہایت تفصیل اور استقصا کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

کتاب کی دوسری جلد خاص طور پر ان مطاعن کے جواب کے لیے مخصوص ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مختلف حلقوں کی طرف سے وارد کیے گئے ہیں۔ فاضل مؤلف نے ان مطاعن میں سے ایک ایک کو موضوع بحث بنا کر بڑی جانفشانی کے ساتھ حقائق کی تحقیق کی ہے اور مستحکم دلائل سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی صاحب علم محقق کو مؤلف کے اخذ کردہ نتائج سے کسی مقام پر جزوی اختلاف ہو، لیکن یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ موصوف نے افراط وتفریط سے الگ رہ کر اہل سنت کے صحیح موقف کی ترجمانی کی ہے اور اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کی ہر بات تاریخی حوالوں سے مزین ہے، بلکہ انھوں نے صرف اہل سنت ہی کے نہیں، اہل تشیع کے مآخذ سے بھی اپنے موقف کو ثابت کیا ہے جن پر ان کی بڑی وسیع اور گہری نظر ہے۔

پھر قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مولف کا انداز بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں، بلکہ باوقار اور متین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر جو کتابیں اب تک میری نظر سے گزری ہیں، یہ کتاب ان سب میں بہتر ہے اور ان شاء اللہ طالبان علم وتحقیق کی عرصے تک رہنمائی کرے گی۔

محمد تقی عثمانی
دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴
۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

باسمہ تعالیٰ شانہ وجل مجدہ

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید، پ ۲۷ رکوع اوّل)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ سب سے کیا ہے، (وہ پہلے اسلام لائے ہوں یا بعد میں)"

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىٓ ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (سورۃ الانبیاء)

"یعنی بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے الحسنیٰ (جنت) کا وعدہ ہماری جانب سے پہلے ہو چکا ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔"

سیرت سیدنا معاویہ
ومکانتہ فی الاسلام (رضی اللہ عنہ)

کتاب میں امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی سیرت وسوانح اور وقائع زندگی کو چار ادوار میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے (مقدمہ میں اس کی وضاحت آ رہی ہے) اس میں خاندانی احوال، فضائل وکمالات اور اخلاق، مصلحانہ کردار، دینی خدمات، ان کے دور کے عظیم کارنامے، اشاعت دین وفروغ اسلام کے اہم واقعات، بے شمار ممالک کی فتوحات، پھر ان کے استحکام و دفاع کے لیے پر خلوص مساعی، اقصائے عالم تک اسلام کے غلبہ اور تفوق کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے، اس سے آں موصوف کی ملّی خدمات واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام میں جو ان کا رفیع مرتبہ اور بلند مقام ہے وہ سامنے آ جائے گا۔

دعا جو ناچیز
محمد نافع عفا اللہ عنہ
محمدی شریف، ضلع جھنگ (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الاولين والاخرين امام الرسل وخاتم النبيين وعلى ازواجه المطهرات وبناته الاربعة الطاهرات وعلى اله الطيبين واصحابه المزكين المنتخبين الذين جاهدوا في دين الله حق جهاده وعلى سائر اتباعه باحسان الى يوم الدين وعلى جميع عباد الله الصالحين۔

حمد وثنا اور صلوٰۃ وسلام کے بعد مؤلف کتاب ہذا (بندہ محمد نافع عفا اللہ عنہ) ناظرین کرام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ دور حاضر میں بعض حلقوں کی طرف سے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رفعت منزلت اور علو مرتبت میں بہت تفریط اور تنقیص کی جاتی ہے، اور ان کی شان عظمت کے خلاف مواد نشر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان حضرات کے بارے میں سوء ظن اور بدگمانی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

ناقدین کے ہاں اکابر صحابہ بنو امیہ کے معائب و نقائص پھیلانے کو خاص طور پر کار خیر اور دین کی خدمت سمجھا جاتا ہے اور ان کی تان بے جا حملے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ٹوٹتی ہے۔

ان حالات میں ضرورت اس چیز کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رفعت اور عظمت جو عند اللہ الکریم اور عند رسول اللہ الامین (صلی اللہ علیہ وسلم) ثابت ہے، اس کو صحیح انداز میں پیش کیا جائے اور ان حضرات کے اعلیٰ اخلاق و کردار اسلامی خدمات اور کارناموں کو اہل اسلام تک پہنچانے میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ اسی بنا پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جو بنو امیہ کی مشہور شخصیت ہیں، کے مقام کو بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ (بعونہ تعالیٰ)

اس مقصد کے حصول کے لیے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیر و سوانح، اخلاق و کردار، ملّی خدمات اور تعمیری کاموں پر مشتمل ہے۔ جبکہ دوسرے حصے میں آں موصوف پر وارد کردہ الزامات و شبہات کا تحقیقی انداز میں دفاع کیا گیا ہے، اور قدیم و جدید قریباً اکتالیس مطاعن کے جوابات پیش کیے ہیں۔

یہ چیز واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اشاعت اسلام میں بڑا مقام ہے۔ اشاعت دین کے

سلسلہ میں ان کے بڑے اعلیٰ کارنامے پائے جاتے ہیں۔ اس بنا پر جس طرح دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات پر لوگوں نے قلم اٹھایا ہے اور ان کی سوانح اور سیرتیں لکھی ہیں، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت و حالات زندگی پر بھی مورخین اور علماء نے بہت کچھ تحریر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک قدیمی مورخ عوانہ بن حکم عیاض کلبی ابوالحکم (۱۴۸ھ) نے ان پر اور بنوامیہ کے دور پر ایک کتاب تدوین کی تھی۔ بقول ابن ندیم، عوانہ بن حکم علمائے کوفہ میں سے تھا۔ بیان اخبار، نسب دانی اور شعر گوئی وغیرہ علوم میں فاضل تھا۔ اس کی متعدد تصانیف ذکر کی گئی ہیں۔

ابن ندیم نے تحریر کیا ہے کہ عوانہ بن حکم کی تصانیف میں ایک کتاب التاریخ ہے۔ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت اور بنوامیہ کے حالات ہیں۔ "......وله من الكتب كتاب التاريخ ، كتاب سيرة معاوية و بني امية"

لیکن اس تاریخ کا بعد میں ہمیں کچھ علم نہیں ہو سکا کہ کیا وہ امتداد زمانہ کی وجہ سے ضائع ہوگئی یا اصل مخطوطہ کہیں محفوظ ہے؟

پھر ہر دور میں مورخین تاریخ اسلام مدون کرتے چلے آئے ہیں۔ تیسری صدی ہجری میں محمد بن جریر طبری نے مفصل تاریخ تیار کی۔ تاریخ طبری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے حالات کی روایات ملتی ہیں، مگر رطب و یابس، صحیح و سقیم، ضعیف و مجروح اور متروک سب قسم کی ہیں۔ بعدہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ترجمہ تفصیل سے درج کیا ہے۔

تراجم کی کتابوں کو علمائے فن نے تاریخ سے الگ کر دیا، اب کتب رجال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تراجم دستیاب ہیں۔

بندہ نے احادیث، روایات، تاریخ، تراجم وغیرہ کتب سے آں موصوف کے حالات اپنی ناقص تلاش کی حد تک جمع کیے ہیں۔ تمام واقعات کے فراہم کر لینے کا دعویٰ نہیں۔ دیگر کتب کی طرح البدایہ والنہایہ لابن کثیر سے کافی استفادہ کیا گیا۔ یہ کتاب بھی تاریخی کتب کے درجہ میں ہی ہے۔ احادیث کی کتب کے مرتبہ میں بالکل نہیں لیکن نسبتاً دیگر کتب تواریخ سے بہتر اور مفید ہے۔

جن کتابوں سے مواد لیا گیا ہے ان کے حوالہ جات حاشیہ میں ذکر کر دیے ہیں تاکہ اہل تحقیق حضرات اگر رجوع کرنا چاہیں تو انھیں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ ان مآخذ کی فہرست آخر کتاب میں دے دی گئی ہے، اور سن وفات یا سن تالیف ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

اس بات کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ بندہ نے قبل ازیں اپنی تصنیف "مسئلہ اقربا نوازی" میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اقربا نوازی کے طعن کے جواب کے طور پر قریب ایک صد صفحات پر

بیان کیا ہے۔ وہاں آں موصوف کے جستہ جستہ حالات کو ایک ضرورت کے تحت یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتے داروں کی صلاحیت اور کارگزاری کے سلسلے میں دیگر حضرات کے ساتھ بالاختصار ذکر کر دیا تھا۔

لیکن اب اس مقام پر آنجنابؓ کے حالات بالاستقلال پیش کرنے مقصود ہیں۔ مندرجہ سابقہ احوال میں سے بعض امور کو تسلسل مضمون اور تکمیل واقعات کے طور پر دہرانا ایک ضروری امر ہے جس سے احتراز و اجتناب نہیں ہوسکتا۔ بنا بریں بعض واقعات و احوال کا اعادہ بامر مجبوری ہوگا۔ امید ہے اہل علم حضرات اس معاملہ میں ہمیں معذور سمجھیں گے۔

معذرت

- ناچیز مؤلف نہ عالم ہے نہ خطیب، نہ اعلیٰ انشاء پرداز اور نہ اہل قلم بلکہ ایک بہت ہی کم علم آدمی ہے اور مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسئلہ کا ادنیٰ خادم ہے۔
- تالیف ہذا میں اپنی محدود معلومات کی حد تک اس موضوع پر علمی مواد پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور حتی المقدور باحوالہ بات ذکر کی ہے اور بیشتر مقامات میں اصل عبارات ساتھ ذکر کر دی ہیں، تاکہ اہل علم حضرات کو تسلی ہو سکے اور عبارت سے مزید فوائد حاصل کر سکیں۔
- بندہ ناچیز کو غلطیوں سے مبرا ہونے کا ہرگز دعویٰ نہیں، اس بنا پر اگر کسی مقام میں نادانستہ طور پر کوئی غلط چیز درج ہوگئی ہو تو ناظرین درگزر فرماتے ہوئے اس کی اصلاح فرما دیں، اور فوری طور پر راقم الحروف کو مطلع کریں، اور دعا فرمائیں کہ مالک کریم بھی ہمیں معاف فرمائے۔

اور بعض حالات کی بنا پر کتاب ہذا کا دوسرا حصہ یعنی ''جواب المطاعن'' پہلے مرتب کیا گیا ہے جبکہ حصہ اول (سیر و سوانح) بعد میں تالیف کیا جا رہا ہے۔ امید ہے ناظرین کرام دوران مطالعہ اس چیز کو ملحوظ رکھیں گے۔

- دیگر گزارش یہ ہے کہ بندہ کی یہ آخری تالیفات ضعف طبع کی وجہ سے عموماً بطور املا کے مرتب ہوئی ہیں، یعنی قلم برداشتہ تحریر نہیں، املا اور قلم برداشتہ تحریر کا جو فرق ہوتا ہے وہ اہل علم پر واضح ہے، ربط عبارات و ارتباط مضامین کے سلسلے میں یہ معذرت پیش نظر رہے۔

اب تمہیدی امور (مقام صحابہ، عدالت صحابہ وغیرہ مضامین) پیش خدمت ہیں۔ اس کے بعد اصل مضمون کتاب شروع ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

تمہیدی امور میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور رفیع مقام کے متعلق مختصراً چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پائی جاتی ہے اور دیگر صحابہ کی طرح ان

فضائل و مکارم میں صحابہ کرام بنو امیہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی داخل اور شامل ہیں۔

کتاب اللہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے حق میں متعدد عنوانات کے ساتھ ان کے مقام و مرتبہ کو ذکر فرمایا ہے۔

جماعت صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ

''یعنی تم سب امتوں سے بہتر ہو جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو تم اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور اللہ پر تم ایمان لاتے ہو۔''

اس مقام پر ابن حجر مکی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((فاثبت الله لهم الخيرة على سائر الامم، ولا شيء يعادل شهاده الله لهم بذالك، لانه تعالىٰ اعلم بعباده وما فعلوا عليه من الخيرات وغيرها، بل لا يعلم ذالك غيره تعالىٰ فاذا شهد تعالىٰ فيهم بانهم خيز الامم وجب على كل احد اعتقاد ذالك والايمان به، والا كان مكذبا لله فى اخباره))

(الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۰۸-۲۰۹ تحت بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ)

''مطلب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے تمام امم پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیر ہونے کو ثابت کیا اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی شہادت کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اپنے بندوں کے حالات کا اللہ کریم زیادہ عالم ہے اور ان سے جو امور خیر صادر ہوئے ان کا بھی زیادہ جاننے والا ہے، بلکہ ان تمام باتوں کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیر الامم ہونے کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دے دی تو ہر شخص پر اس چیز کا اعتقاد و یقین رکھنا لازم ہے ورنہ (العیاذ باللہ) وہ اللہ تعالیٰ کی خبروں کی تکذیب کرنے والا ہوا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

''یعنی اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو معتدل امت تاکہ تم شہادت دو لوگوں پر (قیامت کے روز) اور رسول تم پر گواہ ہوں۔''

آیت ہذا کی وضاحت میں ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے:

((......والصحابة فى هذه الاية والتى قبلها هم المشافهون بهذا الخطاب على

لسان رسول الله ﷺ حقيقة فانظر الى كونه تعالى خلقهم عدولا و خيارا ليكونوا شهداء على بقية الامم يوم القيامة، حينئذ فكيف يستشهد الله تعالىٰ بغير عدول او بمن ارتدوا بعد وفاة نبيهم الاستة انفس منهم كما زعمته الرافضة)) (الصواعق المحرقۃ (ابن حجر مکی) ص:۲۰۹ تحت بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ)

''یعنی اس آیت میں اور اس کے ماقبل والی آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر ان الفاظ کے ساتھ اولاً بالذات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کیا گیا ہے، اور وہی بالمشافہہ آپ کے مخاطب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف مسلمان کو نظر کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عادل اور خیار پیدا فرمایا ہے تاکہ یہ باقی امتوں پر قیامت کے دن شہادت دے سکیں۔ پس اس وقت عادل کے بغیر اس مقام پر اللہ تعالیٰ کیسے شہادت لائے گا؟ کیا ایسے لوگوں نے جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے اور صرف چھ افراد باقی رہ گئے؟ جیسا کہ رافضیوں کا خیال ہے۔''

مقصد یہ ہے کہ شہادت میں عادل اور خیار ہونا ضروری ہے۔ عادل اور خیار شخص کے بغیر کوئی آدمی شہادت کا اہل نہیں ہوتا اور اس کا قول دیگر شخص پر نافذ اور موثر نہیں ہوتا۔ فلہٰذا گواہی دینے والے عادل صادق اور خیار ہوں گے۔ ظالم، کاذب، اشرار اور فسادی لوگ نہیں ہوں گے۔

پس قرآن کریم کی ان آیات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عادل، صادق اور خیار ہونا ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثنا اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک آیت سورۃ تحریم میں وارد ہے کہ:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

''یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں داخل فرمائیں گے جس کے نیچے نہریں چلتی ہیں، جس روز اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہیں فرمائیں گے۔ ان کا نور ان کے سامنے اور دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔''

اس آیت کی تشریح میں علماء فرماتے ہیں:

((......ومنها قوله تعالى يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ ...... (الایۃ پ۲۸) فامنهم الله من خزيه ولا يأمن من خزيه فى ذالك اليوم الا الذين ماتوا والله سبحانه ورسوله عنهم راض فامنهم من الخزى صريح فى موتهم على كمال الايمان وحقائق الاحسان وفى ان الله لم يزل راضيا عنهم وكذلك رسوله ﷺ)) (الصواعق المحرقۃ (ابن حجر مکی) ص۲۰۹، تحت اعتقاد بیان اہل السنۃ)

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اس دن کی رسوائی سے بچائیں گے، اور اس دن رسوائی سے نہیں بچ سکیں گے مگر وہ لوگ جو فوت ہوئے اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان سے راضی ہے۔ ان لوگوں کا رسوائی سے محفوظ رہنا اس بات کی وضاحت ہے کہ کمال ایمان اور نیکیوں پر ان کا خاتمہ ہوا، نیز اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ان سے ہمیشہ راضی رہے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ ایمان لانے والی جماعت (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کی بدولت اس دن عذاب کی رسوائی سے محفوظ رہیں گے جبکہ کفار اور فساق کو اللہ تعالیٰ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے گا۔

پس یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی فضیلت اور عزت افزائی ہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں داخل ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل اور مکارم کو کئی عنوانات کے تحت بیان فرمایا ہے۔

اگر بالفرض بعض دفعہ ان سے لغزش صادر ہو گئی تو اسے معاف فرما کر کمال شفقتوں سے نوازا اور وقتی خطاؤں سے درگزر فرما کر ان پر بے شمار رحمتیں برسائیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں ''غزوۂ حنین'' پیش آیا تھا۔ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام، مہاجرین و انصار اور جدید الاسلام مسلمانوں کی عظیم جمعیت تھی۔

قبیلہ ہوازن و ثقیف کے ساتھ اہل اسلام کا مقابلہ ہوا اور شدید جنگ پیش آئی۔ ایک دفعہ مجاہدین کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن اس کے بعد فوراً اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نصرت فرمائی اور سکینہ نازل فرما کر احسان عظیم فرمایا اور ساتھ ہی نزول ملائکہ کی صورت میں غیبی امداد فرمائی جس کو عام لوگ نہیں دیکھ رہے تھے۔ یہ خصوصی رحمت تھی اور یہ نصرت اور فتح مندی مسلمانوں کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حاصل ہوئی اور کفار کو بھاری شکست ہوئی اور مسلمانوں کو بے شمار غنائم حاصل ہوئے۔

اس موقع پر اموال غنیمت کو سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مجاہدین میں تقسیم فرمایا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان کو بھی غنائم سے وافر حصہ عنایت فرمایا گیا۔[۱]

(الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۱۸۳ ج ۲ مع الاصابہ تحت صخر بن حرب، طبع مصر)

(اسد الغابہ ص ۱۲-۱۳ ج ۳، تحت صخر بن حرب، طبع تہران)

اس مقام پر جہاں دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت و منقبت ثابت ہے اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما بھی اس فضیلت میں شامل و شریک ہیں۔

آیات و روایات میں کہیں کسی صاحب کا استثنا نہیں واقع ہوا۔ واقعہ حنین میں شرکت کرنے والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ان فضائل سے متمتع ہوئے اور اس شرف سے مشرف ہوئے......

سورۂ توبہ میں اس واقعہ کے متعلق فرمان خداوندی اس طرح ہے کہ

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۟ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۟ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(سورۃ توبہ)

اور غزوۂ حنین کے متعلق جو آیات سورت توبہ کے چوتھے رکوع میں آئی ہیں ان میں اللہ نے شاملین غزوہ حنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں متعدد فضیلتیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ایک تو فرشتوں کے ذریعے ان کی نصرت و اعانت کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) اس مقام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور مومنین جو غزوہ حنین میں شامل ہوئے ان پر سکینہ کے نزول کا ذکر فرمایا ہے۔

(۳) نیز اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ان مومنین کے حق میں اپنے غیبی لشکر نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

(۴) اس موقع پر جو بعض حضرات سے کوتاہی سرزد ہوئی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے رجوع فرمانے اور توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

ان تمام عنایات خداوندی کے مستحقین میں حضرت امیر معاویہ جناب ابوسفیان اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور مذکورہ فضیلتیں حاصل کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید میں سورۃ الحدید کے پہلے رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ

كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (پ ۲۷)

''یعنی کیا ہے تمھارے لیے کہ تم نہیں خرچ کرتے اللہ تعالیٰ کے راستے میں، حالانکہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے، تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ فتح (مکہ) کے بعد والے لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ لوگ باعتبار درجہ کے ان لوگوں کے مقابلہ میں بہت بڑے ہیں جنھوں نے (فتح) مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ''حسنیٰ'' یعنی جنت کا وعدہ سب سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔''

ایک ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ فتح مکہ سے قبل یا اس کے بعد ایمان لانے والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جنتی ہیں اگرچہ ان کا باہمی فرق مراتب مسلّم ہے۔

(۱) علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے تفسیر الجامع الاحکام القرآن میں تحریر کیا ہے کہ:

((...... وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ای المتقدمون المتناهون السابقون والمتاخرون اللاحقون، وعدهم الله جميعا الجنة مع تفاوت الدرجات))

(تفسیر قرطبی ص ۲۴۱، ج ۱۷ تحت الآیہ سورۃ الحدید)

''یعنی وہ لوگ جو متقدمین اور بہت سبقت کرنے والے ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو متاخرین اور ان سے لاحق ہونے والے ہیں ان دونوں فریقوں کے تمام افراد سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، باوجودیکہ یہ لوگ باہم درجات میں متفاوت ہیں۔''

اور تفسیر روح المعانی میں سید محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وَكُلًّا) ای كل واحد من الفريقين لا الاولين فقط وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ای المثوبة الحسنى وهی الجنة)) (تفسیر روح المعانی ص ۱۷۲، ج ۲۷ تحت الآیہ سورۃ الحدید)

(۲) اس مقام پر حافظ ابن حجر عسقلانی اور شیخ سفارینی اور علامہ ابن حجر مکی رحمہم اللہ نے ابن حزم رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

((...... فقال ابن حزم الصحابة كلهم من اهل الجنة قطعا، قال تعالى لَا يَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وقال تعالى اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ فثبت ان جميعهم من اهل الجنة وانه لا يدخل احد منهم النار لانهم المخاطبون بالاية الاولى التی اثبتت لكل منهم الحسنى وهی

الجنۃ)) (حوالہ ہذا ہمارے کتابچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ کی تمہید میں قبل ازیں درج ہو چکا ہے)[1]

''یعنی ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قطعی طور پر جنتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاہے فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے ہوں یا فتح مکہ کے بعد، سب بے شک اہل جنت ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا، اس لیے کہ پہلی آیت مذکورہ میں لفظ منکم کا مصداق اور مخاطب یہی حضرات ہیں اور ان تمام حضرات کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے، پھر جن لوگوں کے حق میں حسنیٰ (یعنی جنت) سابقاً ثابت ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے، لہٰذا یہ مخاطبین تمام کے تمام حسب وعدہ الٰہی جنت کے مستحق ہیں اور دوزخ سے دور کر دیے گئے ہیں، اور اللہ کریم کا وعدہ سچا ہے، وہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔''

مسئلہ ہذا کی تشریح میں مزید یہ چیز ذکر کی جاتی ہے، کہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا مقام ہے اور جہنم اس کی ناراضگی کی جگہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی (حسب فرمان خداوندی) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے اور رضامندی اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے، (یعنی صفت حادثہ نہیں ہے) اور رضامند ہونے کا فرمان اس شخص کے حق میں دیتے ہیں کہ جس کے متعلق اللہ کریم کو معلوم ہے کہ یہ شخص موجبات رضا پورا کرے گا اور اس کا انجام درست اور اس کی وفات موجبات رضا پر ہوگی۔

پھر جس شخص پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے وہ آئندہ کبھی اس پر ناراض نہیں ہوتا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((ان الرضا من اللہ صفة قديمة فلا يرضى الا من عبد علم انه يوافيه على موجبات الرضى ومن رضى اللہ عنه لم يسخط عليه ابدا))

(الصارم المسلول (ابن تیمیہ) ص ۵۷۷ فصل فی حکم سب الصحابہ)

''مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس کی صفت قدیمہ ہے، (صفت حادثہ نہیں ہے کہ زائل

---

[1] الصواعق المحرقۃ (ابن حجر مکی) ص ۲۱۱ تحت بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ۔
الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۹ جلد اول تحت خطبۃ الکتاب۔
عقیدہ سفارینی ص ۳۷۲ جلد ۲۔
محلی (ابن حزم) ص ۴۴ ج ۱ تحت مسئلہ ۸۵ طبع بیروت

ہو جائے) فلہذا اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں رضامندی دائمی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان کے حق میں دوامًا رضامندی ثابت ہونے کی رو سے ان کا دائمی مقام جنت ہے۔''

حاصل یہ ہے کہ جو شخص بھی کتاب اللہ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اس کے لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اہل جنت ہونے کا یقین رکھنا لازم ہے، اور ان تمام حضرات سے ہر قسم کی سوء ظنی اور بدگمانی سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

مندرجات بالا نصوص قرآنیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بنو امیہ کا استثنا کہیں نہیں پایا جاتا۔ جب ایسا کہیں نہیں تو صحابہ بنی امیہ بھی قطعاً اور یقیناً اس بشارت میں داخل ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ العبرة لعموم الفاظ لا لخصوص الموارد پس ان فضائل و مکارم کے مصداق جس طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ نیز جنت کی بشارت کے حقدار جیسے باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مژدہ جنت کے مستحق ہیں۔

روایات کی روشنی میں

گزشتہ صفحات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مکارم کے سلسلے میں چند ایک چیزیں کتاب اللہ کی روشنی میں ذکر کی ہیں۔ اب سطور ذیل میں ان حضرات کی فضیلت اور قدر و منزلت روایات کی روشنی میں مختصراً پیش کی جاتی ہے۔

① ایک روایت میں ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اکرموا اصحابی انهم خیارکم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم))

(مشکوٰۃ شریف ص۵۵۳-۵۵۴ تحت باب مناقب الصحابہ، فصل ثانی، طبع دہلی)

''یعنی میرے صحابہ کا احترام اور عزت کرو۔ سابق ہوں یا لاحق ہوں، زندہ ہوں یا فوت شدہ ہوں کیونکہ یہ لوگ پسندیدہ اور بہترین لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے ساتھ ملتے ہیں، (تابعین) اور پھر وہ لوگ جو ان کے ساتھ ملتے ہیں (تبع تابعین)۔''

② ایک دوسری روایت میں ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم......))

(مشکوٰۃ شریف ص۵۵۳-۵۵۴ تحت باب مناقب الصحابہ، فصل ثانی، طبع دہلی)

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کا بہترین دور میرا قرن ہے، یعنی جن لوگوں نے میرے دور کو پایا اور میرے ساتھ ایمان لائے وہ اصحاب ہیں، پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے ملتے ہیں یعنی رتبے میں ان سے قریب ہوتے ہیں اور ایمان اور یقین میں ان کے پیچھے چلنے والے

ہیں...... یہ تابعین ہیں...... پھر وہ لوگ جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں...... (یہ تبع تابعین ہیں)''

③ ایک دیگر روایت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((...... اللہ اللہ فی اصحابی، لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم، ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم...... الخ))

''یعنی میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو اور میرے اصحاب کے معاملہ میں کسی کی تنقیص مت کرو، اور ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بناؤ، اور ان کی تعظیم و توقیر قائم رکھو۔''

مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کو مکروہ باتوں کا نشانہ مت بناؤ، جو شخص ان کے ساتھ محبت رکھتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے، جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھتا ہے...... الخ

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص ان سے محبت کرے وہ ان کے اعمال، مقامات اور ان کی قربانیوں کی وجہ سے ان سے محبت کرے۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ ان کی محبت کی لم (وجہ) ان کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ ظاہر ہے کہ جن کے کمالات ان کے اعمال پر مبنی نہیں ان کے اعمال سے بحث ایک بے جا محنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو شان دی ہے وہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دی ہے اور وہ مقام صحابیت ہے۔ (سبحان اللہ)

④ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی بریدہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((...... ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائدا و نورا لھم یوم القیامۃ)) (رواہ الترمذی، مشکوۃ شریف ص ۵۵۴ تحت باب مناقب الصحابہ فصل الثانی)

''فرمایا میرے صحابہ میں سے جو صحابی جس علاقے میں فوت ہوا ہے، وہ قیامت کے دن اس زمین والوں کا قائد اور نور ہدایت بنا کر لایا جائے گا۔''

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توقیر اور عظمت کے لیے روایات کا ایک ذخیرہ ہے، جن میں سے صرف چند روایات یہاں ذکر کی ہیں۔ ان تمام روایات میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے مقام اور قدر و منزلت کو واضح فرما دیا ہے اور تمام صحابہ ان مکارم و فضائل کے مصداق اور مستحق ہیں اور ان میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان فضائل اور مکارم میں داخل ہیں۔

علماء ان کے مقام فضیلت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((...... واما معاویۃ فھو من العدول الفضلاء والصحابۃ الاخیار))

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ملا علی قاری، ص ۲۷۲، ج ۱۱، باب مناقب الصحابہ، طبع ملتان)

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل اور صاحب فضیلت صحابہ میں سے ہیں اور اخیار میں ان کا شمار ہے۔''

⑤ امارت اور خلافت کے سلسلے میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد فرمودات مروی ہیں جن میں یہ امر بیان کیا گیا ہے کہ الائمة من قریش، یعنی قوم کے امام اور پیش رو قریش میں سے ہوں گے، اور دیگر روایات میں فرمایا گیا ہے کہ امارت و خلافت کے معاملے میں قریش باقی اقوام سے زیادہ فائق اور متبوع ہیں اور باقی لوگ ان کے تابع اور پیروکار ہیں۔

اس فرمان نبوی کو متعدد محدثین کرام نے ذکر کیا ہے۔

چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے کہ:

((قام معاویة علی المنبر فقال: قال رسول الله ﷺ الناس تبع القریش فی هذا الامر۔ خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا...... الخ))

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۸، ج ۱۲، کتاب فضائل، طبع کراچی۔

مسند احمد ص ۱۰۱، ج ۴ تحت احادیث معاویہ بن ابی سفیان۔

المطالب العالیہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۰۴ ج ۲ روایت نمبر ۲۰۲۵ باب الخلافۃ فی قریش

''یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دین یا خلافت و امارت کے معاملہ میں دیگر اقوام، قوم قریش کے تابع ہیں۔ دور جاہلیت میں جو لوگ پسندیدہ و اخیار تھے وہ اسلام میں بھی پسندیدہ اور اخیار ہیں جبکہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور دین اسلام پر عمل پیرا ہوں۔''

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے قریش کا جاہلیت کے دور کا مرتبہ و شرف کم نہیں کیا۔ جس طرح جاہلیت کے دور میں قریش اپنی قوم کے قائد و رئیس تھے اسی طرح اسلام میں سردار و پیش رو ہیں، بشرطیکہ دین پر قائم رہیں۔

مختصر یہ ہے کہ قبائل قریش کے اسلام لانے سے اسلام میں ان کی عزت افزائی ہوئی، انھیں پچھلی مخالفت کے باعث کہیں عزو شرف سے محروم نہیں رکھا گیا۔ قریش کے متعدد قبائل تھے ان میں بنو امیہ ممتاز قبیلہ تھا۔ جس طرح باقی قبائل کے افراد کو خیار و اخیار فرمایا گیا اسی طرح بنو امیہ قبیلہ کے افراد بھی اس شرف سے نوازے گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو امیہ کی نامور شخصیت ہیں، وہ بھی اس شرف و اعزاز میں شریک و شامل ہیں۔

شرف صحبت کا لحاظ

اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے سلسلہ میں یہ چیز بڑی قابل قدر ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

صحبت کے شرف کو ایک نعمت غیر مترقبہ اور نعمت کبریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔
چنانچہ اس سلسلہ میں عہد فاروقی کا ایک واقعہ علماء ذکر کیا کرتے ہیں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اصابہ کی ابتدا میں اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ:
ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بدوی لایا گیا، اس نے (کسی وجہ سے) حضرات انصار کی ہجو کر دی تھی، بطور سزا دلوانے کے اسے پیش کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حالات کی جستجو کی) تو معلوم ہوا کہ یہ بدوی تو صحابی ہے۔
اس کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے ہجو تو کیا کچھ کی، مجھے معلوم نہیں، اس پر اس کو سزا دی جاتی لیکن اس کے لیے تو شرف صحبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے، (اس وجہ سے رعایت کر دی اور کوئی سزا نہیں دی)۔
روایت میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے، سزا تو اپنی جگہ ہے، عتاب بھی نہیں کیا کیونکہ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ثابت ہے۔
علماء نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس چیز کی شہادت دیتا ہے کہ دور اول میں یہ حضرات اعتقاد رکھتے تھے کہ شان صحبت پیغمبر کے برابر کوئی چیز نہیں۔

((......ذالك البدوی اتی به عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وقد هجا الانصار فقال لهم عمر لو لا ان له صحبة من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ما ادری ما نال فيها لكفيتكموه ولكن له صحبة من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ لفظ علی بن الجعد ورجال الحديث ثقات وقد توقف عمر رضی اللہ عنہ عن معاتبته فضلا عن معاقبته لكونه علم انه لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی ذالك ابين شاهد علی انهم كانوا يعتقدون ان شان الصحبة لا يعدله شیء))

۱۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۱ ج ۱، تحت خطبۃ الکتاب الفصل الثالث
۲۔ الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۱۲ تحت الخاتمہ فی بیان اعتقاد اہل السنہ
۳۔ تاریخ ابن عساکر مخطوطہ عکسی ص ۷۴۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا فرمان

اسی طرح مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوبات میں فضیلت صحبت کے مضمون کو بار بار دہرایا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:
((......فانهم فی فضيلة صحبة خير البشر مشتركون وفضيلة الصحبة فوق جميع الفضائل والكمالات ولهذا لم يبلغ اويس القرنی الذی هو خير

التابعین مرتبة ادنی من صحبته علیه الصلوٰة والسلام، فلا تعدل بفضیلة الصحابة شیئا کائنا من کان فان ایمانهم ببرکة الصحابة ونزول الوحی یصیر شهودیا ولم یتفق لاحد بعد الصحابة هذا الرتبة من الایمان والاعمال متفرعة علی الایمان کمالها علی حسب کمال الایمان))

(مکتوبات امام ربانی ص۴۰، دفتر اول، حصہ دوم مکتوب نمبر ۵۹، طبع لاہور)

''یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اقدس کی صحبت کی فضیلت میں مشترک ہیں اور صحبت کی فضیلت تمام فضائل و کمالات پر فوقیت رکھتی ہے، اسی بنا پر حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ جو خیر التابعین ہیں، وہ ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ پس صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی چیز بھی نہیں۔ صحبت پیغمبر اور نزول وحی کی برکت سے ان کا ایمان شہودی قرار پایا ہے۔ (یعنی مشاہدہ کا ایمان ہے، غائبانہ نہیں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی ایک کے لیے بھی اس مرتبے کا ایمان حاصل نہیں، اور اعمال ایمان پر متفرع ہوتے ہیں اور اعمال کا کامل ہونا ایمان کے کمال کے موافق اور مطابق ہوتا ہے۔''

ان ضوابط کے پیش نظر شیخ موصوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات کی فضیلت کے انکار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضل و اکرام کا انکار لازم آتا ہے، کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحبت نبوی کے شرف سے یکساں طور پر مشرف ہیں۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کا قول

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ اپنے دور کی شخصیت کاملہ ہیں اور اکابر صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں، وہ اپنے ''مکتوبات قدوسیہ'' میں صحابیت کی فضیلت اور مقام صحبت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''......آرے در اعتقاد است کہ غیر صحابہ اگر چہ در مرتبہ رفیعہ رسد و صاحب ولایت، و صاحب تصرف، وعطا گردد بمرتبہ صحابہ کرامؓ نرسد کہ فضل صحبت فضل کلی است۔ وآں فضل جزوی، و فضل جزوی بافضل کلی برابر نبود۔'' (منتخب مکتوبات قدوسیہ ص۵۰ طبع مجتبائی دہلی)

''مطلب یہ ہے کہ اعتقادیات میں یہ چیز مسلم ہے کہ غیر صحابی اگر چہ بلند مرتبہ ولایت اور مقام تصرف وعطا کو پہنچ جائے پھر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبہ و مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ صحبت نبوی کو فضیلت کلی کا درجہ حاصل ہے جبکہ مقام ولایت وغیرہ کو فضیلت جزوی کا مرتبہ حاصل ہے اور جزوی فضیلت، فضیلت کلی کے برابر اور مساوی نہیں ہو سکتی۔''

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا بیان

اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفضیل کے مسئلے کو نہایت عمدہ انداز

سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''سر تفضیل صحابہ بر ہر کہ بعد از ایشاں آمد آنست کہ ایشاں واسطہ اند میاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وایں جماعت متاخرہ واز جہت غلبہ اسلام بواسطہ ایشاں ورسیدن علم بسبب ایشاں۔ امر ملت مشابہت تمام دارد بدیوارے کے ہر خشت فوقانی متفرع است بر خشت تحتانی دواسطہ استقامت اوست، تا آنکہ کار باساس رسد۔ ہم چنیں ہر قرن متاخرہ مستمد ومنت پذیر قرن متقدم است در شرائع اسلام وعلوم و ہدایت وشرع تا آنکہ امر منتہی گرد د بصاحب شرع کہ از جانب خدا تعالیٰ شریعت را بی واسطہ آوردہ۔'' (قرۃ العینین از شاہ ولی اللہ ص ۴۵ طبع مجتبائی دہلی)

''مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے لوگوں پر صحابہ کی تفضیل کی حکمت یہ ہے کہ متاخرین جماعت اور پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واسطہ اور رابطہ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وجہ سے اسلام غالب آیا اور ان کی بدولت ہمیں علم دین پہنچا۔ ملت کے اس معاملہ کی کامل تمثیل ایک دیوار کے ساتھ دی جاسکتی ہے کہ جس کی ہر خشت فوقانی ہر خشت تحتانی پر متفرع ہے اور اس کی استقامت کا واسطہ اور ذریعہ ہے۔ اس طریقہ سے دیوار کی تکمیل ہوئی ہے۔ اسی طرح ہر متاخر دور ہر متقدم دور سے استفادہ کرنے والا ہے اور اس کا منت پذیر ہے، یعنی احکام شرعی وعلوم دینی و حصول ہدایت میں متاخرین کا انحصار متقدمین پر ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ صاحب شرع (صلی اللہ علیہ وسلم) تک جا کر منتہی ہوتا ہے جس ذات نے بلا واسطہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جانب سے شریعت لائی ہے۔''

حاصل یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم امت مسلمہ اور پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حصول دین، وصول شریعت اور اخذ ہدایت کے لیے واسطہ اور ذریعہ ہیں اور یہ عظیم شرف اور کمال فضیلت کسی دیگر قوم کو نصیب نہیں، یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔

عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مسئلہ ہذا جمہور علمائے امت کے نزدیک مسلم ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل تھے اور ان کا عادل اور خیار ہونا جمہور اہل اسلام کے نزدیک مجمع علیہ اور فیصلہ شدہ امر ہے، کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں۔

اس چیز پر ہم اکابر علماء کے چند ایک بیانات بطور تائید وتصدیق پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین کرام کے اطمینان کا باعث ہوسکیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ:

((......(اعلم) ان الذی اجمع علیه اهل السنة والجماعة انه یجب علی کل مسلم تزکیة جمیع الصحابة باثبات العدالة لهم، والکف عن الطعن فیهم

والثناء علیهم)) (الصواعق المحرقۃ (ابن حجر مکی) ص۲۰۸ بیان اعتقاد اہل السنۃ)

''یعنی جس چیز پر اہل سنت والجماعت نے اتفاق کر لیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں عدالت کا اثبات، ان کے خلاف طعن وتشنیع سے کف لسان اور ان کی ثنا کے ساتھ تزکیہ پیش کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔''

① اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کفایہ میں لکھا ہے کہ:

((لان عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم واخباره عن طهارتهم واختياره لهم في نص القران)) (الکفایہ (خطیب بغدادی) ص۴۶ باب ما جاء فی تعدیل اللہ ورسولہ)

''یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عادل ہونا، ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی تعدیل اور ان کے حق میں تزکیہ کی دینے اور ان کو اپنی کتاب میں پسندیدہ قرار دینے کی وجہ سے یقیناً ثابت ہے۔''

② ابن عبد البر رحمہ اللہ نے استیعاب کے مقدمہ میں مسئلہ ہذا کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

((فهم خير القرون وخير امة اخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عزوجل عليهم وثناء رسول الله ﷺ۔ ولا اعدل ممن ارتضاه الله لصحبة نبيه ﷺ ونصرته ولا تزكية افضل من ذالك ولا تعديل اكمل منها))

(الاستیعاب، ابن عبد البر مع الاصابہ ص۲ ج۱ تحت خطبۃ الکتاب)

''یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر القرون اور بہترین امت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان کی مدح وثنا کی بدولت ان کی عدالت ثابت ہے۔ اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی صحبت اور نصرت کے لیے پسند فرمایا اس سے زیادہ عادل اور کون ہو سکتا ہے؟ اور اس تزکیہ سے بڑھ کر کوئی اور تزکیہ افضل نہیں ہو سکتا، اور اس تعدیل سے زیادہ مکمل اور کوئی تعدیل نہیں ہو سکتی۔''

③ اور اسی مضمون کی تائید میں ہم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

((......وجميع ذالك (النصوص) يقتضى القطع بتعديلهم ولا يحتاج احد منهم مع تعديل الله له الى تعديل احد من الخلق))

(الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص۱۷ ج۱ الفصل ثالث فی بیان حال صحابہ)

''یعنی یہ تمام نصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعدیل کے یقینی ہونے کی متقاضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعدیل کے ہوتے ہوئے مخلوقات کی طرف سے کسی تعدیل کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔''

④ اور ابن صلاح رحمہ اللہ نے علوم الحدیث میں مسئلہ ہذا کو نہایت منقح کر دیا ہے اور ایک مقام پر فرماتے ہیں:

((......الثانية للصحابة باسرهم خصيصة وهى انه لا يسأل عن عدالة احد منهم، بل ذالك امر مفروغ منه لكونهم على الاطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة واجماع من يعتد به فى الاجماع من الامة)) (علوم الحدیث (مقدمہ ابن صلاح) ص۲۶۴،۲۶۵۔تحت النوع ۳۹)

''یعنی تمام صحابہ کے لیے خاص طور پر یہ بات ثابت ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی عدالت کے بھی متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ امر فیصلہ شدہ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نصوص (کتاب وسنت) کے ذریعے سے علی الاطلاق عادل قرار دیے گئے ہیں۔ اور جن حضرات کا اجماع میں اعتبار کیا جاتا ہے ان کے اتفاق کرنے کی وجہ سے بھی عادل قرار پائے گئے ہیں۔''

⑤ اور دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں کہ:

((......ثم ان الامة مجمعة على تعديل جميع الصحابة ومن لابس الفتن منهم فكذالك باجماع العلماء الذين يعتد بهم فى الاجماع احسانا للظن بهم ونظراً الى ما تمهدلهم من الماثر، كان الله سبحانه وتعالى اتاح الاجماع على ذالك لكونهم نقلة الشريعة، والله اعلم))

۱۔علوم الحدیث (مقدمہ ابن صلاح) ص۲۶۴ تحت نوع ۳۹

۲۔التقریب مع تدریب الراوی ص۴۰۰،۴۰۱ تحت نوع ۳۹

''یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعدیل اور خیر ہونے پر امت کا اتفاق ہو چکا ہے اور اسی طرح جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے دور کے فتنوں میں مبتلا ہوئے ان کی تعدیل پر بھی قابل اعتماد علماء کا اجماع ہے۔ یہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ان کے ماثر خیر کی طرف نظر کرنے کی بنا پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر اجماع مقدر کر دیا، اس وجہ سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریعت اسلامیہ کے ناقل اور دین کے پہنچانے والے ہیں۔''

⑥ مسئلہ ہذا کو ابن ہمام رحمہ اللہ (المتوفی ۸۶۱ھ) نے اپنی مشہور کتاب التحریر میں، ابن امیر الحاج رحمہ اللہ نے التقریر والتحبیر (شرح التحریر) میں علامہ سبکی رحمہ اللہ کے حوالے سے مفصل ذکر کیا ہے، لیکن اختصار کے پیش نظر ہم نے صرف حوالہ ذکر کر دیا ہے۔

(التقریر والتحبیر از ابن الحاج ص۲۶۰۔۲۶۱ تحت مسئلہ علی الاکثر علی عدالۃ الصحابہ)

⑦ اور ابن مظفر اسفرائنی رحمہ اللہ نے بھی التبصیر فی الدین تحت باب الخامس عشر الفصل الاول فی بیان اعتقاد اہل السنہ میں اس مسئلہ کی عمدہ تفصیل ذکر کی ہے۔ (التبصیر فی الدین، ابن مظفر اسفرائنی ص۱۶۴۔۱۶۵ باب ۱۵)

اہل تحقیق حضرات ان مقامات کی طرف رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ:
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت اور وثاقت کا مسئلہ امت کے اکابر علماء کے نزدیک مسلمات میں سے ہے۔ ان میں سے کسی ایک صحابی پر غیر ثقہ یا غیر عادل ہونے کا طعن کرنا ہرگز روا نہیں۔
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی زمرہ کے ممتاز فرد ہیں اور اسلام کی نامور شخصیت ہیں اور حاکم عادل ہیں۔ فلہٰذا ان کی دیانت، عدالت اور وثاقت میں کوئی کلام نہیں۔ اس مسئلہ میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کا یکساں حکم ہے۔

تکمیل مسئلہ (حاشیہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کا مسئلہ جب ذکر کیا جاتا ہے تو مخالفین اور معاندین صحابہ اس مسئلہ کے معارضہ میں ''معیار صحابیت'' کے عنوان سے ایک دستاویز تیار کر کے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدد معاصی سرزد ہوئے اور وہ گناہوں میں مبتلا پائے گئے۔ فلہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم عادل اور ثقہ نہیں۔
چنانچہ اس پر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاؤں کی ایک فہرست مرتب کرتے ہیں جس میں ان کی ایک ایک لغزش شمار کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوءظن پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں اور عوام میں نفرت اور انتشار پھیلاتے ہیں۔ مثلاً:

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے، شراب خوری، زنا کا صدور اور قذف کا ارتکاب وغیرہ۔
- خطبہ جمعہ کے دوران میں صحابہ اٹھ کر چلے گئے۔
- بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوات میں دشمن کے مقابلہ میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، یا ان سے جہاد میں شرکت سے کوتاہی ہوئی۔
- بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے باہم قتال کیا جو شرعاً مذموم ہے۔
- اسی طرح کئی خطائیں صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرزد ہوئیں۔

بعض مرویات میں ہے کہ اصیحابی اصیحابی انك لا تدری ما احدثوا بعدك بقول معترضین اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا احداث فی الدین اور اعراض عن الدین ثابت ہے۔
اس چیز کے جواب میں چند ایک امور ذیل میں پیش خدمت ہیں جن پر بنظر انصاف غور کرنے سے ان شبہات کا ازالہ ہو سکے گا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوءظنی مرتفع ہو سکے گی اور اصل صورت حال واضح ہوگی۔
اولاً یہ چیز قابل توجہ ہے کہ بعض دفعہ ایسا مواد بھی کتابوں میں پایا جاتا ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مطاعن فراہم کیے جاتے ہیں مگر یہ مواد بیشتر تو خالص جھوٹ و افترا اور اختراع ہوتا ہے اور سبائیوں کی خود ساختہ اور روافض و خوارج وغیرہ کی مجروح روایات ہوتی ہیں جو بے سروپا ہونے کی وجہ سے خرافات کے

درجہ میں ہیں۔ اور عموماً ارباب فضول کی یہ منقولات ہوتی ہیں اور ارباب فضول کی مرویات کا اہل فن کے نزدیک کوئی وزن نہیں۔

اس نوع کی مشتبہ وغیر متیقنہ مرویات سے صحابہ کے حق میں اعتراضات مرتب کر کے میدان طعن میں لانا بالکل غلط ہے اور نا قابل تسلیم ہے۔

ثانیاً یہ چیز قابل وضاحت ہے کہ اس دور میں بعض لوگ مرض نفاق میں مبتلا تھے جنھیں منافقین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ اعراب (بادیہ نشین) تھے جو جدید الاسلام ہونے کی وجہ سے آداب شرعی سے ناواقف تھے۔

پھر اس دور میں منافقوں اور اعراب سے خلاف شرع امور کا صدور اور ان کی کوتاہیوں کا قرآن مجید میں الگ ذکر موجود ہے اور قرآن مجید نے کئی مقامات پر ان لوگوں کے غلط کردار و افعال کا الگ ذکر کیا ہے اور انھیں ایک الگ گروہ کی حیثیت سے بیان کرتے ہوئے ان کی منافقانہ صفات و حالات کو واضح کر دیا ہے۔ (جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نہیں پائی جاتیں)۔

علامات منافقین

وَإِذَا قَامُوٓا إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا

وَلَا يَأْتُونَ ٱلصَّلَوٰةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَٰرِهُونَ

يَأْمُرُونَ بِٱلْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا ٱللَّهَ فَنَسِيَهُمْ

بَشِّرِ ٱلْمُنَٰفِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ ٱلَّذِينَ يَتَّخِذُونَ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ

وغیرہ وغیرہ کئی آیات میں منافقون کی صفات و علامات ذکر کی گئی ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کا مفہوم یہ ہے کہ:

- جس وقت منافق لوگ نماز کی طرف کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور بوجھل ہو کر کھڑے ہوتے ہیں۔
- یہ لوگ لوگوں کے سامنے دکھلاوا کرتے ہیں
- اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ نہیں یاد کرتے مگر تھوڑا سا
- یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) نہیں خرچ کرتے مگر برے دل سے (دلی کراہت سے کچھ خرچ کرتے ہیں)
- یہ لوگ برائی کا حکم کرتے ہیں اور اچھائی سے منع کرتے ہیں
- یہ لوگ اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں (خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں) انھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھلا دیا ہے۔

- منافقین کو بشارت دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔
- یہ لوگ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔

ماقبل میں منافقین کی چند ایک چیدہ چیدہ صفات کا ذکر قرآن مجید کی روشنی میں ہوا۔ ہر ایک صفت پر نظر کریں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان صفات و عادات رذیلہ سے کوسوں دور ہیں اور مومنانہ صفات کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ منافقانہ خصائل کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس چیز پر کتاب و سنت شاہد عادل ہے اور اس دور کے واقعات و حالات گواہ ہیں۔

مخالفین صحابہ اپنی کج روی اور کج فہمی کی بنا پر ان منافقانہ صفات سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملوث کرنے کی جسارت کرتے ہیں حالانکہ منافقانہ صفات کے حامل الگ افراد تھے جن کی منافقانہ صفات کا ذکر قرآن مجید نے بصراحت بیان کیا ہے۔

تعامل نبوی

ثالثاً: علاوہ ازیں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدت العمر جو ''تعامل'' رہا اور جو ''معاملہ'' فرماتے رہے یہ چیز بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاص دینی کے لیے مستقل شواہد کے درجہ میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل اور معاملات میں ان اعتراضات کا واضح طور پر جواب موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحیح ایماندار تھے اور منافقانہ صفات کے حامل ہرگز نہیں تھے ورنہ ان کے ساتھ صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ معاملات روا نہ رکھے جاتے بلکہ ان سے اجتناب و احتراز اختیار کرتے ہوئے ان کے ساتھ غلظت اور شدت کا معاملہ کیا جاتا۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ...... الخ

رابعاً: قرآن مجید کے نزول کا دور مسلمانوں کے لیے حصول تربیت اور اصلاح کا دور ہے، عقائد و اعمال کی تصحیح اور تکمیل دین کا زمانہ ہے۔ ان ایام میں اہل اسلام کی کوتاہیوں اور تقصیروں پر تنبیہ کیا جانا کوئی معیوب نہیں۔ اور دین کے تکمیلی مدارج میں کسی لغزش پر عتاب و سرزنش کا پایا جانا کوئی قبیح چیز نہیں۔ بلکہ یہ چیزیں حسب موقع اصلاحات کے درجہ میں شمار ہوتی ہیں۔

دیگر یہ چیز بھی مسلمات میں سے ہے کہ شریعت کے تمام مسائل بیک وقت نافذ نہیں ہوئے بلکہ احکام شرعی کا اجرا بتدریج عمل میں آیا اور حسب موقع احکام نازل ہوتے رہے اور ان فرمودات پر عمل درآمد ہوتا رہا۔

ان حالات میں بعض مسلمانوں سے آداب شریعت کی ناواقفیت کی بنا پر نادانستہ طور پر کئی امور صادر ہوئے۔ اس صورت میں ان سے خطاؤں کا سرزد ہونا قابل اعتراض نہیں۔ کیونکہ انھیں شرعی مسائل کا پہلے سے علم نہیں تھا۔ مسئلہ کی صحیح صورت معلوم ہو جانے کے بعد انھوں نے اپنے عمل و کردار کو درست کر لیا اور اپنی غلطی

سے تائب ہو کر اس سے کنارہ کش ہو گئے اور بقا علی الخطا سے محفوظ رہے۔

خامساً: بعض مواقع میں اس طرح بھی ہوا کہ چند افراد سے شرعی احکام کے خلاف عمل صادر ہوا تو ان کی غلطی کی اصلاح کے لیے احکام نازل ہوئے جو اس سے قبل مستور اور پوشیدہ تھے اور ان کی غلطی کی وجہ سے امت کے لیے ان مستور احکام کی وضاحت سامنے آئی۔ جیسا کہ بعض لوگ اپنی لاعلمی کی بنا پر خطبہ جمعہ کے دوران میں اٹھ کر چلے گئے تو اس پر قرآن مجید میں ان لوگوں کے متعلق تنبیہ کی گئی اور اس موقع کے آداب امت مسلمہ کے سامنے آئے جو اس سے قبل معلوم نہیں تھے۔

اب اس چیز نے آیندہ کے لیے ہدایت کا کام دیا۔ ایسے واقعات کو مقام طعن میں پیش کرنا عقلمندی نہیں اور ان سے اعتراض تجویز کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

سادساً: صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق بعض خطاؤں اور معاصی کے ایسے واقعات منسوب ہیں جن میں وہ مجتہد ہیں اور انھوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر وہ فعل کیا۔ لیکن بہت سے لوگوں کو ان کی وجہ اجتہاد کا ادراک نہ ہونے کی وجہ سے وہ افعال خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ شرعی حکم پر عمل کرنے کی ایک دوسری شکل ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنے اجتہاد کی بنا پر اگر لغزش اور غلطی سرزد ہو بھی جائے تو وہ اجتہادی خطا ہوتی ہے اور حسب تصریح حدیث اجتہاد میں خطا ہونے پر گناہ لازم نہیں بلکہ ان کو ایک اجر ملنے کی امید ہے۔ چنانچہ فرمان نبوت اس طرح ہے کہ:

((اذا حکم الحاکم فاجتهد و اصاب فله اجران اذا حکم واجتهد واخطأ فله اجر واحد)) (متفق علیہ)

۱۔ بخاری جلد ۲ ص ۱۰۹۲ باب اجر الحاکم اذا اجتہد الخ)

۲۔ مشکوۃ شریف ص ۳۲۴ باب العمل فی القضا)

سابعاً: اگر بعض افراد سے ایسے کام سرزد ہوئے جو اجتہاد سے متعلق نہیں بلکہ واقع میں معصیت ہیں تو ایسے افعال و اعمال ان کی اسلامی زندگی میں عموماً قلیل و شاذ ہوں گے اور ان کے بے شمار حسنات اور اسلامی خدمات کے پیش نظر یہ قابل ذکر ہی نہیں۔ ان الحسنات یذھبن السیئات ایک مسلم قاعدہ ہے پھر وہ لوگ خشیت الٰہی اور اپنی فطرت سلیمہ کی بنا پر معاصی پر قائم و دائم نہیں رہے بلکہ تائب ہو گئے اور ان کے لاتعداد اعمال صالحہ اور حسنات کثیرہ کی وجہ سے ان کی وہ خطائیں معاف ہو گئیں اور اس معافی کا اعلان کتاب اللہ میں اللہ کریم کی رضامندی (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ) کے عنوان سے کر دیا گیا۔ (المنتقیٰ، ذہبی ص ۲۲۰-۳۲۰)

مسئلہ ہذا کی مزید وضاحت

اگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے گناہ سرزد ہو گئے اور لغزش پائی گئی تو یہ چیز قابل قدح نہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ''معلوم

فضائل'' اور'' سوابق اعمال خیر'' کے مقابلہ میں یہ چیز معتبر نہیں۔ کیونکہ آخرت میں معصیت کے عقاب کے مرتفع ہونے کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں متعدد صورتیں موجود ہیں جن سے اخروی سزا مرتفع ہو جاتی ہے اور معافی کا سامان ہو جاتا ہے۔

چنانچہ درج ذیل امور پر توجہ فرمائیں:

- اللہ کریم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں نہ صرف مغفرت کا وعدہ فرمایا بلکہ ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ بعض مقامات میں وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ فرمایا اور بعض جگہ ارشاد ہوا کہ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ... الخ یہ تمام صورتیں مالک کریم کی طرف سے معافی کی ہیں۔
- توبہ گناہ اور معصیت کو مٹا دیتی ہے اور یہ چیز مسلم ہے ((التائب من الذنب كمن لا ذنب له))
- مومن کی حسنات اور نیکیاں اس کے معاصی کو ختم کر دیتی ہیں ((ان الحسنات يذهبن السيئات))
- زندگی میں مومن پر جب مصائب آتے ہیں اور ان پر صبر کرتا ہے تو یہ عمل اس کے معاصی کا کفارہ ثابت ہوتا ہے اور اس سے اس کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔
- مومن کی مومن بھائی کے حق میں دعائے مغفرت سے اس کے معاصی معاف کر دیے جاتے ہیں۔
- جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں استغفار فرمانا ثابت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے شفاعت وسفارش ہوگی جو یقیناً مغفرت کا باعث اور معافی کا ذریعہ ہے۔
- مومن کے ایسے اعمال صالحہ جاریہ جو اس کی موت کے بعد بھی اس کے لیے اجر وثواب کا ذریعہ ہیں معاصی کی تلافی کا باعث بنتے ہیں۔
- مومن کی وفات کے بعد دوسرے مومن کا اپنے بھائی کے لیے اعمال صالحہ کا اہدا کرنا اور ثواب پہنچانا نجات اخروی کا باعث ہے مثلاً (صدقہ، حج وغیرہ)
- اگر کسی صاحب سے گناہ کی بات سرزد ہوئی اور اتفاقاً اسے توبہ کا موقع نہیں ملا تو برزخی سزا کے ذریعے سے اسے پاک وصاف کر دیا جائے گا تاکہ آخرت کا عذاب اس پر نہ رہے اور اسے اخروی سزا سے نجات مل جائے۔
- اولاد صالحہ ایک صدقہ جاریہ ہے اور پھر اولاد صالحہ کی اپنے والدین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنا عند اللہ الکریم مقبول ہے اور اس سے اخروی نجات ہو جاتی ہے۔ (المنتقیٰ ذہبی ص ۳۸۶-۳۹۶)

خلاصہ یہ ہے کہ افراد امت کے معاصی کے سقوط کی جو صورتیں پائی جاتی ہیں ان تمام میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ حقدار ہیں، اور بعد والی امت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدح و ثنا کے بھی زیادہ مستحق ہیں اور ہر مذمت و عیب کے ازالہ کے لیے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔ (المنتقی، ذہبی ص ۳۲۰)

اسی بنا پر علمائے امت بطور نصیحت تحریر کرتے ہیں کہ:

صحابہ کے ماسوا لوگوں پر ناقدانہ کلام کرنے کی بہ نسبت صحابہ پر نقد کرنا شدید ہے اور اعتراض وارد کرنا زیادہ گناہ ہے کیونکہ یہ حضرات باعتبار عزت و عظمت کے زیادہ محترم ہیں اور باعتبار مرتبہ کے زیادہ قدر و منزلت والے ہیں اور پاکیزہ انساب کے حامل ہیں۔ (المنتقی، ذہبی ۳۲۵)

نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمومی و خصوصی فضائل کتاب و سنت سے اس قدر ثابت ہیں جو ان کے ماسوا کے لیے نہیں پائے جاتے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہیں اور یہ لوگ جنت کے مستحق ہیں اور خیر امت ہیں، ان کا انجام بالخیر پایا گیا۔ اور شرعی قاعدہ ہے کہ ((ان العبرۃ بالخواتیم)) ان حضرات کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

ایک اشتباہ پھر اس کا جواب

مخالفین صحابہ کی طرف سے صحابہ پر ایک مشہور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قیامت میں صحابہ کو دوزخ کی طرف لے جانے لگیں گے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے: اصیحابی اصیحابی...... الخ یا اصحابی اصحابی...... تو قادر مطلق کی جانب سے فرمان ہو گا کہ ((انك لا تدری ما احدثوا بعدك......)) اور فرمایا جائے گا کہ ((انهم لن یزالوا مرتدین علی اعقابهم منذ فارقتهم))

روایت ہذا میں محدثین نے روایت کی تشریح کے تحت یہ بات ذکر کی ہے کہ ان اصحاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام لائے تھے لیکن بعد میں انھوں نے ارتداد اختیار کر لیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتد ہو گئے۔ اکثر یہ لوگ بنی حنیفہ اور بنی تمیم وغیرہ میں سے تھے جو بطریق وفادت (وفود کی صورت میں) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر بعد میں دین سے انحراف کر کے خائب و خاسر ہوئے۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> ''مراد از اشخاص مذکورین مرتدین اند کہ موت آنہا بر کفر شد و ہیچ کس از اہل سنت آں جماعہ را صحابی نمی گوید و معتقد خوبے و بزرگے آنہانمی شود اکثر بنی حنیفہ و بنی تمیم کہ بطریق وفادت بزیارت آنحضرت ﷺ مشرف شدہ بودند باین بلا مبتلا گشتند و خائب و خاسر شدند۔''

مخالفین صحابہ (شیعہ) نے روایت مذکورہ میں اکابر اور مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مراد لے کر طعن ہذا وارد کیا ہے۔

یہ چیز ہرگز درست نہیں اس لیے کہ ان حضرات کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بے شمار

مقامات میں ان کے اوصاف حمیدہ بیان کیے ہیں اور ان کے ایمان، اسلام اور اعمال صالحہ پر بشارات ذکر فرمائی ہیں اور احسن جزا کا وعدہ فرمایا ہے۔

السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ...... الخ (توبہ:)

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (الحدید)

اسی طرح بے شمار احادیث میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت اخروی، کامیابی اور دخول جنت کی بشارات ذکر کی گئی ہیں۔ مثلاً عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اسی عالم میں جنت کی بشارت زبان نبوت سے ثابت ہے۔ بنا بریں مذکورہ بالا روایت (اصیحابی اصیحابی...... الخ) میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد نہیں ہو سکتے اور ان پر اس روایت کے ذریعے سے اخروی عذاب کی سزا کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

مختصر یہ ہے کہ روایت بالا میں ایسے لوگ ہی مراد ہیں جنھوں نے اسلام چھوڑ کر ارتداد اختیار کیا اور دین سے برگشتہ ہو گئے۔ وہ صحابہ میں شمار نہیں۔

حاصل بحث

یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اگر بعض مواقع میں خلاف صواب اعمال صادر ہوئے اور خطائیں سرزد ہوئیں تو ان کی معافی و تلافی کا سامان کئی طریقوں سے ہو گیا اور ان کی مغفرت کی بے شمار صورتیں پائی گئیں جیسا کہ ہم نے اس چیز کو سابق سطور میں عرض کر دیا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت اور وثاقت کا مسئلہ نصوص قطعیہ کی روشنی میں یقیناً صحیح ہے اور ضروریات دین میں سے ہے اور اکابرین امت کے فرمودات کے موافق اسے تسلیم کرنا واجب ہے جس طرح کہ اصل متن کتاب میں درج کیا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتاب اللہ کی حقانیت اور رسالت کی صداقت کے عینی گواہ ہیں پھر ان کا عادل و صادق العمل ہونا یقینی ہے۔ ان کی ثقاہت و دیانت میں اشتباہ پیدا کرنے اور ان عینی شواہد کو مشکوک تسلیم کر لینے سے دین و اسلام کا اصل مسئلہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اسلام کے مخالفین بھی یہی کچھ چاہتے ہیں کہ ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری''

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسئلہ سمجھنے کی توفیق بخشے اور اس کے ساتھ یقین نصیب فرمائے۔ آمین

ترتیب مضامین

کتاب ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح کو مدون کر کے اس کو چار ادوار میں تقسیم کیا

ہے:

دور اوّل: آں موصوف کی ولادت سے لے کر اختتام عہد نبوی تک۔ یہ پہلا دور ہے، اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات، خاندانی واقعات، اسلام لانا پھر بعد از اسلام عہد نبوت میں قابل قدر دینی خدمات بجالانا درج کیے ہیں۔

دور دوم: اس دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد صدیقی و فاروقی و عثمانی میں غزوات میں شرکت کرنا، جنگی کارنامے، ملکی فتوحات، پھر اسلام کی اشاعت کے لیے اہم دینی امور سرانجام دینا وغیرہ تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔

دور سوم: اختتام خلافت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں فتنوں کا کھڑا ہونا اور شہادت عثمانی کا وقوع پھر اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار اور دفاعی کوششیں، پھر عہد خلافت علوی کے واقعات، واقعہ صفین کے متعلقہ حالات اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت اور ان کی خلافت سے دستبرداری وغیرہ وغیرہ کا بیان مذکور ہے، اور یہ دور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح تک چلا گیا ہے۔

دور چہارم: صلح حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال تک۔ یہ ان کا اپنا عہد خلافت و امارت ہے، اس کی تفصیل ۱۲ فصول پر مشتمل ہے۔ تمام فصول ہی قابل دید واقعات کے حامل ہیں۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد یہ دور زریں عہد ہے۔ اس میں اسلام کی بہت بڑی اشاعت اور ترقی ہوئی حتیٰ کہ اسلام اقصائے عالم تک پہنچا۔ اعدائے اسلام اس عہد میں مغلوب ہوئے اور دین غالب آیا اور اس کا تفوق باقی ادیان عالم پر ثابت ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ممالک کے مفتوح و مغلوب ہونے کے متعلق جو پیش گوئیاں تھیں وہ اس عہد میں تمام ہوئیں، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی کا ظہور ہوا۔ اس عہد میں فروغ اسلام کی یہ سب صورتیں حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے اللہ کریم نے پیدا فرما دیں۔ نیز ان کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت مدد و معاون تھی اور دیگر تابعین کی بھی مساعی شامل حال تھیں۔ ان تمام بزرگوں کی شب و روز کی پیہم کوششوں سے اقوام عالم پر اسلام کا پرچم بلند ہوا۔

حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین اس دور کو بغاوت کا عہد، ظلم و تعدی کا سیاہ دور، جابرانہ حکومت کا زمانہ وغیرہ وغیرہ نازیبا عنوانات سے تعبیر کرتے ہیں۔

ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ انصاف کے ساتھ اس عہد کے تمام واقعات پر نظر ڈالیں اور اس کے بعد اس دور کے متعلق منصفانہ رائے قائم کریں۔ جن تاریخی روایات کے پیش نظر اس عہد پر نقد کیا جاتا ہے اور

اعتراضات قائم کیے جاتے ہیں وہ روایات قابل اعتماد نہیں، اور ان کی وجہ سے مقام صحابہ کو مجروح و مقدوح نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ان کے دفاع کے لیے ہم نے ''جواب المطاعن'' کے نام سے مستقل تالیف مدون کر دی ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ وارد کردہ شبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔ (بعونہ تعالیٰ)

ان تمہیدی امور کو ذکر کرنے کے بعد کتاب ہذا کے ہر چہار ادوار کو علی الترتیب ملاحظہ فرمائیں۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

دور اول

امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نسب اور خاندان کی متعلقہ چیزیں پہلے ذکر کرنا مناسب ہیں۔

- آنجناب کا خاندان دیار عرب میں مشہور قبیلہ ''عبد مناف'' میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔
- قبیلہ ''عبد مناف'' کی مشہور شاخیں ''بنو ہاشم'' اور ''بنو امیہ'' ہیں۔
- قبیلہ بنو ہاشم جناب سید الکائنات نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات کی وجہ سے تمام قبائل پر فوقیت رکھتا ہے اور شرف وفضیلت میں اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہے۔
- اس دور میں بنی ہاشم کے ذمے سقایہ (آب نوشی کرانا) ہوتا تھا اور حجاج کو دیگر سہولیات فراہم کرنا ان کے فرائض میں تھا۔[1]
- اور قبیلہ بنی عبد شمس اور بنو امیہ وغیرہ وغیرہ اپنی جگہ پر صاحب فضیلت ہیں لیکن بنی ہاشم کے بعد ان کا مقام ہے۔

بنو امیہ کا امتیازی مقام

قبائل قریش میں ان کے جاہلیت کے دور میں کارنامے اس دور کی تاریخوں میں نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً حرب وضرب اور جنگی معاملات میں قبیلہ بنو امیہ کو فوقیت اور برتری حاصل تھی، اور یہ دیگر قبائل قریش میں سردار اور صاحب دستار شمار ہوتے تھے۔

چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ ابو احیحہ سعید بن عاص بن امیہ اپنے قبیلہ بنی امیہ میں صاحب دستار کے نام سے موسوم تھا۔ اس کو ذو العمامہ کہتے تھے اور اس کے عمامہ کا رنگ مخصوص تھا اور اس دور کے خاندانی دستور کے مطابق کوئی شخص مکہ میں احتراماً اس رنگ کی دستار استعمال نہیں کرتا تھا۔

((وفی بنی امیة ابو احیحة هو سعید بن العاص بن امیة وهو ذوالعمامة كان

[1] البدایہ صفحہ ۳۰۱ ج ۴ تحت صفۃ دخولہ علیہ السلام مکہ

لا یعتم احد بمکة بلون عمامته اعظاما له))[1]

مختصر یہ ہے کہ اپنے مخصوص اوصاف اور کردار کے لحاظ سے یہ قبیلہ دیگر قبائل قریش میں ایک امتیازی حیثیت کا حامل تھا اور انھیں خاندانی تفوق حاصل تھا۔

نام ونسب :

معاویہ بن ابی سفیان (صخر) بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔[2]

اور آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے اور آپ کو رشتہ نبوت کے تعلق سے خال المومنین احتراماً کہا جاتا ہے۔

((هو معاوية بن ابی سفيان صخر بن حرب بن امية بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی الاموی ابو عبدالرحمن خال المؤمنين))[3]

اس مقام سے واضح ہے کہ سید الکونین جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پانچواں دادا ''عبد مناف'' مشترک ہے۔

نیز یہ چیز بھی ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے متعلقہ کچھ احوال ہم نے قبل ازیں اپنے کتابچہ ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' میں ذکر کر دیے ہیں۔ تاہم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہاں بھی کچھ چیزیں مختصراً ذکر کی جاتی ہیں۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل اسلام اور اہل سلام کی مخالفت میں پیش پیش رہے اور آپ مخالفین کے رئیس شمار ہوتے تھے۔ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ جاہلیت کے دور میں قریش کے سرداروں میں سے تھے اور جنگ بدر کے بعد رئیس قوم اور اپنی قوم کا مرجع سمجھے جاتے تھے۔ آپ اپنی قوم کی طرف سے امیر الحروب بھی تھے۔

((وقد كان ابوه (ابو سفيان بن حرب) من سادات قريش فی الجاهلية وآلت اليه رياسة قريش بعد يوم بدر فكان هو امير الحروب من ذالك الجانب،

---

1. کتاب المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۱۶۰ تحت اشراف قریش
   اسد الغابہ ص ۳۱۰، ج ۲ تحت سعید بن العاص
   البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۸۳-۸۴، ج ۸ تحت سنہ ۵۸ھ
2. نسب قریش، (مصعب زبیری) ص ۱۲۴ تحت ولد ابی سفیان صخر بن حرب
   جمہرۃ الانساب (ابن حزم) ص ۱۱۱ تحت ولد حرب بن امیہ۔
3. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷، ج ۸ تحت ترجمہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔
   البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۰ ج ۸ تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

وکان رئیسا مطاعا ذا مال جزیل))[1]

لیکن جب ان کی تقدیر بدلی ہے اور بخت یاور ہوا ہے اور دولت اسلام سے مشرف ہوئے تو اب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سابق ابوسفیان بن حرب نہیں رہے بلکہ نور ایمان سے منور شدہ تھے ان کا اسلام لانا مقبول ہوا اور حسن اسلام کے ساتھ ممدوح ہوئے۔

((وکان ابوه من سادات قريش وتفرد بالسئود بعد يوم بدر ثم لما اسلم حسن بعد ذالك اسلامه وكان له مواقف شريفه وآثار محموده في يوم يرموك وما قبله وما بعده))[2]

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ (والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) پر بلاوجہ معترض ہوتے ہیں اور ان کے دور جاہلیت اور قبل الاسلام کے معاندانہ واقعات کو پیش نظر رکھ کر ان کی تنقیص و تقبیح اور بدگوئی کو کار خیر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام لانا اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو دور کر دیتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برائی سے یاد کرنے سے مسلمان کی اپنی عاقبت خراب ہوتی ہے اور ایمان ضائع ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قبیلہ قریش اور غیر قریش میں بے شمار لوگ اولاً دین اسلام کے دشمن تھے تدریجاً اسلام میں ترقی ہوتی گئی اور وہی مخالفت کرنے والے افراد و قبائل دین حق قبول کر کے اسلام میں داخل ہوتے گئے اور اپنے دور اسلام میں وہی حضرات ملت اسلامیہ کے بہترین خادم ثابت ہوئے، اور فتح مکہ ۸ھ کے بعد اسلام کا غلبہ ہو گیا اور مخالفین خود بخود شرک و کفر ترک کر کے دین اسلام قبول کرتے گئے۔

اس سلسلے میں بہت سے واقعات تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ مثلاً ایک ہاشمی بزرگ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، یہ قبل الاسلام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے اور اسلام و اہل اسلام کے ساتھ کمال عداوت رکھتے تھے اور قادر الکلام شاعر ہونے کی وجہ سے اپنی شاعری میں دین اسلام کی ہجو اور مذمت کرتے تھے۔ جبکہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں دفاع کرتے ہوئے ان کے اشعار کا جواب دیتے تھے۔ چنانچہ ابوسفیان بن حارث مذکور کے ترجمہ میں علمائے تراجم نے یہ امور تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔

البدایہ والنہایہ لابن کثیر میں ہے کہ:

((وکان ابوسفیان بن الحارث) قبل ذالك من اشد الناس على رسول الله

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱، ج ۸، تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷، ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سنہ ۶۰ھ

ﷺ وعلی دینه وعلی من تبعه وکان شاعرا مطیقا یهجو الاسلام واهله، وهو الذی رد علیه حسان بن ثابت رضی الله عنه قوله۔ ولما جاء هو وعبدالله بن ابی امیة یسلما لم یأذن لهما علیه السلام حتی شفعت ام سلمة فأذن له......الخ))[1]

''حاصل یہ ہے کہ قبل الاسلام تو ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کی مخالفت انتہا درجے کی پائی جاتی تھی اور وہ جب اسلام لانے کے لیے فتح مکہ کے موقع پر آنجناب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ ایک دوسرا ساتھی بھی تھا، تو آنجناب ﷺ نے ان کو اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہیں دی مگر بعد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سفارش سے ان کا یہ مسئلہ حل ہوا اور اس وقت ابوسفیان بن حارث مذکور کو پریشان کن حالت کے بعد یہ حاضری نصیب ہوئی تھی۔ آخر کار جناب نبی کریم ﷺ نے شفقت فرمائی تو خدمت اقدس میں یہ حاضر ہوئے اور آنجناب ﷺ نے ان کا اسلام قبول فرمالیا۔ اس کے بعد اسلام کی انھوں نے جو بہترین خدمات سرانجام دیں وہ اہل علم پر واضح ہیں۔''

مختصر یہ ہے کہ یہ دونوں ابوسفیان ہمنام بزرگ ہیں، ایک ہاشمی ہیں ایک بنوامیہ سے ہیں، دونوں کا قبل الاسلام ایک جیسا کردار پایا جاتا ہے دونوں پیغمبر اسلام (ﷺ) کے شدید ترین معاند و معارض تھے۔ جب ان کی تقدیر کا رخ بدلا ہے تو دونوں میں عداوت کی جگہ محبت آ گئی، دشمنی دوستی سے تبدیل ہو گئی، سردار دو عالم ﷺ کے غلام بن گئے اور دین و اسلام کے مخلص خدام میں شمار ہوئے (جیسا کہ واقعات اس پر شاہد عادل ہیں)

نہایت افسوس ہے کہ اب بنوامیہ کے ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو تو ہدف ملامت قرار دیا جاتا ہے اور ہاشمی ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) پر کوئی طعن و نقد نہیں کیا جاتا۔ کیا علمی دیانت یہی ہے؟

ناظرین کرام! یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے بلکہ یہ قبائلی تعصب ہے اور خاندانی عصبیت ہے۔ کیا کتاب و سنت کے فرمودات ان حضرات کو فراموش ہو گئے ہیں؟

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ...... الخ

المسلم اخوا المسلم لا یظلمه ولا یخذله......الخ

و کونوا عباد الله اخوانا الخ وغیرہ وغیرہ

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۳ ج ۷ تحت ابی سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ
اسد الغابہ (ابن جزری) اور الاصابہ (ابن حجر) میں بھی یہ مضمون مذکور ہے۔ تحت ابی سفیان بن حارث ہذا

سطور بالا میں اختصاراً چند چیزیں بطور موازنہ کے ذکر کر دی ہیں۔ اہل انصاف حق بات کو قبول فرمائیں گے البتہ زیغ عن الحق اور تعصب قبائلی کا کوئی علاج نہیں۔

مادری نسب

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا نام ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔[1]

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی کچھ حالات ہم نے اپنے کتابچہ ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' میں ذکر کر دیے ہیں۔ تفصیلات کے لیے وہاں رجوع فرمائیں۔

لیکن چند ایک چیزیں یہاں ذکر کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ یہ بعد میں دستیاب ہوئیں اور قبل ازیں درج نہیں ہو سکیں۔

یہ ظاہر بات ہے کہ قبول اسلام سے قبل ہند بنت عتبہ اہل اسلام کے ساتھ انتہائی عناد اور مخالفت کیا کرتی تھیں۔ اس پر بہت سے واقعات شاہد ہیں۔ لیکن جب ان کے خاوند حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور میاں بیوی کی قسمت کا رخ بدلا تو ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے ایک رات بعد فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئیں اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا اسلام منظور فرما لیا۔

اس موقع پر علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اسلام لانے کے بعد ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا دین اسلام پر نہایت مستقیم ہو گئیں اور ان کا اسلام نہایت پختہ تھا اور صادق الایمان والیقین تھیں۔

چنانچہ امام نووی اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے ان کے حسن اسلام کی تائید بالفاظ ذیل تحریر کی ہے:

((ان هنداً اسلمت یوم الفتح وحسن اسلامها هی ام معاویة بن ابی سفیان اسلمت فی الفتح بعد اسلام زوجها ابی سفیان بلیلة وحسن اسلامها رضی الله عنها)) [2]

اور ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے تطہیر الجنان الفصل الاول کے آخر میں لکھا ہے کہ:

((ولما اسلمت كانت علی غایة من التثبت والیقظة فانها اثر البیعة الخ))

''یعنی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے جب دین قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئیں تو دین واسلام پر نہایت پختہ

---

[1] نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۲۵، تحت ولد ابی سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ
جمہرۃ الانساب (ابن حزم) ص ۱۱۱، تحت ولد حرب بن امیہ۔
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۰۹، ج ۴ تحت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا۔

[2] تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۳۵۷ ج ۲ تحت حرف الہا (ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا)
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۷ تحت سنہ ۱۴ھ طبع اول مصر
اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ص ۳۸۵ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تھیں اور یقین و استقلال کے ساتھ قائم تھیں۔ یہ چیز بیعت نبوی کے اثرات و برکات میں سے تھی۔"

چند ایک اہم واقعات

پہلا واقعہ: محدثین اور مورخین دونوں حضرات نے حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کا مندرجہ ذیل واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی والدہ ہند سے سنا، وہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرتے ہوئے بیان کرتی تھیں کہ جنگ احد میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بزرگوار اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ (اپنے غیظ و غضب کی حالت میں) میں نے مثلہ کا معاملہ کیا تھا۔

جب قبیلہ قریش احد سے واپس ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس آئی۔ اس کے بعد میں نے ایک خواب تین شب لگاتار دیکھا:

① (خواب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ) ایک رات خواب میں دیکھتی ہوں کہ میں ایک ایسے اندھیرے میں ہوں کہ پہاڑ، زمین کچھ دکھائی نہیں دیتا، ہر طرف ظلمت ہی ظلمت ہے۔ پھر ایک روشنی نمودار ہوئی جس کی بدولت تمام اندھیرا دور ہو گیا۔ میں دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکار رہے ہیں اور دعوت دے رہے ہیں۔

② پھر دوسری شب خواب میں دیکھتی ہوں کہ گویا میں ایک راستہ پر کھڑی ہوں۔ میرے دائیں جانب ہبل (بت) موجود ہے وہ مجھے اپنی طرف بلاتا ہے اور میرے بائیں طرف یساف (بت) موجود ہے وہ مجھے اپنی طرف بلاتا ہے، اس کشمکش کی حالت میں تھی کہ ناگہاں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے ہیں اور مجھے فرماتے ہیں کہ اس طرف آؤ۔

③ پھر تیسری شب خواب دیکھتی ہوں کہ میں دوزخ کے کنارے پر کھڑی ہوں۔ ڈالنے والے مجھے دوزخ میں ڈالنا چاہتے ہیں ناگہاں ہبل (بت) مجھے کہتا ہے کہ اس میں داخل ہو جاؤ۔ اس حالت میں میں نے توجہ کی تو میری پشت کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ آنجناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میرے ثیاب (کپڑوں) کو پکڑا اور اس طرح میں دوزخ کے کنارہ سے دور ہو گئی۔

ان مسلسل خوابوں کو دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گئی اور میں نے کہا کہ قدرت کی طرف سے میرے لیے یہ راستہ واضح کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد میں اپنے صنم (بت) کی طرف اٹھی (یہ ہمارے گھروں میں موجود تھا) اور اس کو توڑنے لگی اور میں اسے کہتی تھی کہ ایک مدت دراز سے ہم تیری وجہ سے فریب خوردہ تھے۔ آپ کہتی ہیں کہ میں اس کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئی اور شرف بیعت سے سرفراز ہوئی۔

((عن عمر بن عبدالعزیز قال سمعت سلمی مولاۃ مروان بن الحکم تقول حدثنی مروان بن الحکم یقول سمعت معاویۃ بن ابی سفیان یقول سمعت امی ھند بنت عتبۃ تقول وھی تذکر رسول اللہ ﷺ تقول فعلت یوم احد ما فعلت من المثلۃ بعمہ واصحابہ کلما سارت قریش مسیرا فانا معھا بنفسی حتی رایت فی النوم ثلاث لیال رایت کانی فی ظلمۃ لا ابصر سھلا ولا جبلا واری ان تلک الظلمۃ انفرجت عنی بضوء مکانہ فاذا رسول اللہ ﷺ یدعونی۔ ثم رایت فی اللیلہ الثانیۃ کانی علی طریق واذا بھبل عن یمینی یدعونی واذا یساف یدعونی عن یساری واذا رسول اللہ ﷺ بین یدی قال علیہ السلام ھلمی الی الطریق ثم رایت اللیلہ الثالثۃ کانی واقف علی شفیر جھنم یریدون ان یدفعونی فیھا واذا بھبل یقول ادخلی فیھا فالتفت فاذا رسول اللہ ﷺ من ورائی آخذاً بثیابی فتباعدت عن شفیر جھنم وفزعت فقلت ھذا شیء قد بین لی فغدوت الی صنم فی بیتنا فجعلت اضربہ واقول طالما کنت منک فی غرور واتیت رسول اللہ ﷺ فاسلمت و بایعت))[1]

صنم ہذا کی بت شکنی کا واقعہ ہمارے کتابچہ مذکورہ پر بھی درج ہے لیکن اس کے پس منظر کی تفصیلات وہاں ذکر نہیں ہو سکیں، وہ اس روایت کے ذریعے سے مکمل ہوتی ہیں۔

دوسرا واقعہ: ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی مفصل تاریخ دمشق میں ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے بعد کا ایک اور واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ:

ابوحصین ہذلی ذکر کرتے ہیں کہ جب ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں تو انھوں نے جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں چمڑے کا ایک مشکیزہ اور بکری کے بھنے ہوئے دو چھوٹے بچے اپنی ایک خادمہ کے ذریعے سے بطور ہدیہ کے ارسال کیے۔ اس وقت آنجناب ﷺ وادی ابطح میں فروکش تھے۔ جب خادمہ آنجناب ﷺ کے خیمہ کے قریب پہنچی تو سلام عرض کیا اور خیمہ کے اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر آنجناب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ اس وقت جناب نبی اقدس ﷺ اپنی ازواج مطہرات حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر ہاشمی خواتین کے درمیان تشریف فرما تھے۔

---

[1] مسند عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۳، طبع قدیم ملتان ۱۳۴۰ھ
تاریخ ابن عساکر، جلد تراجم النساء ص ۴۴۸-۴۴۹ تحت ہند بنت عتبہ بن ربیعہ طبع دمشق

خادمہ نے آ کر عرض کیا کہ میری مالکہ ہند بنت عتبہ نے یہ ہدیہ جناب کی خدمت میں ارسال کیا ہے اور ساتھ ہی وہ آنجناب ﷺ کی خدمت میں اعتذار کرتے ہوئے عرض کرتی ہیں کہ ہماری بکریوں نے ان ایام میں قلیل سے بچے جنے ہیں، سردست یہ ہدیہ حاضر خدمت ہے تو جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تمھاری بکریوں کے اندر برکت عطا فرمائے اور ان کی اولاد میں اضافہ فرمائے۔ اس کے بعد وہ خادمہ اپنی مالکہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آئی اور ان کو جناب نبی کریم ﷺ کے مذکورہ کلمات برکت کے ساتھ دعا فرمانے کی خبر دی، تو ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ان دعائیہ کلمات سے نہایت خوش ہوئیں اور ان کی خادمہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہماری بکریوں اور ان کی اولاد میں ایسی کثرت اور زیادتی پائی گئی جو اس سے قبل ہم نے نہیں دیکھی تھی ہند رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ کی یہ دعا و برکت کا نتیجہ ہے اور فرماتیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت فرمائی اور پھر ہند رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دھوپ میں کھڑی ہوں اور ایک سایہ میرے قریب ہے لیکن میں اس کے حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوں اس حالت میں جناب نبی کریم ﷺ ہمارے قریب تشریف لائے اور تب میں سایہ میں داخل ہو سکی (یعنی کفر کی دھوپ سے نکل کر اسلام کے سایہ میں آ پہنچی)۔ یہ تمام آنجناب ﷺ کے وجود مسعود کی برکات کا اثر تھا میں از خود یہ سعادت حاصل نہ کر سکتی تھی۔

ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن ابی حصین الهذلی قال لما اسلمت هند بنت عتبة ارسلت الی رسول الله ﷺ بهدية وهو بالابطح مع مولاة لها بجديين مرضوفين وقد فانتهت الجارية الى خيمة رسول الله ﷺ فسلمت واستاذنت فاذن لها۔ فد خلت علی رسول الله ﷺ وهو بين نسائه ام سلمة زوجته وميمونة و نساء من نساء بنی عبدالمطلب فقالت ان مولاتی ارسلت اليك بهذا الهدية وهی معتذرة اليك وتقول: ان غنمنا اليوم قليلة الوالدة فقال رسول الله ﷺ بارك الله لكم فی غنمكم واكثر والدتها۔ فرجعت المولاة الی هند فاخبرتها بدعاء رسول الله ﷺ فسرت بذالك وكانت المولاة تقول: لقد رائينا من كثرة غنمنا و والدتها ما لم نكن نری قبل ولا قريب فتقول هند هذا دعاء رسول الله ﷺ وبركته، فالحمد لله الذی هدانا للاسلام ثم تقول كنت اری فی النوم انی فی الشمس ابدا قائمة والظل منی قريب لا اقدر فلما دنا

رسول الله ﷺ منا رأيت كاني دخلت الظل))[1]

مطلب یہ ہے کہ میں کفر کی دھوپ سے نکل کر اسلام کے سایہ میں آ پہنچی۔ یہ تمام آنجناب ﷺ کے وجود مسعود کی برکات طیبہ کا اثر تھا جو اس طریقہ سے ظاہر ہوا۔

ان ہر دو واقعات کی پوری طویل عبارت ہم نے اصل ماخذ سے علمائے کرام کی تسلی کے لیے نقل کر دی ہے امید ہے باعث اطمینان ہوگی اور مزید چیزیں استنباط کرنے میں بھی یہ روایت مفید ہوگی۔

تنبیہ...... مخالفین صحابہ کی طرف سے لعنت کا وظیفہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے واقعات اور پھر ان کی اسلام پر پختگی کی چند ایک چیزیں یہاں ذکر کی ہیں۔ اپنے کتابچہ ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' میں حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے احوال کچھ تفصیل سے ہم نے تحریر کیے ہیں جن سے نبی اقدس ﷺ سے ان کی عقیدت کا تعلق، دینی حیثیت اور اسلامی خدمات واضح ہوتی ہیں۔

حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اسلام کی خواتین میں ایک بلند پایہ، دین دار اور اعلیٰ کردار کی مالک خاتون تھیں اسلام لانے کے بعد اسلام کی خدمت اور حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہیں اور دین پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

یہ چیز حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے اعلیٰ مناقب میں سے ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ بیعت کرنے والی ان خواتین میں یہ داخل ہیں جن کے حق میں فرمان خداوندی ہے:

فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ (ممتحنة)

''یعنی جناب نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ان خواتین سے بیعت لیجیے اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجیے۔ (یعنی جب یہ خواتین مذکورہ شش شرائط تمام کریں)۔''

مسئلہ بیعت کو مورخین نے یہ عبارت ذیل درج کیا ہے اور جہاں مبایعات کی طویل فہرست دی ہے وہاں لکھا ہے کہ:

((وهند بنت عتبة بن ربيعة بايعت يوم الفتح))[2]

''یعنی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے روز نبی کریم ﷺ سے بیعت کی اور اس نعمت سے شرف اندوز ہوئیں۔''

---

1. تاریخ دمشق (ابن عساکر) ص ۴۵۶-۴۵۷ جلد تراجم النساء تحت ہند بنت عتبہ، طبع دمشق
2. کتاب المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۴۰۸ تحت اسماء النسوۃ المبایعات۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اسلام قبول کر لینے کے بعد دیگر صحابیات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مذکورہ عز و شرف سے سرفراز ہوئیں اور اپنے پیغمبر کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حصول بیعت کے بعد مغفرت کی دعائیں حاصل کیں۔

لیکن بعض لوگوں کو ان کے ساتھ قلبی عداوت اور ازلی عناد ہے اس بنا پر حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کو مذموم خطابات اور برے عنوانات سے یاد کرتے ہیں کہ یہ جگر خوار تھی۔ اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ یہ چیزیں قبل از اسلام کی تھیں اور بعد از اسلام یہ سب معاف ہوگئیں اور اسلام لانے کے بعد شرف و عزت کے متعدد امور سے متمتع ہوئیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے۔

نیز مخالفین صحابہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے ''ائمہ کرام'' نے دن میں پانچ مرتبہ یعنی ہر نماز کے بعد ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعنت برسانے کی تعلیم و تلقین کر رکھی ہے۔

حالانکہ ائمہ عظام رحمہم اللہ کتاب و سنت کی تعلیم کرنے والے تھے اور دین کی تعلیم یہ ہے کہ شخصی لعنت منع ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ اسے ذکر کر رہے ہیں۔ پھر وہ کس طرح اس قسم کے فرمان جاری کرتے تھے؟ یہ سب ان بزرگوں پر افترا ہے۔

تاہم مخالفین کی معتبر روایت ذیل میں پیش کی جاتی ہے جس میں یہ حکم مذکور ہے۔

ملا باقر مجلسی اپنی مشہور تالیف عین الحیوۃ میں لکھتے ہیں:

''بسند معتبر منقول است کہ حضرت امام جعفر صادق از جائے نماز خود بر نمی خاستند تا چہار ملعون و چار ملعونہ را لعنت نمی کردند پس باید کہ بعد از ہر نماز بگوید:

اللهم العن ابابكر و عمر و عثمان و معاوية و عائشة و حفصة و هند و ام الحكم۔[1]

''اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر نمازی ہر پانچ وقت میں نماز کے بعد یہ الفاظ کہے کہ اے اللہ! (ان چار مردوں) پر لعنت فرما اور ان (چار خواتین) عائشہ، حفصہ، ہند اور ام الحکم پر لعنت فرما۔''

(استغفر اللہ ربی انا للہ وانا الیہ راجعون)

واضح ہو کہ مردوں میں حضرات خلفائے ثلاثہ اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ اور چار خواتین میں سے پہلی دو خواتین حضرت عائشہ بنت ابی بکر اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما امہات المومنین ہیں تیسری خاتون حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ہیں اور چوتھی خاتون ام الحکم رضی اللہ عنہا

[1] عین الحیوۃ تالیف ملا باقر مجلسی شیعی ص ۶۶۹ طبع تہران، تحت عنوان اذکار و ادعیہ کہ در عقب ہر نماز باید خواندہ شود (فصل دوم)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر (بہن) ہیں۔
یہ تشریح ہم نے عام دوستوں کے لیے لکھ دی ہے ورنہ اہل علم حضرات اس مفہوم سے اچھی طرح واقف ہیں۔
یہ ان لوگوں کا ورد اور وظیفہ ہے جو یہ پنج گانہ نماز کے بعد ادا کرتے ہیں۔ اس وظیفہ کے بغیر ان کی نماز تمام نہیں ہوتی۔

مندرجات بالا سے ناظرین کرام اندازہ فرما سکتے ہیں کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، امہات المومنین اور اکابر صحابیات رضی اللہ عنہن اور اس دور کی اسلام کی معزز خواتین کے ساتھ مخالفین صحابہ کا کیا رویہ رہا ہے اور ان کے دل میں ان کے خلاف کس قدر بغض وعناد بھرا ہوا ہے۔ ان کے حق میں بدگوئی کرنا ان کے معمولات دین اور پنج وقتی اوراد و وظائف میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشیں اور اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے ساتھ حسن ظن کی توفیق عنایت فرمائیں جو آخرت کی نجات میں مفید ہو گا اور بدگوئی و بدگمانی سے دور رکھیں جو قیامت میں موجب خسران ہو گی۔

دعوت غور وفکر

ماقبل میں ناظرین کرام نے مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ کار اور شخصی لعن طعن کا طرز عمل ملاحظہ فرمایا۔ اب اس مسئلہ میں ان حضرات کی معتبر کتب سے امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ امام موصوف نے شخصی لعنت کے مورد و محل کا مسئلہ بیان فرماتے ہوئے کیا حکم صادر فرمایا ہے؟
ابو العباس عبداللہ بن جعفر حمیری قمی کی تصنیف قرب الاسناد میں ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

((ثم قال ابی (ابو عبدالله) ان اللعنة اذا خرجت من صاحبها ترددت بينها وبين الذی يلعن فان وجدت مساغا والاعادت الی صاحبها وكان احق بها فاحذروا ان تلعنوا مؤمنا فيحل بكم))[1]

"مطلب یہ ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لعنت جب لعنت بھیجنے والے سے صادر ہوتی ہے تو وہ اپنے (محل لعنت) اور لعنت کنندہ کے درمیان تردد کرتی ہے اگر محل لعنت ٹھیک اور جائز ہو تو اس پر پڑتی ہے ورنہ وہ لعنت کنندہ کی طرف عود کرتی ہے اور وہی اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ پس اے لوگو! کسی مومن شخص پر لعنت کرنے سے اجتناب کرو ورنہ وہ لعنت تم پر اترے گی۔"
شخصی لعنت کے متعلق امام صاحب کی یہ تعلیم ہے جو من و عن پیش کر دی ہے۔

① نیز ابو الائمہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نہج البلاغہ میں مروی ہے کہ جب انھوں نے بعض لوگوں کو اہل شام پر سب و شتم کرتے ہوئے سنا تو فرمایا:

---

[1] قرب الاسناد ص ۷ تحت مسئلہ ہذا طبع مکتبہ نینوی، الحدیثہ، تہران۔

((انی اکرہ لکم ان تکونوا سبّابین...... الخ))[1]

''یعنی میں تمہارے حق میں سباب (سب و شتم اور لعن طعن کرنے والا) ہونے کو مکروہ جانتا اور ناپسند کرتا ہوں۔''

④ اسی طرح دیگر مقام پر بھی لعن کرنے والوں کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ:

((کرھت لکم ان تکونوا شتامین لعانین))[2]

''یعنی میں تمہارے لیے سب و شتم اور لعن طعن کرنے کو مکروہ جانتا ہوں۔''

مختصر یہ ہے کہ ناظرین کرام کے سامنے ہم نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے فرمودات اور ہدایات ان کی اونچے درجے کی معتبر کتابوں سے پیش کر دیے ہیں اور گیارھویں صدی کے ان کے علماء ملا باقر مجلسی وغیرہ کے اقوال بھی ذکر کر دیے ہیں۔

اب قارئین کرام نتائج قائم کر کے خود ہی فیصلہ فرماویں کہ کون سی بات صحیح ہے؟ اور کونسا طریقہ کار درست ہے؟

ولادت

حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے سن ولادت کے متعلق ایک چیز تو اہل سیرت نے یہ ذکر کی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سن ولادت کے چونتیس سال بعد سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔ اور سید الکونین جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت مشہور اقوال کے اعتبار سے عام الفیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

((وفی سنة اربع وثلاثین من مولده صلی اللہ علیہ وسلم ولد معاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما))[3]

اور اس مسئلہ میں دیگر اقوال اس فن کے علمائے کرام نے اس طرح درج کیے ہیں کہ

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ برس قبل حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ سات سال بعثت سے پہلے ولادت ہوئی اور نیز تیرہ برس قبل از بعثت کا قول بھی پایا جاتا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول (یعنی بعثت نبوت نے پانچ برس پہلے ولادت ہونا) زیادہ مشہور ہے۔

((ولد قبل البعثة بخمس سنين وقيل بسبع وقيل بثلاث عشرة والاول اشهر))[4]

ہم نے یہاں تخمیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت کا سن تحریر کیا ہے، صحیح طور پر سال، مہینہ اور تاریخ

---

[1] نہج البلاغہ ص ۴۲۰، ج ا، تحت من کلام لہ علیہ السلام قد سمع قوم من اصحابہ یسبون اہل الشام۔

[2] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۱۶۵ طبع قاہرہ مصر تحت وقعۃ الصفین۔

[3] سیرۃ حلبیہ ص ۴۰۵ ج ۳ تحت بیان ما وقع من الحوادث من عام ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم الی زمن وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ

[4] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۱۲ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (مع الاستیعاب)

پیدائش کا تعین مشکل ہے۔

نسبی تعلقات

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خاندانی تعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر خاندان بنی ہاشم کے ساتھ بہت قریبی پایا جاتا ہے اور ان دونوں خاندانوں کے نسبی روابط انساب اور تاریخ کی کتابوں میں بڑے مفصل مذکور ہیں۔

دونوں قبیلوں کے نسبی تعلقات ذکر کرنے سے ان کا آپس میں ارتباط ظاہر کرنا مقصود ہے تاکہ ان دونوں قبائل کا آپس میں قرب واضح ہو جائے۔

اوّل: اس سلسلے میں پہلا رشتہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا ذکر کرنا مناسب ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جن کا نام رملہ بنت ابوسفیان ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر (بہن) اور ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کی دختر ہیں۔

آپ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم ہونے کی وجہ سے ام المومنین کے لقب سے مشرف ہیں اور اسی رشتہ کی بدولت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ''برادر نسبتی'' ہونے کا شرف حاصل ہے، اور رشتہ ہذا بے شمار نعمتوں اور برکات کا سرچشمہ ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ ہے اور یہ حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی بھائی حنظلہ بن ابی سفیان جنگ بدر میں قریش مکہ کی حمایت میں قتل ہو گیا تھا۔ یہ اسلام نہیں لایا تھا۔

جاہلیت کے دور میں جناب ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سابق زوج عبیداللہ بن جحش بن رئاب الاسدی تھا جو ارض حبشہ میں فوت ہو گیا تھا۔ اس زوج سے ان کی ایک لڑکی حبیبہ بنت عبیداللہ پیدا ہوئی جس کے نام سے آپ کی کنیت ام حبیبہ مشہور ہوئی۔[1]

دوم: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک اور تعلق علمائے انساب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ''ہم زلف'' تھے۔

[1] مندرجہ بالا تمام چیزوں کی تصدیق کے لیے مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں:

نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۲۳-۱۲۴، تحت ولد ابی سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ۔

طبقات ابن سعد ص ۶۸ ج ۸ تحت رملہ بنت ابی سفیان ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔

جمہرۃ الانساب (ابن حزم) ص ۱۱۱ تحت ولد حرب بن امیہ

تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) ص ۷۰-۲۰۷ ج تراجم النساء، تحت رملہ بنت ابی سفیان، طبع دمشق۔

کتاب المراسیل (ابن ابی داود) ص ۲۴-۲۵، باب النظر عند التزویج، طبع مصر

تاریخ یعقوبی شیعی ص ۸۴ ج ۲ تحت ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن مسمات قریبہ صغریٰ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

((وسالفه من قبل ام سلمة معاوية بن ابی سفيان بن حرب بن اميه كانت عنده قريبة الصغرىٰ بنت اميه بن المغيرة اخت ام سلمة لابيها لم تلد له))[1]

سوم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ (ہند بنت ابی سفیان بن حرب) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی کے فرزند حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں اور اس سے اولاد بھی ہوئی، ان کے ایک بیٹے کا نام محمد تھا۔

((هند بنت ابی سفيان بن حرب بن اميه الاموية اخت معاوية كانت زوج الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم فولدت له ابنه محمدا))[2]

چہارم: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند علی اکبر بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ (جو شہید کربلا ہیں) ان کی والدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ کی ماں میمونہ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

یہ میمونہ بنت ابی سفیان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی خوشدامن ہیں، اور علی اکبر بن حسین رضی اللہ عنہ کی نانی ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ علی بن حسین کی والدہ لیلیٰ بنت مرہ کے سگے ماموں ہیں کیونکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی یعنی (خواہر زادی) تھی۔

((ولد الحسين بن علی بن ابی طالب عليا اكبر قتل بالطف مع ابيه وامه ليلى بنت ابی مرة بن عروة بن مسعود الثقفی وامها ميمونة بنت ابی سفيان بن حرب بن امية))[3]

---

[1] کتاب المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۱۰۲، طبع حیدرآباد دکن۔

[2] الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۸-۵۹ ج ۳ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل...... الخ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۰۹، ج ۴ تحت ہند بنت ابی سفیان بن حرب
تہذیب التہذیب ص ۱۸۱ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث
طبقات ابن سعد ص ۱۵ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل (طبع لیڈن)

[3] نسب قریش ص ۵۷ تحت ولد حسین بن علی بن ابی طالب
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۵۵ ج ۱ تحت ۶۱ھ مقتل حسین واصحابہ
مقاتل الطالبین (ابوالفرج اصفہانی شیعی) ص ۵۴ ج ۱ باب ذکر خبر الحسین بن علی ومقتلہ...... الخ

نوٹ: یہ رشتے شیعہ سنی سب علماء کے نزدیک مسلم ہیں۔
پنجم: حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی پوتی لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نکاح میں تھی۔

((وتزوجت لبابة بنت عبيدالله بن عباس بن عبدالمطلب العباس بن علی بن ابی طالب، ثم خلف عليها الوليد بن عتبة بن ابی سفيان))[1]

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان یہ چند ایک نسبی تعلقات اور رشتہ داریاں بطور نمونہ ذکر کی ہیں ورنہ اس کے علاوہ بھی متعدد نسبی روابط انساب کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور وہ اس فن کے علماء پر مخفی نہیں۔
مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ خاندان امیر معاویہ خاندان بنو ہاشم کے قریب تر ہے اور یہ کوئی غیر قبیلہ نہیں بلکہ سب اولاد عبد مناف ہیں۔
نیز یہ بات بھی واضح ہوئی کہ ان ہر دو خانوادوں میں قبائلی عصبیت اور نسلی تعصب نہیں تھا اسلام لانے کے بعد دیرینہ عداوتیں اور دھڑے بندیاں ختم ہو چکی تھیں۔
جو لوگ ان دونوں قبیلوں کے درمیان قبل از اسلام والی عداوت اور عناد کو بعد از اسلام بھی قائم اور ثابت رکھنا چاہتے ہیں اور دن رات اسے پھر سے قائم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں وہ قبائلی تعصب کا پرچار کرتے ہیں اور یہ درست نہیں حقیقت واقعہ کے خلاف ہے اور یہ رشتہ داریاں اس تخیل کے غلط ہونے پر بطور واقعات کے شاہد عادل ہیں۔
اسلام نے ان قبائل کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دیا تھا اور انھیں جاہلی تعصبات سے دور کر دیا تھا اور دینی روابط ان پر غالب آ گئے تھے۔

قبول اسلام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف اسلام سے مشرف ہونے کے متعلق متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔
بعض مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں عمرۃ القضاء سے قبل اسلام قبول کر چکا تھا لیکن اپنی والدہ (ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا) کے خوف

← منتخب التواریخ (محمد ہاشم خراسانی شیعی) ص ۱۷۲ مقصد سوم امر چہارم باب پنجم طبع جدید تہران۔
منتہی الامال (شیخ عباس قمی شیعی) ص ۳۶۴ ج ۱ تحت تذکرہ ازواج حسین بن علی رضی اللہ عنہ
[1] کتاب المحبر (ابو جعفر بغدادی) ص ۴۴۱
کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۳۳ تحت ولد عتبہ بن ابی سفیان
کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۳۲ تحت اولاد عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
حواشی عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (ابن عنبہ شیعی) ص ۳۳ تحت اولاد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سے مدینہ شریف کی طرف ہجرت نہ کی کیونکہ وہ مجھے کہتی تھیں کہ اگر تو مدینہ کی طرف گیا تو ہم تیرا نفقہ بند کر دیں گے اور تیرے ساتھ کوئی تعاون نہیں کریں گے۔

((وحكى ابن سعد انه كان يقول لقد اسلمت قبل عمرة القضية ولكنى كنت اخاف ان اخرج الى المدينة لان امى كانت تقول ان خرجت قطعنا عنك القوت))[1]

اور بعض حضرات نے ان کا اسلام لانا فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول یہ ہے کہ انھوں نے صلح حدیبیہ کے بعد عمرۃ القضا میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام قبول کیا مگر اسے بوجہ خوف اپنے والدین سے مخفی رکھا یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ سب کے سامنے قبول اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ عمرۃ القضا ٧ھ میں پیش آیا تھا۔

پس اس مسئلہ میں بہ نسبت عام مورخین کے اقوال کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے قول کو ترجیح دینا زیادہ قرین قیاس ہے۔

مورخین کے ایک اندازے کے مطابق اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمر کم وبیش اٹھارہ برس کی ہوگی۔

① چنانچہ مصعب زبیری رحمہ اللہ نے نسب قریش میں لکھا ہے کہ:

((ومعاوية بن ابى سفيان رضي الله عنهما كان يقول اسلمت عام العمرة القضية ولقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضعت اسلامى عنده وقبل منى))[2]

② اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اسی مسئلہ کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے

((اسلم وهو ابن ثمانى عشرة سنة وكان يقول اسلمت عام القضية ولقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعت عنده اسلامى))[3]

③ اسی طرح صاحب اسد الغابہ نے تحریر کیا ہے کہ:

((وكان معاوية رضي الله عنه يقول انه اسلم عام القضية وانه لقى رسول الله صلى الله عليه وسلم مسلما و كتم اسلامه من ابيه وامه...... الخ))[4]

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (مع الاستیعاب)

[2] نسب قریش ص ۱۲۴ تحت اولاد ابی سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ۔

[3] تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۷ ج ۱ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[4] اسد الغابہ ص ۳۸۵ ج ۴ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

④((فهوفی عمرة القضية المتاخرة عن الحديبية الواقعة سنة سبع قبل فتح مكة بسنة كان مسلما...... الخ))[1]

⑤ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ثم لما دخل عام الفتح اظهرت اسلامی فجئته فرحب بی))[2]

''یعنی جب فتح مکہ ہوئی تو میں نے اپنے اسلام کو ظاہر کیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ازراہ کرم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مرحبا کہا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے متعلق اکابر علماء کی یہ چند عبارات بلفظہٖ نقل کر دی ہیں۔ اس مسئلہ کو دیگر مورخین نے اپنی تصانیف کے مندرجہ ذیل مقامات میں نقل کیا ہے مزید تسلی کے لیے ان کی طرف رجوع فرمائیں، یہاں صرف حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں:

① تاریخ مدینہ دمشق، (ابن عساکر) (مخطوط) ص ۶۷۲ ج ۱۶، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

② کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۸ ج ا تحت ۶۰ھ

③ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۸ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

④ تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۲ جلد ج ۲ ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

⑤ البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۱، ۱۱۷ ج ۸ تحت فضل معاویہ۔

دور نبوت میں غزوات میں شرکت اور حصول غنائم

فتح مکہ رمضان شریف ۸ھ میں ہوئی اس کے بعد ابتدائے شوال میں غزوہ حنین اور غزوہ طائف پیش آئے یہ دونوں غزوات اسلام کے اہم معرکے تھے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت اور آنجناب کی زیر قیادت بقول بعض مورخین قریباً بارہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان غزوات میں شریک ہوئے۔ چنانچہ بنی ثقیف اور بنی ہوازن کے خلاف حنین کے مقام پر شدید قتال پیش آیا۔

اس غزوہ میں جہاں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کی وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے دینی جذبات کے تحت شریک ہو کر حصہ لیا اور اسلامی اقتدار کی سربلندی کے لیے جہاد و قتال کی مساعی کیں اور آنجناب کی اطاعت و رفاقت میں عنایات کریمانہ سے مستفید ہوئے۔

---

[1] تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۷ ابتداء الفصل الاول مع الصواعق المحرقۃ

[2] البدایہ (ابن کثیر) تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۱۷ ج ۸۔

طبقات ابن سعد ص ۱۲۸ ج ۷ قسم ثانی طبع لیڈن تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

اس مقام کی تفصیلات تو احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں لیکن صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے متعلقہ چند ایک چیزیں یہاں اجمالاً ذکر کی جاتی ہیں۔ واقعات کی تفصیل ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں۔

① ان غزوات میں بعض دفعہ فریق مقابل (بنی ثقیف) کے ساتھ کلام کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت اہل اسلام کی طرف سے حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما نے پیش قدمی کی اور ان کو آواز دے کر امان کی صورت میں گفتگو کی۔ اس چیز کو ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((وتقدم ابو سفيان بن حرب والمغيرة بن شعبة رضي الله عنهما فناديا ثقيفا بالامان حتى يكلموهم فامنوهم))[1]

② اسی طرح جب غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی اور انھیں بہت سے غنائم حاصل ہوئے اور مخالفین کے چھ ہزار کے قریب افراد کو قیدی بنا لیا گیا۔ تو ان قیدیوں کی نگرانی اور حفاظت کی اشد ضرورت تھی، سو اس منصب کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کو ان کے معاملے کا والی مقرر فرمایا گیا اور امین قرار دیا (جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی لیاقت اور صلاحیت اور ان پر دینی اعتماد کی بین دلیل ہے)

((وفي كلام السهيلي وكان سبي حنين ستة الاف رأس قد ولى صلى الله عليه وسلم ابا سفيان بن حرب رضي الله عنه امرهم وجعله امينا عليهم هذا كلامه اي و لعل هذا بعد رجوعه صلى الله عليه وسلم من الطائف لان ابا سفيان رضي الله عنه كان معه صلى الله عليه وسلم بالطائف كما سياتي))[2]

③ غزوہ طائف کے موقع پر کفار کے ساتھ جب اہل اسلام کا مقابلہ ہوا تو ان کی طرف سے مسلمانوں پر شدید تیراندازی کی گئی اور بہت سے مسلمان تیروں سے مجروح ہوئے۔ ان مجروحین میں جناب ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کی آنکھ میں آ کر ایک تیر پیوست ہوا تو آنکھ اپنے مقام سے الگ ہو کر باہر آ گئی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسی چشم کو ہاتھ میں لیے ہوئے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

((فقال يا رسول الله هذا عيني اصيبت في سبيل الله فقال النبي صلى الله عليه وسلم ان شئت دعوت فردت عينك وان شئت فالجنة وفي لفظ فعين في الجنة قال فالجنة ورمى بها من يده اي وقدمت عينه الثانية في القتال يوم اليرموك عند

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۴۸ ج ۴ تحت غزوۃ الطائف

[2] سیرۃ حلبیہ ص ۱۳۱ ج ۳ تحت غزوۃ الطائف

مقاتلة الروم))[1]

''یعنی ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری یہ آنکھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں گئی ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور آپ کو آنکھ واپس مل جائے گی اور اگر آپ اس کے عوض میں جنت چاہتے ہیں (تو اس کو رہنے دیجیے) پس ملے گی، تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسے پھینک دیا اور کہا کہ مجھے جنت مطلوب ہے۔ اور ان کی دوسری آنکھ یوم یرموک میں روم کے خلاف مقاتلہ میں فی سبیل اللہ ختم ہوئی۔''

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دونوں چشموں (آنکھوں) کی قربانی دینے کو ہم نے قبل ازیں کتابچہ (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ) میں تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔

④ ان غزوات میں اللہ تعالیٰ نے خاص نصرت فرماتے ہوئے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی اور اسلام کے قاعدہ کے مطابق سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم کو جہاد میں شامل حضرات میں تقسیم فرمایا۔ اس موقع پر بعض افراد اور اشخاص کو عام قاعدہ سے کچھ زائد حصہ خصوصی رعایت سے دیا اور ان کی مالی اعانت فرمائی۔

اس مقام پر خصوصی رعایت کو اہل علم حضرات ''تالیف قلب'' سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ وقتی مصالح میں سے ایک تدبیر اور مصلحت تھی جس کے تحت بعض حضرات کو یہ مالی رعایت دی گئی تھی۔

اس مقام پر خصوصی رعایت پانے والوں کی ایک خاصی تعداد ہے جو اہل سیر نے اپنے اپنے مقام پر ذکر کی ہے۔ ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ قابل ذکر افراد ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق چند حوالہ جات ہم یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کرام اصل عبارت میں اس چیز کو ملاحظہ فرمالیں۔ عبارت کے بعد ان کا مفہوم ذکر کیا جائے گا۔

① ((وشهد معه حنينا واعطاه مائة من الابل واربعين اوقية من ذهب وزنها بلال، وشهد اليمامة))[2]

② ((الذين اعطاهم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يومئذ مائة من الابل وهم ابوسفيان بن حرب، وابنه معاوية و حكيم بن حزام و الحارث بن كلدة اخوبنى عبدالدار ...... الخ))[3]

③ ((فاعطى صلی اللہ علیہ وسلم للمولفة اى من اسلم من اهل مكة فكان اولهم اباسفيان

---

[1] سیرۃ حلبیہ ص ۱۳۲، ج ۳ تحت غزوۃ الطائف۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سنہ ۶۰ ھ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۶۰ ج ۴ تحت غزوۃ الطائف

بن حرب رضی اللہ عنہ اعطاه اربعين اوقية ومائة من الابل وقال ابني يزيد ويقال له يزيد الخير فاعطاه كذالك وقال ابني معاوية فاعطاه كذالك فاخذ ابوسفيان رضی اللہ عنہ ثلث مائة من الابل ومائة وعشرين اوقيه من الفضة وقال بابي انت وامي يا رسول الله لانت كريم في الحرب وفي السلم اي وفي لفظ لقد حاربتك فنعم المحارب كنت وقد سالمتك فنعم المسالم انت هذا غاية الكرم جزاك الله خيرا))[1]

① ''مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غزوہ حنین میں نبی اقدس ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے اور آنجناب ﷺ نے ایک سو اونٹ ان کو عنایت فرمائے چالیس اوقیہ بھی عنایت فرمایا۔ جس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وزن کر کے ان کو دیا تھا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کے بعد جنگ یمامہ میں بھی شریک جہاد ہوئے تھے۔''

② ''غزوۂ طائف اور غزوہ حنین کے بعد جن لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے اس روز سو سو شتر عنایت فرمایا تھا ان لوگوں میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے فرزند معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور حکیم بن حزام بن خویلد رضی اللہ عنہ (برادر زادہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) تھے اور حارث بن کلدہ اخو بنی عبدالدار وغیرہم تھے۔''

③ ''اہل مکہ میں سے جو اسلام لائے اور مولفۃ القلوب تھے ان کو نبی کریم ﷺ نے مال عنایت فرمایا۔ ان لوگوں میں سے پہلے شخص حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ عنایت فرمایا۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ میرے بیٹے یزید کے لیے بھی عنایت فرمائیے جس کو یزید الخیر کہا جاتا ہے، تو آنجناب ﷺ نے ان کے لیے بھی اتنا ہی حصہ عنایت فرمایا اور پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے فرزند معاویہ کے لیے بھی عنایت فرمائیے تو آنجناب ﷺ نے ان کے لیے بھی اتنی ہی مقدار عنایت فرمائی۔ پس اس طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ وصول کیے۔

اس کے بعد آنجناب ﷺ کی خدمت میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کو میں نے جنگ میں بھی کریم پایا اور صلح میں بھی مہربان پایا۔ اور بعض روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ جنگ کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہتر جنگ کرنے والے پائے گئے اور آپ کے ساتھ صلح و مصالحت کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہترین صلح کرنے والے ثابت ہوئے۔ یہ آپ کی نہایت درجہ کی عنایت اور غایت درجہ کی شفقت

[1] سیرۃ حلبیہ ص ۱۳۷، ج ۳ تحت غزوۃ الطائف

ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔''

حاصل یہ ہے کہ یہ واقعات دور نبوی میں پیش آئے۔ مذکورہ حضرات قیادت نبوت کے تحت اسلامی مہمات میں شریک ہوئے۔ جہاں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی قربانیاں پیش کیں اور ثواب آخرت کے ساتھ مالی منافع سے بھی متمتع ہوئے، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور برادر حضرت یزید رضی اللہ عنہ کو بھی اخروی ثواب کے ساتھ مالی فوائد سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملا۔

عہد نبوت میں مناصب

① اسلام سے قبل دور جاہلیت میں اہل مکہ میں قبیلہ قریش کے صرف چند افراد نوشت وخواند جانتے تھے اور بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ قریش نے اس دور میں حرب بن امیہ سے تحریز کو سیکھا۔ حرب بن امیہ اپنے دور کا اہم خواندہ شخص شمار ہوتا تھا۔[1]

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ جب اسلام آیا تو قریش مکہ میں سترہ آدمی ایسے تھے جو تحریر اور نوشت وخواند کا فن جانتے تھے۔ ان افراد میں حضرت عمر بن خطاب، علی المرتضیٰ بن ابی طالب، عثمان بن عفان، ابوعبیدہ بن جراح، طلحہ بن عبیداللہ، ابوسفیان صخر بن حرب، یزید بن ابی سفیان، اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

((دخل الاسلام وفی قریش سبعة عشر رجلا کلهم یکتب عمر بن خطاب وعلی بن ابی طالب و عثمان بن عفان و ابو عبیدة بن الجراح و طلحة و یزید بن ابی سفیان و ابو سفیان بن حرب بن امیة و معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم ...... الخ))[2]

تاریخ کے اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، آپ کے برادر یزید رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس دور میں نوشت وخواند کی صلاحیت رکھتے تھے اور ان کا شمار خواندہ حضرات میں ہوتا تھا۔

② اس مقام پر دوسری یہ چیز قابل ذکر ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جہاں دیگر کاتب حضرات تھے وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے خاندانی وقار کے پیش نظر کتابت کے منصب سے سرفراز فرمایا گیا تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں ان کا خاص مقام تھا۔ یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیت وصداقت اور امانت کی دلیل ہے اور یہ ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں معتمد ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

---

[1] کتاب المصاحف (ابوبکر عبداللہ بن ابی داود سجستانی) ص ۵ تحت خطوط المصاحف

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۷۷ تحت امر الخط، طبع مصر۔

① محدثین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کا فریضہ ادا کیا کرتے تھے۔

② جب بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر کرانے کی ضرورت پیش آتی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلوا کر تحریر کرایا کرتے تھے۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ جاؤ معاویہ کو بلا کر لاؤ پس وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر کی ضرورت ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ کبار علماء نے یہ تصریح بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت وحی کا فریضہ بھی دیگر کاتبین وحی کی معیت میں ادا کیا کرتے تھے۔

① ((وعن عبداللہ بن عمرو ان معاویۃ کان یکتب بین یدی رسول اللہ ﷺ)) (رواہ الطبرانی واسنادہ حسن)[1]

② جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ:

((فقال اذھب فادع لی معاویۃ قال و کان کاتبہ فسعیت فاتیت معاویۃ فقلت اجب نبی اللہ ﷺ فانہ علی حاجۃ))[2]

③ ((ثنا عفان ثنا ابو عوانۃ قال انا ابو حمزۃ قال سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول کنت غلاما اسعی مع الصبیان قال فالتفت فاذا نبی اللہ ﷺ خلفی مقبلا فقلت ما جاء نبی اللہ ﷺ الا الی قال فسعیت حتی اختبیٔ وراء باب دار قال فلم اشعر حتی تناولنی قال فاخذ بقفای فحطانی حطاءۃ قال اذھب فادع لی معاویۃ و کان کاتبہ قال فسعیت فقلت اجب نبی اللہ ﷺ فانہ علی حاجۃ))[3]

④ ((ان معاویۃ کان یکتب الوحی لرسول اللہ ﷺ مع غیرہ من کُتّاب الوحی رضی اللہ عنہم))[4]

---

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ تحت باب ما جاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[2] مسند امام احمد ص ۳۳۵ ج ۱ تحت مسندات ابن عباس رضی اللہ عنہ

[3] مسند امام احمد ص ۲۹۱ ج ۱ تحت مسندات ابن عباس رضی اللہ عنہ

[4] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۰ ج ۸ تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

((وكتب له معاوية بن ابى سفيان وحنظلة الاسيدى...... الخ))

⑤ ((وصحب معاوية رسول الله ﷺ وكتب الوحى بين يديه مع الكُتّاب))[1]

⑥ ((واكثر هم ملازمة له زيد بن ثابت و معاويه بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما بعد الفتح...... الخ))[2]

یہ چند عبارات اس مسئلہ پر بطور نمونہ درج کر دی ہیں تفصیلات میں جانے سے تطویل کا خوف ہے۔ مزید حوالہ جات اس مضمون پر مطلوب ہوں تو ہماری کتاب مسئلہ اقربا نوازی صفحہ ۱۳۶-۱۳۷ تحت عنوان ''کاتب نبوی ہونا'' کی طرف رجوع فرمالیں۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ مسئلہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتبان نبوی میں شمار تھا اور کتابت وحی وغیر وحی دونوں چیزوں کے تحریر کرنے والے تھے۔ یہ فضیلت انھیں طبعی صلاحیت کی بنا پر حاصل تھی اور دین میں پختگی کی علامت ہے اور ان کے عادل و امین ہونے کا بین ثبوت ہے۔ کیونکہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ:

((كان لا يستكتب الا عدلا امينا))[3]

''یعنی آنجناب ﷺ عادل اور امانت دار شخص کے بغیر کسی کو کاتب نہیں بناتے تھے۔''

④ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ ایک موقع پر نبی اقدس ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مراسلت نویسی کی فہمائش کرتے ہوئے اس تحریر کی ترتیب بھی تعلیم فرمائی۔

چنانچہ ایک شخص مسعود بن وائل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور اس کا اسلام آنجناب ﷺ نے قبول فرمایا۔ اس کے بعد مسعود بن وائل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ آنجناب (ﷺ) اپنے ایک شخص کو میری قوم کی طرف روانہ فرمائیں جو میری قوم کو اسلام کی دعوت دے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آنجناب (ﷺ) کی برکت سے ان کو ہدایت فرمائے گا۔ تو اس کی اس گزارش کے بعد آنجناب ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس قوم کی طرف ایک مراسلہ لکھنے کا حکم کرتے ہوئے فرمایا کہ میری طرف سے لکھو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس طرح لکھوں؟ تو آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پہلے تحریر کرو (اس کے بعد دیگر دعوت اسلامی کا مضمون لکھا جائے گا)

((ان مسعود بن وائل قدم على النبى ﷺ فاسلم وحسن اسلامه فقال يا

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[2] تاریخ الخمیس (شیخ دیار بکری) ص ۱۸۲ ج ۲ تحت کتابہ علیہ السلام۔

[3] ازالۃ الخفاء ص ۱۴۷ تحت تنبیہ سوم طبع قدیم بریلی۔

رسول الله انی احب ان تبعث الی قومی رجلا یدعوهم الی الاسلام عسی الله ان یهدیهم بك فقال لمعاویة اكتب له فقال یا رسول الله كیف اكتب له؟ قال اكتب بسم الله الرحمن الرحیم فذكر الحدیث))[1]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مراسلہ نبوی کے قاری تھے

گزشتہ سطور میں ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ چیز واضح کر دی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریرات کے لیے خواہ وحی ہوں یا غیر وحی آپ رضی اللہ عنہ خصوصی محرر تھے۔

اس کے بعد مزید یہ چیز بھی واضح کی جاتی ہے کہ پیغمبر اسلام کی طرف دیگر ملوک اور بادشاہوں کی طرف سے مراسلت ہوتی تھی اور اس میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان تحریرات کے قاری ہوتے تھے۔ یہ چیز آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں عظیم اعتماد ظاہر کرتی ہے۔

قیصر روم کے قاصد کا واقعہ

چنانچہ اس پر ''قیصر روم'' کے قاصد کا ایک خاص واقعہ محدثین اور مؤرخین نے بڑی تفصیل سے درج کیا ہے۔

اس واقعہ کو ہم ناظرین کرام کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں اور اس پر چند ایک عبارات بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ اہل علم حضرات کو پورا اعتماد ہو سکے اور واقعہ کی حقیقت ان کے ہاں صحیح طور پر نمایاں ہو سکے۔

قاسم بن سلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((عن سعید بن ابی راشد قال لقیت التنوخی رسول هرقل الی رسول الله ﷺ بحمص وكان جارا لی شیخا كبیرا قد بلغ الفند اوقرب منه قال اتیت رسول الله ﷺ وهو بتبوك بكتاب هرقل، فناوله رجلا عن یساره فقراهٗ فقلت من صاحب كتابكم الذی یقراهٗ فاذا هو معاویة رضی الله عنه فلما ان فرغ من قراءة كتابی قال ان لك حقا انك رسول، ولو وجدت عندنا جائزة جوزناك بها، انا سفر فقام رجل فقال انا اجوزه ففتح رحله فاتی بحله فوضعها فی حجری فقلت من صاحب الجائزة؟ فقالوا عثمان فقال رسول الله ﷺ من ینزل هذا؟ فقال فتی من الانصار، انا قال فذهب بی الانصاری۔ مكنت معه))[2]

---

[1] الاصابہ مع الاستیعاب (ابن حجر عسقلانی) ص ۳۹۳ ج ۳ تحت (۷۹۶۰) مسعود بن وائل

[2] کتاب الاموال (امام ابوعبید قاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ) ص ۲۵۵-۲۵۶ طبع مصر (تحت فصل ما بین الغنیمۃ والفیٔ ومعرف کل منهما)

یہی واقعہ مسند ابی یعلی میں اس طرح ہے کہ قاصد قیصر روم تنوخی کہتا ہے کہ

((فأتيتُ رسول الله ﷺ وهو مع اصحابه وهم محتبون بحمائل سيوفهم حول بئر تبوك فقلت ايكم محمد؟ فاومأ بيده الى نفسه، فدفعت اليه الكتاب، فدفعه الى رجل الى جنبه فقلت: من هذا؟ فقالوا معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہ فقرأه فاذا فيه كتبت تدعونى الى جنة عرضها السمٰوات والارض فاين النار اذا؟ فقال رسول الله ﷺ "يا سبحان الله" اذا جاء الليل فاين النهار؟ فكتبته عندى ثم قال رسول الله ﷺ انك رسول قوم فان لك حقا۔ ولكن جئتنا ونحن مرملون قال عثمان رضی اللہ عنہ اكسوه حلة صفورية فقال رجل من الانصار على ضيافته...... الخ)) [1]

رسول قیصر کے اس واقعہ کو دیگر محدثین اور مورخین نے بھی اپنی اپنی عبارات میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مندرجہ ذیل مقامات پر یہ واقعہ مذکور ہے ناظرین کرام حوالہ جات ہذا کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں:

① مسند امام احمد ص ۴۴۱-۴۴۲، جلد ۳ تحت حدیث تنوخی عن النبی ﷺ۔

② مسند امام احمد ص ۷۴-۷۵ ج ۴ تحت حدیث رسول قیصر الی رسول اللہ ﷺ۔

③ مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۵-۲۳۶، ج ۸ رجال ابی یعلی ثقات، تحت باب ما کان عند اہل الکتاب من امر نبوتہ ﷺ۔

④ ابن عساکر کامل ص ۴۱۸ ج ۱، طبع اول دمشق، تحت باب غزاۃ النبی ﷺ بنفسہ تبوک و ذکر مکاتبتہ...... الخ

⑤ ابن عساکر کامل ص ۴۱۹ ج ۱، طبع اول دمشق، تحت باب غزاۃ النبی ﷺ بنفسہ تبوک و ذکر مکاتبتہ و مراسلتہ منہا الملوک۔

⑥ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۶ ج ۵، تحت قدوم رسول قیصر الی رسول اللہ ﷺ بتبوک۔

مطلب یہ ہے کہ جناب نبی اقدس ﷺ نے مشہور صحابی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے قیصر روم کی طرف دعوت اسلام کے لیے مراسلہ ارسال فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں قیصر روم کا قاصد تنوخی اپنے بادشاہ ہرقل کی طرف سے ایک مکتوب لایا تھا۔

تنوخی بیان کرتا ہے کہ آنجناب ﷺ غزوہ تبوک کے سلسلے میں تبوک کے مقام پر اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے۔ (میں آنجناب ﷺ کو نہیں پہچانتا تھا) میں نے دریافت کیا کہ محمد (ﷺ) کون ہیں؟ تو آنجناب ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس پر میں نے وہ

[1] مسند ابی یعلی احمد بن علی الموصلی المتوفی ۳۰۷ھ ص ۱۷۱ ج ۳۰ تحت رسول قیصر طبع دمشق

مکتوب آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آنجناب ﷺ نے وہ مراسلہ اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لیے دیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ تو اہل مجلس نے بتایا کہ یہ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مراسلہ آنجناب ﷺ کی خدمت میں پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں یہ چیز بھی درج تھی کہ آپ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے تو فرمایئے کہ دوزخ کہاں ہے؟ اس پر آنجناب ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ (مراسلہ کے مضمون کی تفصیلات اپنی جگہ پر درج ہیں)

جب مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آنجناب ﷺ نے رسول قیصر کو ارشاد فرمایا کہ آپ پیغام رساں ہیں اور پیغام رساں کا احتراماً حق ہوتا ہے۔ ہم اس وقت مسافر ہیں اگر ہمارے پاس کوئی عطیہ اور ہدیہ ہوتا تو ہم آپ کو دے دیتے۔ یہ بات سن کر آنجناب ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھا اور کہا کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں اور وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک عمدہ پوشاک نکال لایا اور اسے میری گود میں رکھ دیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ تو حاضرین مجلس نے کہا یہ عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

اس کے بعد جناب نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اقامت دینے (ٹھہرانے) کی ضرورت ہے۔ کون اس کو جگہ دینے کے لیے تیار ہے؟ تو انصار میں سے ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور اپنے پاس ٹھہرایا۔

حاصل یہ ہے کہ قیصر روم کے اس مراسلے کی خواندگی کے فرائض سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیے۔

آخر میں شیعہ کے اکابر کا ایک حوالہ اس مسئلہ کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ اہلسنّت والجماعت اور شیعہ دونوں کے نزدیک دور نبوت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کتابت وحی و غیر وحی و مراسلہ نویسی نیز عہد نامے تحریر کرنے اور پڑھنے کی خدمات پر مامور تھے اور انشا پرداز تھے۔

شیعہ کے قدیم ثقہ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے:

((وکان کتابه الذین یکتبون الوحی والکتب والعهود علی بن ابی طالب وعثمان بن عفان و خالد بن سعید بن العاص بن امیة و معاویة بن ابی سفیان و شرحبیل بن حسنة رضی اللہ عنہم الخ))[1]

"یعنی مطلب یہ ہے کہ آنجناب ﷺ کے لیے وحی و مراسلت و عہود و مواثیق وغیرہ تحریر کرنے والے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت خالد بن سعید بن عاص، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور شرحبیل بن حسنہ وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے۔"

---

[1] تاریخ یعقوبی ص ۸۰ ج ۲ تحت کتاب النبی، طبع بیروت

قطعہ اراضی کی تسلیم

① یمن کے علاقہ حضرموت کے مقام سے ایک شخص وائل بن حجر کندی رضی اللہ عنہ جو اپنے علاقہ کے رئیس اور اپنی قوم کے سردار تھے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ ان کے حق میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں فرمائیں اور صحابہ کے سامنے ارشاد فرمایا کہ یہ وائل بن حجر ہیں، یہاں سے بعید ایک مقام حضرموت سے آ کر یہاں بخوشی اسلام لائے (ان پر کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا گیا)۔ ان حالات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قطعہ اراضی عطا فرمانے کا ارادہ فرمایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تاریخ کبیر میں لکھتے ہیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے خود ذکر کیا کہ:

((فبعث معی معاویة بن ابی سفیان ﷺ قال وامره ان يعطيني ارضا فيدفعها الی و كتب لی كتابا خاصا يفضلنی فيه علی قومی وكتابا لی ولاهل بيتی بمالنا...... الخ))[1]

''یعنی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کو میرے ساتھ روانہ فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے زمین کا ایک قطعہ متعین کر کے میری تحویل میں دے دیں اور ساتھ ہی میرے لیے ایک خاص مکتوب تحریر کرایا جس میں میری قوم پر میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے لیے اور میرے اہل خانہ کے لیے مال و متاع کے متعلق مزید ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔''

واقعہ ہذا مندرجہ ذیل مقامات پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ان علماء نے یہ واقعہ اپنی اپنی عبارات میں ذکر کیا ہے۔

① صحیح ابن حبان ص ۱۲۶-۱۲۷ ج ۹، ۱۰، تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
② مشکوۃ شریف ص ۲۵۹ فصل ثانی، باب احیاء الموات والشرب بحوالہ ترمذی و دارمی۔
③ کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۴۲۵ ج ۳ باب الواؤ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
④ اسد الغابہ ص ۸۱ ج ۵ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ طبع تہران۔
⑤ الاصابہ (ابن حجر) مع الاستیعاب ص ۵۹۲ ج ۳ تحت ذکر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ۔

مختصر یہ ہے کہ واقعہ ہذا کے ذریعے سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کامل اعتماد تھا اور وہ باصلاحیت شخصیت تھے۔ اسی بنا پر قطعہ ارضی کی تعیین و تسلیم جیسے اہم کام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

---

[1] تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۷۵-۱۷۶ ج ۴ قسم ثانی تحت باب وائل بن حجر رضی اللہ عنہ۔

تنبیہ

اس مقام پر بعض روایات میں وائل بن حجر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مناقشانہ کلمات مذکور ہیں جن میں وائل رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتحقیر معلوم ہوتی ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ مقولہ مشہور ہے کہ ''یک من علم را دہ من عقل باید'' عقلمند آدمی کو سوچنا چاہیے کہ وائل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک ''اعزاز'' اور ''منصب'' مرحمت فرمایا گیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کی تنفیذ وتکمیل کے لیے وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ اب ان حالات میں وائل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ آدمی کا احترام ملحوظ رکھنا اور اس کی رضامندی کا خیال رکھنا قرین قیاس ہے اور آنجناب رضی اللہ عنہ کے فرستادہ شخص کے ساتھ بہتر سلوک سے پیش آنا اخلاقی فرض ہے۔

یہاں روایت کے راویوں کو خدا خیر سمجھائے انھوں نے واقعہ ہذا میں الٹا معاملہ کر دیا اور وائل رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحقیر ذکر کی ہے اور ذلت آمیز رویہ دکھایا ہے۔

کیا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کو وائل رضی اللہ عنہ کے سامنے ذلیل کرنے کے لیے بھیجا تھا؟ غور کرنے کا مقام ہے۔

یہ سب راویوں کی طرف سے واقعہ میں اضافے ہیں اور ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا جائے بلکہ اصل واقعہ پر نظر رکھی جائے جیسا کہ ہم نے پیش کر دیا ہے۔

اس روایت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتماد نبوت کا ثبوت اور ان کی صلاحیت کا اثبات واضح طور پر پایا جاتا ہے۔

ایک دیگر واقعہ

(۲) اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ محدثین اور مورخین نے ذکر کیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے (بلال رضی اللہ عنہ کے احوال کی تفصیل اپنی جگہ موجود ہے) ان کے لیے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل البحر کے علاقہ معادن القبلیہ سے قطعات اراضی عنایت فرمائے اور وہاں سے بعض مواضع کو متعین کر کے بطور وثیقہ کے ایک تحریر لکھ دی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے قطعات اراضی عطا کرنے کا یہ وثیقہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا تھا۔

((ان رسول الله ﷺ اقطعه القطيعة وكتب له "هذا ما اعطى محمد رسول الله ﷺ بلال بن الحارث اعطاه معادن القبلية غوريها وجلسيها و كتب

معاویۃ)) [1]

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ نوع کی اہم خدمات کا سرانجام دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری میں دے رکھا تھا اور یہ آپ کے فرائض میں داخل تھا۔

فرمان نویسی

④ اسی طرح فرمان نویسی کا ایک اور واقعہ مشہور مورخ ابن شبہ رحمہ اللہ نے ''تاریخ مدینہ منورہ'' میں تحریر کیا ہے کہ:

سہل بن حنظلہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص (عیینہ بن حصن بن بدر اور اقرع بن حابس) حاضر ہوئے اور انھوں نے بعض ضروریات کے متعلق سوال کیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کو پورا کرنے کا امر فرمایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ ان کی حاجت روائی کی خاطر ایک تحریر لکھ کر ان کے حوالہ کی جائے تو حسب ارشاد نبوی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو الگ الگ تحریر لکھ کر دے دی۔

((حدثنا سهل ان عيينة بن حصن بن بدر والاقرع ابن حابس دخلا على رسول الله ﷺ فسالاه فامر لهما بما سألاه، وامر معاوية رضي الله عنه ان يكتب لهما بذالك، فكتب ودفع الى كل واحد منهما صحيفة)) [2]

اسی ضمن میں سیرت نگاروں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا ایک دیگر واقعہ بھی ذکر کیا ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ ہماری لیے سابقہ وثیقہ از سر نو تحریر کر کے عنایت فرمایا جائے (جبکہ قبل ازیں ان کو قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں ایک تحریر لکھ کر دی گئی تھی) تو اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے جدید تحریر لکھوا کر ان کے حوالے کی۔ اس تحریر کا مضمون یہ تھا کہ:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ وثیقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری اور اس کے ساتھیوں کو لکھ کر دیا ہے۔ (آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) میں نے تم کو مقام عینون، جبرون، مطوم اور بیت ابراہیم اور وہ تمام کے لیے انھیں اور ان کی اولاد کو سپرد کر دی ہے۔ پس جو شخص ان کو اذیت پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اس کو تکلیف میں مبتلا فرمائیں گے۔''

---

[1] مستدرک حاکم ص ۵۱۷ ج ۳ کتاب معرفۃ الصحابہ تحت ذکر بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ۔
تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ قلمی ص ۴۴۳ ج ۳) تحت ترجمہ بلال بن حارث رضی اللہ عنہ۔
معجم البلدان (یاقوت حموی) (ص ۳۰۷، ۳۰۸ ج ۱۵) تحت القبلیہ طبع بیروت۔

[2] تاریخ المدینۃ المنورہ (ابن شبہ) ص ۵۳۵ ج ۲ طبع قاہرہ

اور اس وثیقہ پر مندرجہ ذیل گواہ اور شاہد قائم فرمائے:

((شهد بذالك ابوبكر بن ابى قحافة وعمر بن الخطاب و عثمان بن عفان بن عفان و على بن ابى طالب و معاوية بن ابى سفيان (رضی اللہ عنہم) و كتب۔ نقل ذالك فى الموهب))[1]

① سیرت حلبیہ ص ۲۴۰-۲۴۱ جلد ۳، تحت ما یذکر فیہ ما یتعلق بالوفود...... الخ

② شرح مواہب لدنیہ (زرقانی) ص ۳۵۹ جلد ۳، تحت مکاتباتہ علیہ السلام الی الملوک وغیرہم

یعنی اس وثیقہ پر خلفائے اربعہ اور امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کو شاہد قرار دیا گیا اور اس وثیقہ کو حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے تحریر کیا ہے۔

یہ چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عند النبوت وثاقت، عدالت اور دیانت کی واضح دلیل ہے۔

فوائد ونتائج

مندرجات بالا کی روشنی میں مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر باش خادم تھے اور پہلوئے نبوت میں بیٹھنے کے شرف سے مشرف تھے۔ (سبحان اللہ)

② حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم اعتماد تھا اور آپ کو خصوصی قرب نبوی حاصل تھا۔ آپ وحی اور غیر وحی دونوں طرح کی تحریر سرانجام دیتے تھے۔

③ نیز بادشاہوں کی طرف مراسلات اور پھر ان کے جواب کی اہم ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی جو بڑا باوقار منصب ہے نیز قطعہ اراضی کا تعین اور وثیقہ نویسی کی خدمات سرانجام دینے کی سعادت بھی ان کو نصیب تھی۔

④ کوئی منافق یا عامی قسم کا آدمی ان جلیل القدر مناصب کا اہل نہیں ہوسکتا اور سلطنت کے ایسے اہم امور اس کی تحویل میں نہیں دیے جا سکتے۔

یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کامل ایماندار شخصیت اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معتمد صحابی تھے اور مخلصین صحابہ کرام میں ان کا ایک اہم اور مقتدر مقام تھا۔

ایک واقعہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدینہ منورہ میں آپ کے پاس مقیم رہے۔ اس دوران میں آپ کو مختلف اسلامی خدمات سرانجام دینے کا موقع

[1] تاریخ مدینہ منورہ (ابو زید عمر بن شبہ نمیری بصری المتوفی ۲۶۲ھ) ص ۵۳۵ ج ۲ طبع مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ

نصیب ہوتا رہا۔ ان ایام میں آپ کی مالی و معاشی حالت کچھ اچھی نہ تھی، فقر و فاقہ کا دور تھا لیکن آپ نے اس حالت میں بھی صبر و استقلال کا دامن نہیں چھوڑا اور صابر و قانع رہ کر ملی و دینی خدمات سرانجام دیں۔

صحیح روایات میں ایک واقعہ مذکور ہے جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس وقت کی معاشی اور مالی حالات کی ایک کیفیت ملتی ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ اس دور میں ایک خاتون فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اپنے خاوند (ابوحفص بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ) سے طلاق مل گئی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ طلاق عرض کیا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں عدت گزارنی ہوگی اور جب یہ مدت گزر جائے تو مجھے آ کر اطلاع دینا۔ چنانچہ ایام عدت گزارنے کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دوبارہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے دو شخصوں (معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم رضی اللہ عنہما) نے نکاح کا پیغام دیا ہے۔ یعنی منگنی کی گفتگو کی ہے۔ اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کرتی ہوں کہ میں کس شخص کے ساتھ نکاح کروں؟ تو سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوجہم اپنی لاٹھی اپنے کندھے پر اٹھائے رکھتا ہے (یعنی غصہ ور ہے اور مار پیٹ کرتا ہے) اور معاویہ بن ابی سفیان صعلوک ہے یعنی وہ مالدار نہیں مفلوک الحال اور نادار ہے۔ تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔

مذکورہ خاتون کہتی ہیں کہ پہلے تو میں نے اسے پسند نہیں کیا لیکن پھر میں نے حسب فرمان نبوی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نکاح کرلیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں مجھے وہ خیر و برکت عطا فرمائی کہ مجھ پر دیگر خواتین رشک کرنے لگیں۔

((قالت (فاطمة بنت قيس) فلما حللت ذكرت له ان معاوية بن ابى سفيان واباجهم خطبانى فقال اما ابو الجهم فلا يضع عصاه عن عاتقه واما معاوية فصعلوك لا مال له انكحى اسامة بن زيد فكرهته ثم قال انكحى اسامة فنكحته فجعل الله فيه خيرا واغتبطت))[1]

واقعہ ہذا کے ذریعے سے واضح ہوا کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد مدینہ شریف میں مقیم تھے تو اس دوران میں ان پر فقر و فاقہ کی حالت غالب تھی۔ معاشی کمزوری اور مالی پریشان ان کو دینی امور کی بجا آوری سے پیچھے نہیں ہٹا سکی، اور آپ ان حالات میں بھی اسلامی خدمات بڑی مستعدی سے سرانجام دیتے

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۸ بحوالہ مسلم شریف تحت باب العدۃ فصل اول طبع نور محمدی۔
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۶ ج ۶ تحت باب العدۃ فصل اول طبع ملتان۔
منتخب من مسند عبد بن حمید ص ۴۵۸ تحت حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا۔

تھے۔ یہ چیز ان کی دین پر ثابت قدمی کا واضح ثبوت ہے۔

حتات رضی اللہ عنہ سے مواخات

دور نبوی کے آخری سالوں میں بہت سے قبائل مشرف باسلام ہوئے۔ ان قبائل میں بنوتمیم ایک مشہور قبیلہ ہے جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا۔ اس قبیلہ میں ایک شخص بشر حتات بن یزید بن علقمہ تمیمی مجاشعی بھی تھے جو دیگر افراد قبیلہ کے ہمراہ مشرف باسلام ہوئے۔

اہل تراجم نے لکھا ہے کہ:

① ((ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم آخٰی بین حتات و معاویة رضی اللہ عنہما فمات الحتات عند معاویة رضی اللہ عنہ فی خلافته))[1]

② ((ان الحتات وفد علی معاویة فمات عنده...... وآخٰی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بینه وبین معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما))[2]

"مطلب یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حتات بن یزید اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔"

"حتات رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے آخری سالوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں دمشق تشریف لے گئے اور وہیں مقیم رہے حتیٰ کہ آپ کا وصال بھی دمشق میں ہوا۔"

تنبیہ

① یہاں اس چیز کی تھوڑی سی وضاحت کی جاتی ہے کہ مشہور و معروف مواخات بین المہاجرین والانصار جو غزوہ بدر سے قبل قائم فرمائی گئی تھی وہ اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ لیکن یہ مواخات الگ ہے جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ بن ابی سفیان اور حتات بن یزید رضی اللہ عنہما کے درمیان بعد میں قائم فرمائی تھی۔ اس کو سابقہ مواخات کے تحت شمار نہیں کیا جاتا۔

② اور یہاں بعض روایات میں یہ چیز مذکور ہے کہ "فورثه بالاخوة" یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حتات رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے اموال کے وارث ہوئے اور فرزدق شاعر نے اس سلسلے میں چند اشعار کہہ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تعریض کی۔

اکابر علماء نے اس چیز کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۱۰ ج ۱ تحت حتات بن یزید رضی اللہ عنہ

[2] اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۷۹ ج ۱ تحت باب الحاء والتاء

سیرت ابن ہشام ص ۵۶۰-۵۶۱ ج ۲ تحت قدوم وفد بنی تمیم ونزول سورۃ الحجرات۔

((وھذا القول لیس بشیء لان معاویة رضی اللہ عنہ لم یکن یجھل ان ھذہ الاخوة لا یرث بھا احد))[1]

"مطلب یہ ہے کہ یہ قول بے اصل ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مسئلہ سے ناواقف نہیں تھے بلکہ خوب جانتے تھے کہ اس اخوت کی بنا پر کوئی شخص وارث نہیں بن سکتا۔ الا یہ کہ حتات رضی اللہ عنہ نے وارث ہونے کی صورت میں اس اخوت کے حق میں کوئی وصیت کر دی ہو۔"

ایک فضیلت (قصر شعر نبوی یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹنا)

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف قسم کی خدمات سرانجام دیتے تھے جن میں سے بعض اہم خدمات کا ذکر ماقبل میں بقدر ضرورت آ چکا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے بال مشقص سے کاٹے تھے۔ (مشقص ایک قسم کا لوہے کا آلہ تھا جس سے بالوں کو کاٹا جا سکتا تھا)

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن معاویة رضی اللہ عنہ قال قصرت عن رأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمشقص))[2]

روایت مندرجہ بالا کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خاص تعلق تھا اور مختلف خدمات سرانجام دینے میں شریک رہتے تھے۔ اور جب بعض دفعہ بال مبارک تراشنے کی ضرورت پیش آئی ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خدمت کے سرانجام دینے کی بھی سعادت حاصل کی۔

تنبیہ

شارحین حدیث کے نزدیک یہاں بحث چلتی ہے کہ یہ واقعہ کب پیش آیا تھا؟ اور کس جگہ پر پیش آیا؟ یہ مباحث اہل علم حضرات کے لیے مقام تحقیق ہے۔

---

[1] تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۳۲ ج ۳ تحت ذکر ہرب فرزدق من زیاد سنہ ۵۰ھ۔

[2] بخاری شریف ص ۲۳۳ ج ۱ کتاب الحج باب الحلق والتقصیر عند الاحلال
مسلم شریف ص ۴۰۸ ج ۱ باب جواز التقصیر المعتمر من شعرہ، طبع نور محمدی، دہلی
سنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۰۲ ج ۵ کتاب الحج باب ما یفعل المعتمر بعد الصفا والمروۃ
مسند امام احمد ص ۹۶-۹۷ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ

عام دوستوں کے لیے اتنا قدر ذکر کر دینا کافی ہے کہ جہاں اور جس موقع پر بھی یہ (قصر شعر نبوی) کا واقعہ پیش آیا وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یقیناً اس خدمت کو سرانجام دینے کا شرف حاصل کیا۔

چنانچہ تابعین کے دور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں مجاہد و عطا وغیرہ رحمہم اللہ نے اس واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور صاحب اس کے ناقل نہیں ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ:

((ما كان معاوية رضي الله عنه على رسول الله ﷺ متّهما))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں متہم نہیں ہیں۔ یعنی آنجناب ﷺ کے متعلق غلط بات منسوب نہیں کرتے بلکہ ٹھیک بات ہی ذکر کرتے ہیں اور قصر شعر (یعنی بال کاٹنے) کا واقعہ درست ہے۔''

تنبیہ

قصر شعر نبوی کے اس واقعہ سے اس بات کی تائید و تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بال مبارک بطور تبرک کے محفوظ تھے، تمام زندگی انھوں نے ان کو بحفاظت رکھا اور زندگی کے آخری لحات میں انھیں اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی جسے ان کی دلی خواہش کے موافق پورا کیا گیا۔ (سبحان اللہ!)

یہ چیز حضرت موصوف رضی اللہ عنہ کے حق میں بیش بہا فضیلت ہے۔

زبان نبوت سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب ﷺ کے بعض خصوصی امور میں خاص خادم تھے اور آنجناب ﷺ کے فرمان کے مطابق اسلامی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ اس بنا پر ان کے حق میں وقتاً فوقتاً نبی کریم ﷺ نے دعائیہ کلمات بھی ارشاد فرمائے جو جناب باری تعالیٰ میں یقیناً مقبول و منظور ہوئے اور ان دعاؤں کی برکات کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت اہم دینی خدمات سرانجام دینے کی عمدہ توفیق نصیب ہوئی۔

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب ﷺ کی زبان نبوت سے متعدد دعائیں اپنے اپنے مواقع پر صادر ہوئی ہیں اور ان کو محدثین و مورخین نے اپنی اپنی تصانیف میں بے شمار مقامات پر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔

ان دعاؤں کو ہم ناظرین کی خدمت میں ایک ترتیب سے پیش کرتے ہیں۔ اپنی ناقص جستجو کے مطابق ہم نے حوالہ جات ساتھ تحریر کر دیے ہیں۔ اہل علم رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔

---

[1] مسند امام احمد ص ۹۵ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ طبع مصر۔
مسند امام احمد ص ۱۰۲ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ طبع مصر۔

① عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات

عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ہیں وہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمات ذیل سے دعا فرمائی:

((عبدالرحمن بن ابی عمیرة المزنی رضی اللہ عنہ یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی معاویة بن ابی سفیان اللهم اجعله هادیا مهدیا واهده واهدبه))[1]

''یعنی ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! معاویہ کو (لوگوں کے لیے) ہادی بنا اور ہدایت یافتہ فرما۔ یا اللہ! اس کو ہدایت دے اور اس کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت نصیب فرما۔''

حاصل یہ ہے کہ ان ''دعائیہ کلمات'' کی برکت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے دال علی الخیر ہیں اور فی نفسہ اپنے مقام پر ہدایت یافتہ ہیں، اور مخلوق کے لیے باعث ہدایت ہیں۔ یہاں تکرار الفاظ میں مفہوم و مضمون کی تاکید و تکمیل پائی گئی ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو بے شمار کبار علمائے محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے۔ ناظرین کرام کی تسلی کے لیے ہم ذیل میں صرف چند حوالہ جات تحریر کرتے ہیں:

① کتاب فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

② معجم الاوسط (طبرانی) ص ۳۸۰ ج ۱ مطبوعہ ریاض۔

③ موارد الظمآن (ہیثمی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

④ مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۹ بحوالہ ترمذی شریف باب جامع المناقب فصل ثانی۔

⑤ ترمذی شریف ص ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (قال الترمذی حسن غریب)

⑥ تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۲۴۰ ج ۳ تحت باب عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ

⑦ طبقات ابن سعد ص ۱۳۶ ج ۷ قسم ثانی تحت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ

⑧ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۸ ج ۱ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

⑨ حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۳۵۸ ج ۸ تحت بشر بن حارث حافی

⑩ اخبار اصفہان (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۸۰ ج ۱ تحت ابراہیم بن عیسیٰ

---

[1] تاریخ کبیر (امام بخاریؒ) ص ۳۲۷ ج ۴ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع دکن
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۹ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۱۱، ۱۲ تحت فصل ثانی فی فضائلہ و مناقبہ

(۱۱) اسد الغابہ ص ۳۸۶ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(۱۲) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۱ ج ۸ بحوالہ طبرانی وامام احمد وغیرہما تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
(۱۳) الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۰۶-۴۰۷ ج ۲ تحت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ
(۱۴) تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۸۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
(۱۵) تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۳-۱۰۴ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
(۱۶) علل الحدیث (ابن ابی حاتم رازی) ص ۳۶۲ ج ۳ تحت علل الاخبار فی الفضائل
(۱۷) کتاب الاباطیل (جوزقانی) المتوفی ۵۴۳ھ، ص ۱۹۲-۱۹۳ ج ا روایت ۱۸۲ (ہذا حدیث حسن)

(۲) عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی مرویات

نیز عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ (صحابی) فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب ﷺ سے دعائیہ کلمات میں نے سماعت کیے، آپ فرماتے تھے:

((يقول (عرباض بن سارية رضي الله عنه) سمعت رسول الله ﷺ يقول: اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب))

''یعنی اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عنایت فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔''

اس روایت کو مندرجہ ذیل محدثین اور مورخین اور کبار علماء نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے، درج ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) فضائل الصحابہ، امام احمد ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(۲) مسند امام احمد ص ۱۲۷ ج ۴ تحت مسندات عرباض بن ساریہ الاسلمی رضی اللہ عنہ۔
(۳) صحیح ابن حبان ص ۳۵۶ ج ۹ تحت باب ماجاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
(۴) مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(۵) موارد الظمان (ہیثمی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(۶) کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) صفحہ ۳۴۵ ج ۲
(۷) انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰۷ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(۸) تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۸۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(۹) تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۸ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔
(۱۰) الاستیعاب (مع الاصابہ) ص ۳۸۱ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(۱۱) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۰ ج ۸ بحوالہ احمد وابن جریر تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہما
(۱۲) الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۸۵، ۳۸۶ ج ا تحت حارث بن زیاد شامی روایت نمبر ۲۰۳۶

⑬ کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۱۹۰ ج ۶ تحت فضائل الصحابہ حرف میم (طبع اول) دکن

⑭ کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۸۸، ج ۷ کتاب الفضائل تحت میم (عن عرباض رضی اللہ عنہ بحوالہ ابن نجار) طبع اول

⑮ جزء الحسن بن عرفہ عبدی ص ۶۱ روایت ۳۶، عن حارث بن زیاد، مکتبہ دار الاقصیٰ کویت

⑯ جزء الحسن بن عرفہ عبدی ص ۷۹، روایت ۶۶، عن حریز بن عثمان رحبی (المتوفی ۲۵۷ھ) مکتبہ دار الاقصیٰ کویت

⑰ کتاب الاباطیل (محدث ابوعبداللہ حسین بن ابراہیم الجوزقانی) ص ۱۹۰ ج ا روایت ۱۸۱ (ہذا حدیث حسن)

③ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی مرویات

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حمص کے علاقہ پر عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ (صحابی) کو والی مقرر فرمایا پھر کچھ عرصہ بعد ان کو اس منصب سے الگ کر کے ان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حمص کا حاکم بنا دیا۔ اس وقت لوگ اس تبدیلی پر اعتراض کرنے لگے۔ اس موقع پر عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں درج ذیل روایت ذکر کی:

((عن ابی ادریس الخولانی عن عمیر بن سعد قال: لا تذکروا معاویة الا بخیر فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول: اللهم اهده))

''یعنی عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معاویہ (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما) کا تذکرہ خیر و خوبی کے سوا مت کرو کیونکہ میں نے آنجناب ﷺ سے سنا ہے کہ آپ معاویہ کے حق میں فرماتے تھے کہ ''اے اللہ! انھیں ہدایت نصیب فرما۔''

روایت مندرجہ بالا کو درج ذیل مقامات پر بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۳۲۸ ج ۴ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، طبع حیدرآباد، دکن

(۲) ترمذی شریف ص ۵۴۷ ابواب المناقب، تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، طبع قدیم لکھنؤ۔

(۳) تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۸۷ ج ۱۶، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

(۴) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۲، ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

④ وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کی روایت

بعض مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ آپ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھے۔ آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے؟ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا شکم آپ کے نزدیک ہے۔ تو اس وقت آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اے اللہ! اسے علم اور حلم سے پر فرما دے۔''

((کان معاویة رضی الله عنه ردف النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا معاویة ما یلینی منك قال بطنی قال اللهم املأه علماء و حلما))

روایت ہذا مقامات ذیل پر مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں:

① تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۸۰ ج ۴ قسم ثانی باب وحشی بن حرب حبشی رضی اللہ عنہ۔

② علل الحدیث (ابن ابی حاتم) ص ۳۵۹ ج ۲ روایت ۲۵۹۴ تحت اخبار فی الفضائل

③ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۸۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

④ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۹ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

⑤ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ صاحب سیادت وحکمرانی کے میں نے نہیں دیکھا۔

((......عن المطلب بن عبدالله بن حنطب عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: ما رأیت احداً من الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم اسود من معاویة رضی الله عنه))[1]

تفرد به هشام بن عمار

⑥ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے حق میں وصیت فرمائیے۔ یہ اللہ کی کتاب کے امین ہیں اور عمدہ امین ہیں۔

((...... عن عطاء عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: جاء جبریل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: یا محمد! استوص معاویة فانه امین علی کتاب الله و نعم الامین هو))[2]

⑦ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت:

عروہ رحمہ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب نبی کریم

[1] معجم الاوسط (طبرانی) ج ۷ ص ۳۸۹ روایت ۶۷۵۵ طبع ریاض

[2] معجم الاوسط (طبرانی) ج ۴ ص ۵۲۷ روایت ۳۹۱۴ طبع ریاض

ﷺ اپنی زوجہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما تھے۔ باہر سے کسی نے دروازہ پر دستک دی تو آنجناب ﷺ نے فرمایا: دیکھو کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ فرمایا: اسے اندر آنے کی اجازت ہے۔ معاویہ (رضی اللہ عنہ) اندر آئے اس حالت میں کہ ان کے کان پر قلم اٹکا ہوا تھا جس سے وہ لکھتے تھے۔ آنجناب ﷺ نے فرمایا: معاویہ! یہ تیرے کان پر کیا قلم ہے؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے کام کے لیے ہے۔ جواب میں جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور اللہ کی قسم! میں تجھ سے کتابت اس کی وحی کی بنا پر کراتا ہوں، چھوٹا کام ہو یا بڑا میں وحی الٰہی کے تحت بجا لاتا ہوں۔

اگر اللہ تعالیٰ تجھے قمیص (خلافت) پہنائے تو اس وقت تیری حالت کیا ہوگی؟ (تو کس طرح معاملہ کرے گا؟)

یہ فرمان سن کر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنجناب ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ! کیا میرے برادر کو اللہ تعالیٰ قمیص پہنائے گا؟ آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں!! لیکن (اس دور میں) شرور ہوں گے تو ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کے حق میں دعائے خیر فرمائیے۔ تو جناب نبی کریم ﷺ نے مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ دعا فرمائی:

((اللھم...... الخ))

''اے اللہ! اسے ہدایت کی طرف راہنمائی فرما اور ہلاکت سے بچا۔ اس عالم میں اور عالم آخرت میں اس کی مغفرت فرمادے۔''

((...... عن ھشام بن عروۃ عن ابیه عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: لما كان يوم ام حبيبة رضی اللہ عنہا من النبی ﷺ دق الباب داق۔ فقال النبی ﷺ انظروا من ھذا؟ قالوا: معاوية۔ فقال: ائذنوا له۔ و دخل وعلىٰ اذنه قلم له يخط به۔ فقال ما ھذا القلم على اذنك يا معاوية؟ قال: اعددته لله ولرسوله۔ قال: جزاك الله عن نبيك خيرا۔ والله ما استكتبتك الا بوحى من الله عزوجل۔ وما افعل من

صغيرة ولا كبيرة الا بوحى من الله عزوجل۔ كيف بك لوقد قمصك الله قميصاً؟ يعنى الخلافة۔ فقامت ام حبيبة رضی اللہ عنہا وجلست بين يديه۔ فقالت: يا رسول الله! وان الله مقمّص اخى قميصا؟ قال: نعم۔ ولكن فيه هنات و هنات وهنات۔[1] فقالت: يا رسول الله! فادع له۔ فقال: اللهم اهده بالهدى وجنّبه الردى واغفرله فى الآخرة والاولىٰ)) [2]

اثرات دعا

حاصل کلام یہ ہے کہ زبان نبوت سے یہ چند ایک دعائیں یہاں ذکر کی ہیں جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمائیں کہ اے اللہ! ان کو ہادی بنا اور ان کو ہدایت یافتہ کر دے اور ان کو دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ اے اللہ! ان کو حساب و کتاب کی تعلیم فرما اور اپنے عذاب سے محفوظ فرما۔ نیز ارشاد نبوی ہے کہ اے اللہ! ان کو علم اور حلم سے سرفراز فرما۔

اور یہ واضح امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے حق میں یہ دعائیں ارشاد فرمائیں جسے آپ نے ان کا اہل اور مستحق سمجھا۔ کسی نااہل اور غیر مستحق کے لیے نہیں فرمائیں۔

اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں پائی جاتی ہیں وہ بھی اہلیت کی بنا پر ہیں۔ مثلاً:

① حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں یمن کی طرف روانگی کے وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

((اللهم ثبت لسانه واهد قلبه)) [3]

② اور جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جبکہ ان کو قبیلہ خثعم کے ''کعبہ یمانیہ'' کو گرانے کے لیے بھیجا تھا۔ اس وقت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی تھی کہ ''میں گھوڑے کی پیٹھ پر قائم نہیں رہ سکتا'' تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مبارک پھیر کر دعا فرمائی:

((اللهم اجعله هاديا مهديا۔ حتى وجدت بردها)) [4]

---

[1] یہ هنات اى خصال شر (یعنی مختلف قسم کے امور شر پیدا ہوں گے۔ واللہ اعلم)

[2] معجم اوسط (طبرانی) ج۲ ص۴۹۸ روایت ۱۸۵۹ طبع مکتبۃ المعارف، ریاض

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۱۰۷ ج۵ تحت بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ الی یمن، بحوالہ مسند احمد۔

[4] مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۵۳ ج۱۲ تحت کتاب الفضائل، طبع کراچی۔
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۵۶ ج۸ تحت ترجمہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ

③ نیز عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو آنجناب ﷺ نے کتاب وحکمت کی دعا دی تھی اور فرمایا تھا:

((اللھم علمه الکتاب والحکمة))

تو وہ بڑے اعلیٰ درجہ کے مفسر قرآن ثابت ہوئے۔[1]

اسی طرح متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں آنجناب ﷺ کی زبان مبارک سے دعائیں منقول ہیں اور وہ یقیناً ان حضرات کے حق میں مقبول ومنظور ہوئیں۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب ﷺ کی زبان مبارک سے جو دعائیں صادر ہوئی ہیں وہ بھی یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور ہوئیں اور اپنی جگہ پر موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((ولا ارتیاب ان دعاء النبی ﷺ مستجاب فمن کان ھذا حاله کیف یرتاب فی حقه))[2]

''یعنی اس میں کچھ شک نہیں کہ آنجناب ﷺ کی دعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے تو جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے حق میں قبولیت میں کس طرح شبہ کیا جا سکتا ہے؟''

اور انھی دعاؤں کی برکات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دینی خدمات سرانجام دینے کی بہتر توفیق نصیب ہوئی اور انھوں نے ایک مدت دراز تک اسلام کی سربلندی وسرفرازی کے لیے مساعی کیں اور بے شمار ممالک پر اسلام کا پرچم بلند کیا اور دین اسلام کے غالب ہونے کا باعث ہوئے۔

بعض فوائد

① ناظرین کرام مطلع رہیں کہ یہ دعائیں قبل ازیں ہم نے اپنی تصنیف ''اقربا نوازی'' میں صفحہ ۱۳۰ سے ۱۳۵ تک درج کی ہیں لیکن یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں ان کو دوبارہ تفصیل سے درج کیا ہے اور یہاں بعض مزید اضافہ جات ذکر کیے ہیں جو مفید تر ہیں۔

② نیز یہاں ہر ایک دعا کے تحت کثرت سے حوالہ جات ذکر کیے ہیں اس میں بعض علمی مصالح پیش نظر ہیں:

(ا) ایک تو یہ چیز ہے کہ روایت میں اگر بعض اسانید کے اعتبار سے کچھ ضعف ہو تو تعدد طرق کی وجہ سے اس کے ضعف کا ازالہ ہو جائے اور اس کی کمزوری کا انجبار محدثین کے نزدیک اس طریقہ سے درست ہو کیونکہ کثرت طرق کی بنا پر روایت مقبول ہو جاتی ہے۔

---

[1] بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ تحت کتاب المناقب، مناقب ابن عباس رضی اللہ عنہما

[2] مرقاۃ شرح مشکوۃ (ملا علی قاری) ص ۴۳۸ ج ۱۱ تحت باب جامع المناقب، فصل ثانی تحت روایت اللھم اجعله ھادیا۔

(ب) دوسری چیز یہ ہے کہ تمام کتابیں ہر ایک اہل علم کے پاس نہیں ہوتیں تو متعدد کتابیں ذکر کر دینے سے یہ فائدہ ہے کہ جو کتاب ان کے پاس ہوگی اس سے مسئلہ ہذا کے لیے رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکیں گے۔

عدم فضیلت کا شبہ پھر اس کا ازالہ

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''عدم فضیلت'' کا ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے جو محض ایک قول ہے، نہ وہ قول نبوی ہے نہ کسی صحابی کا فرمان ہے اور نہ کسی تابعی کا بلکہ یہ بعد کے ایک عالم کا اپنا خیال ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ:

((لا یصح عن النبی ﷺ فی فضل معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما شیء))

''یعنی فضیلت معاویہ میں نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح چیز منقول نہیں۔''

اس شبہ کے ازالہ کے متعلق ہم نے جوابات مطاعن میں ایک مستقل عنوان ''عدم فضیلت کا شبہ اور اس کا ازالہ'' کے تحت بقدر ضرورت کلام کر دیا ہے۔ تاہم یہاں بھی ہم اس شبہ کا اجمالاً ازالہ کیے دیتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نبی اقدس ﷺ نے متعدد مواقع پر دعائیں ارشاد فرمائی ہیں جن کو ہم نے گزشتہ صفحات میں مع حوالہ جات کے ذکر کر دیا ہے۔ یہ دعائیں ایک ''مستقل فضیلت'' کا باب ہے۔ جس شخص کے حق میں زبان نبوت سے یہ دعائیں صادر ہوئی ہوں وہ یقیناً بڑا خوش بخت اور صاحب فضیلت ہے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ان دعاؤں کے اثرات یقیناً پائے گئے اور ان کو ان دعاؤں کی برکات کی وجہ سے اسلامی و دینی خدمات کی بہترین توفیق نصیب ہوئی۔

یہ دعائیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف اثبات فضیلت کے لیے کافی ثبوت اور شواہد ہیں۔ تاہم نفی فضیلت کے شبہ کے جواب میں ہم ذیل میں علماء کے کچھ بیانات پیش کرتے ہیں جو اس مسئلہ میں نہایت وزنی ہیں۔

① ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ بلدہ دمشق میں نفی فضیلت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((واصح ما روی فی فضل معاویۃ حدیث ابی حمزۃ عن ابن عباس انہ کان کاتب النبی ﷺ فقد اخرجہ مسلم فی صحیحہ۔ وبعدہ حدیث العرباض: اللھم علمہ الکتاب..... الخ وبعدہ حدیث ابن ابی عمیرۃ: اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا))[1]

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

④ اور اسی طرح ابن عراق کنانی رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعہ میں مسئلہ ہذا کے تحت علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

((وقال السیوطی الشافعی اصح ما ورد فی فضل معاویة رضی اللہ عنہ (بن ابی سفیان) حدیث ابن عباس انه کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرجه مسلم فی صحیحه بعده حدیث العرباض: اللهم علمه الکتابة۔ وبعده حدیث ابن ابی عمیرة: اللهم اجعله هادیا مهدیا))[1]

مطلب یہ ہے کہ ابن عساکر وسیوطی و ابن عراق کنانی وغیرہم رحمہم اللہ کبار علماء نے اپنے اپنے مقام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ''نفی فضیلت'' کے جواب میں ان امور کو زیادہ صحیح چیزیں قرار دیا ہے:

(۱) مثلاً مسلم شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کتابت کے متعلق روایت منقول ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اس میں بہترین فضیلت کا ثبوت موجود ہے۔

(۲) اس کے بعد عرباض بن ساریہ (صحابی رضی اللہ عنہ) سے دعائے نبوی کی روایت مذکور ہے وہ بالکل درست ہے اور اس سے فضیلتِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ثابت ہے۔

(۳) بعد ازاں ابن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت درج کی ہے جس میں دعائے نبوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مذکور ہے وہ بھی درست ہے اور شرف وفضیلت کا باعث ہے۔

(۴) اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں مندرجہ بالا روایات پر بحث کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ:

((واکتفینا بما اوردناه من الاحادیث الصحاح والحسان والمستجادات عما سواها من الموضوعات والمنکرات))[2]

''یعنی ہم نے اس مسئلہ میں موضوع ومنکر روایات سے احتراز کر کے صحیح وحسن اور جید روایات پر اکتفا کر کے انھیں بیان کیا ہے (جو اس فن کے اکابر علماء کے نزدیک قابل اعتماد ہیں)۔''

حاصل یہ ہے کہ مندرجہ روایات حسن کے درجہ میں ہیں اور علمائے امت نے خصوصی طور پر حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں انھیں فضیلت کی چیزیں شمار کیا ہے اور علیٰ فرق المراتب ان کو لائق استناد قرار دیا ہے۔

---

[1] تنزیہ الشریعہ (ابن اسحاق کنانی) ص ۸ ج ۲ فصل اول تحت باب فی طائفہ من الصحابہ رضی اللہ عنہم۔
ذیل اللآلی الی المصنوعہ (سیوطی) کتاب المناقب ص ۵۷ مطبع علوی لکھنؤ۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۲ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

نیز اکابر علماء فرماتے ہیں کہ حدیث حسن لذاتہ جمہور کے نزدیک قابل حجت ہے فلہذا اس اعتبار سے بھی یعنی حسن ہونے کی وجہ سے یہ روایات مقبول ہیں اور نفی فضیلت کے شبہ کے ازالہ کے لیے کافی ہیں۔

مزید یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ آیندہ بحث غزوات میں غزوہ قبرص کے تحت ایک صحیح بشارت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی کے مطابق اس جیش میں شامل ہونے والوں کے لیے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے جیش ہذا کے امیر خود حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ فلہذا وہ جنت کے مژدہ کے مستحق ہیں اور اس صحیح بشارت کے مصداق ہیں۔ یہ امر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یقیناً عمدہ ترین فضیلت ہے۔ لہٰذا حضرت موصوف کے حق میں فضیلت کی نفی کا قول کرنا صحیح نہیں۔

علیٰ سبیل التنزل کے درجہ میں اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ قول درست ہے تو اس مقام پر بعض علماء نے "لا یصح" کے قول کی ایک دوسری توجیہ ذکر کی ہے۔ ناظرین کرام کے فائدہ کے لیے پیش کی جاتی ہے:

((ومراده ومراد من قال ذالك من اهل الحديث انه لم يصح حديث فى مناقبه بخصوصه والا فما صح عندهم فى مناقب الصحابة رضي الله عنهم على العموم و مناقب قريش فمعاوية رضي الله عنه داخل فيه))[1]

''یعنی ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصوصی مناقب کے لیے عدم صحت حدیث کا قول ہے۔ ورنہ وہ تمام صحیح و مسلم مناقب جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قریش کے لیے کتاب و سنت میں علی العموم موجود ہیں ان مناقب و فضائل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل اور داخل ہیں۔''

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا دعائیں، بشارات صحیحہ اور توجیہات کے باوجود یہ کہنا کہ ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی صحیح فضیلت ثابت نہیں'' ہرگز درست نہیں۔ فلہذا ''نفی فضیلت کا قول'' قابل رد ہے اور قبول کے لائق نہیں بلکہ اپنا خیال یہ ہے کہ نفی فضیلت کا قول کسی متعصب ذہن کی پیداوار ہے پھر اس نے ایک مشہور عالم دین کی طرف منسوب کر دیا ہے تا کہ اسے قبولیت عام حاصل ہو جائے۔

امارت وخلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اشارات

سابقہ اوراق میں زبان نبوی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض دعائیں ذکر کی گئی ہیں پھر ان دعاؤں کے نتائج وثمرات اپنی جگہ پر مسلم ہیں اور ان کے اثرات کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اسلامی خدمات کی توفیق کی صورت میں نمایاں ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جسے مورخین نے اپنے مقام پر درج کیا ہے۔

اب اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت اور خلافت کے متعلق جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] المنار المنیف (ابن قیم) ص ۱۱۶ فصل ۳۵ طبع حلب۔

طرف سے بعض اشارات پائے جاتے ہیں جن کو بشارات سے تعبیر کرنا بھی درست ہے۔ انھیں محدثین نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ان کو یہاں ذکر کر دینا مفید خیال کیا ہے۔ پھر اس مسئلہ کی بعض تائیدات بھی دستیاب ہوتی ہیں ان کو بھی ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

محدثین نے اس امر کے متعلقہ متعدد روایات اپنے اپنے مقام پر ذکر کی ہیں۔ ذیل میں ایک ترتیب کے ساتھ ان کو پیش کیا جاتا ہے:

مشہور محدث ابن ابی شیبہ نے اس مسئلہ پر درج ذیل روایت ذکر کی ہے:

① ((عن عبدالملك بن عمير قال قال معاوية رضي الله عنه: ما زلت اطمع في الخلافة منذ قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا معاوية ان ملكت فاحسن))[1]

اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے بھی اپنی مشہور تاریخ بلدہ دمشق میں بالفاظ ذیل یہی روایت نقل کی ہے۔ اور نیز ذکر کیا ہے کہ علامہ بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے لیے دیگر شواہد موجود ہیں اس لیے اگر اس میں ضعف پایا جائے تو اس کا ازالہ ان شواہد کی وجہ سے ہوگا:

② ((عن اسماعيل بن ابراهيم بن مهاجر عن عبدالملك بن عمير قال قال معاوية: والله ما حملني على الخلافة الا قول النبي صلى الله عليه وسلم لي يا معاوية ان ملكت فاحسن قال البيهقي اسماعيل بن ابراهيم هذا ضعيف الا ان للحديث شواهد))[2]

نیز عبدالملک بن عمیر کی روایت ہذا کے متعلق کبار علماء نے یہ تصریح بھی ذکر کر دی ہے کہ

((والحديث حسن كما علمت فهو مما يحتج به على فضل معاوية...... الخ))[3]

''یعنی یہ روایت درجہ حسن میں ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر استدلال کے قابل ہے۔''

اس مضمون کی متعدد روایات مزید بھی دستیاب ہوتی ہیں مگر اصل مضمون کے اثبات کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

---

1. مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴۷-۱۴۸ ج ۱۱ آخر کتاب الامراء، طبع کراچی۔
المطالب العالیہ (ابن حجر) ص ۱۰۸ ج ۴ تحت باب فضل معاویہ طبع کویت
2. تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ قلمی ص ۲۹۹ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
3. الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۱۳۰ بہامشہ تطہیر الجنان، الخاتمہ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ فی الصحابہ رضی اللہ عنہم الخ، طبع قدیم مصری مطبع میمنہ۔

اور ان روایات کا مضمون یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں ارشاد فرمایا کہ ''اے معاویہ! جب تجھے اقتدار اور جہانبانی نصیب ہو تو رعایا سے بہتر معاملہ کرنا۔'' اس چیز نے خلافت کے معاملہ میں مجھے امید دلائی اور اس بات پر مجھے آمادہ کیا۔

حضرت موصوف ارشاد نبوی کے پیش نظر رعایا کے ساتھ خیر و صلاح کا معاملہ کرتے تھے اور اپنی زندگی کو بھلائی کے ساتھ وابستہ کیے ہوئے تھے۔ اور آں موصوف نے امارت اور خلافت کے معاملہ میں جو مساعی کیں وہ گویا ان بشارات نبوی کی روشنی میں ان کی تکمیلی صورت تھی۔

③ اور اس مقام پر ایک دیگر روایت جو سعید بن عمرو سے مروی ہے ذکر کی جاتی ہے یہ بھی مضمون سابق کی تائید میں ہے اور شواہد کا درجہ رکھتی ہے۔ اسے علماء نے مرسلاً و موصولاً درج کیا ہے اور ساتھ فرمایا ہے کہ اس کی سند کے رجال صحیح ہیں یعنی ضعیف نہیں۔

((عن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص ان معاویة رضی اللہ عنہ اخذ الاداوة بعد ابی هریرة رضی اللہ عنہ تبع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم واشتکی ابوهریرة رضی اللہ عنہ فبینا هو یوضئی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رفع رأسه الیه مرة او مرتین وهو یتوضاء فقال یا معاویة "ان ولیت امرا فاتق الله واعدل" قال فما زلت اظن انی مبتلی بعمل لقول رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حتی ابتلیت۔ "رواه احمد وهو مرسل ورجاله رجال الصحیح۔ ورواه ابو یعلی عن سعید عن معاویة فوصله ورجاله رجال الصحیح" الخ))[1]

''یعنی مطلب یہ ہے کہ سعید بن عمرو کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتے تھے) ایک دفعہ بیمار ہو گئے ان کی جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مشکیزہ (جس سے وضو کرایا جاتا

---

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۵ ج ۹ تحت ما جاء فی معاویہ رضی اللہ عنہ
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۸۶ ج ۵ تحت امرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ
مسند امام احمد ص ۱۰۱ ج ۴ تحت مسندات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
دلائل النبوۃ (بیہقی) ص ۴۴۶ ج ۶ تحت ما جاء فی اخبارہ بملک معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ عکسی) ص ۶۹۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۳ فصل ثالث کتاب الامارۃ بحوالہ مسند احمد
الناہیہ عن طعن معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۳۲ طبع ملتان از مولانا عبد العزیز پرہاروی
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۱۵ فصل ثانی فی فضائلہ ومناقبہ وخصوصیاتہ الخ مع صواعق محرقہ۔

تھا) اٹھا لیا اور وہ وضو کرانے کی خدمت سرانجام دینے لگے۔ اسی اثنا میں سرور دو عالم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اپنا سر مبارک ایک بار یا دو بار اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ ''اے معاویہ! اگر امارت و خلافت کا تم کو والی بنایا جائے تو خدا سے خوف کرنا اور عدل و انصاف کرنا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے پیش نظر برابر مجھے یہ خیال رہا کہ میں اس کام میں مبتلا ہوں گا حتیٰ کہ میں اس آزمائش میں داخل ہوا اور مجھے یہ بوجھ اٹھانا پڑا۔''

بہت سے علمائے کبار نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور تائید کی ہے ان میں سے بعض حضرات کے حوالہ جات حاشیہ میں درج کر دیے ہیں رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے۔

چند دیگر تائیدات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت و خلافت کے متعلقہ ذخیرۂ مرویات میں سے چند ایک روایات جو سابقاً ذکر کی ہیں وہ براہ راست اصل مضمون کی مؤید ہیں۔ اب سطور ذیل میں بعض چیزیں مسئلہ ہذا کے لیے بطور تائید ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی فضیلت بالواسطہ پائی جاتی ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت ان چیزوں کا صحیح مصداق اور محمل ہے کیونکہ ایک مدت دراز تک آں موصوف کی امارت و خلافت قائم رہی۔

① چنانچہ حدیث شریف میں نبی اقدس ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ آنجناب ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

((عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الخلافة بالمدينة والملك بالشام))[1]

''مطلب یہ ہے کہ اسلامی خلافت مدینہ طیبہ میں ہوگی اور اسلام کی امارت و حکمرانی ملک شام میں قائم ہوگی۔''

② اور تورات میں جناب نبی کریم ﷺ کے متعدد فضائل و مناقب موجود ہیں۔ ایک مشہور تابعی کعب (احبار) نے یہ فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ:

((عن كعب (الاحبار) يحكي عن التوراة قال نجد مكتوبا محمد رسول الله۔ مولده بمكة وهجرته بطيبة وملكه بالشام...... الخ))[2]

''یعنی نبی اقدس ﷺ کا اسم گرامی تورات میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے آنجناب ﷺ کی ولادت

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۳ تحت باب ذکر الیمن والشام فصل ثالث

[2] مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۴ فصل ثانی من باب فضائل سید المرسلینؐ (طبع نور محمدی دہلی)

مکہ مکرمہ میں ہوگی اور آپ کی دار ہجرت وسکونت مدینہ طیبہ میں ہوگی، آپ کے دین کی حکمرانی ملک شام میں ہوگی۔''

مشہور شارح حدیث ملا علی قاری رحمہ اللہ نے روایت ہذا کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((ملکه ای بعد انتهاء مدته وایام خلافته بالشام کما کان لمعاویة رضی اللہ عنہ و من بعده لبنی امیة علی ذالك النظام۔ الخ))[1]

''یعنی آپ کے ایام خلافت کی انتہا ملک شام میں ہوگی، جیسا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد خلفائے بنو امیہ کے دور میں ہوا۔'' (یہ بطور غالب احوال کے ہے)

نیز کعب الاحبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت وحکومت کے متعلق ایک پیش گوئی منقول ہے کہ:

((قال کعب الاحبار لن یملك احد هذه الامة ما ملك معاویة))

(الصواعق المحرقة لابن حجر المکی ص ۲۰۰ تحت الخاتمہ)

''یعنی جس طرح حکومت وامارت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو ملے گی اس طرح کسی کو نہیں ملے گی۔''

یہ کعب رحمہ اللہ کی پیش گوئی ہے اس لیے کہ کعب خلافت معاویہ سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔

③ نیز شریح بن عبید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار کسی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اہل شام کا تذکرہ قبیح الفاظ میں کیا اور ساتھ ہی کہا گیا کہ اے امیر المومنین اہل شام پر لعنت کیجیے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا اہل شام پر لعنت کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عن شریح بن عبید قال ذکر اهل الشام عند علی و قیل العنهم یا امیر المؤمنین قال لا۔ انی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول الابدال یکونون بالشام وهم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل الله مکانه رجلا یسقی بهم الغیث وینتصربهم علی الاعداء ویصرف عن اهل الشام بهم العذاب))[2]

''مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملک شام میں چالیس (۴۰) ابدال ہوتے ہیں جب ان میں سے کوئی ابدال فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا شخص متعین فرما دیتے ہیں اور یہ ایسے بابرکت لوگ ہیں کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ بارش برساتے ہیں، دشمنوں پر ان کے ذریعے سے غلبہ ہوتا ہے اور ان کے ذریعے سے اہل شام سے عذاب دور کر دیا جاتا ہے۔''

④ پھر اس کے بعد ملک شام کے حق میں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ذکر کی جاتی ہے جو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجلس میں بعض علاقوں کے حق میں برکت کی دعا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اللهم بارك لنا فی شامنا۔ اللهم بارك لنا فی یمننا))

''یعنی اے اللہ! ہمارے ملک شام میں برکت عطا فرما اور ہمارے علاقہ یمن میں برکت دے۔''

اور جب بعض لوگوں نے علاقہ نجد کے لیے دعا کرنے کی استدعا کی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ نجد کو نظر

---

1. مرقات شرح مشکوٰۃ (ملا علی قاری) ص ۲۶ ج ۱۱ تحت الروایہ طبع ملتان۔
2. مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۲-۵۸۳ تحت باب ذکر اہل الیمن والشام فصل ثالث طبع دہلی۔

انداز فرماتے ہوئے ایک دفعہ پھر ملک شام اور ملک یمن کے حق میں دعائیہ کلمات دہرائے اور علاقہ نجد میں فتن وفساد کے ظاہر ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

چنانچہ مشکوۃ شریف میں ہے کہ:

((وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال النبی ﷺ اللھم بارك لنا فی شامنا۔ اللھم بارك لنا فی یمننا۔ قالوا یا رسول اللہ! وفی نجدنا قال اللھم بارك لنا فی شامنا اللھم بارك لنا فی یمننا۔ قالوا یا رسول الاہ! و فی نجدنا فاظنہ قال فی الثالثة ھناك الزلازل والفتن و بھا یطلع قرن الشیطان۔ رواہ البخاری))[1]

خلاصۃ المرام

① مندرجات سابقہ کے پیش نظر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علاقہ شام کے حق میں کئی بشارات پائی جاتی ہیں اور یہ علاقہ بے شمار برکات وفضائل کا حامل ہے۔

یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی وخوش بختی ہے کہ انھیں قدرت کی طرف سے اس ملک شام میں ایک طویل مدت تک امارت وخلافت کا موقع نصیب ہوا اور انھوں نے اشاعت دین اور بقائے اسلام کے لیے خوب خدمات سرانجام دیں اور خیر وبرکات کے مستحق ہوئے۔

② نیز عنوان سابق کے تحت جو چیزیں پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ امارت و خلافت کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو کوششیں کیں وہ کسی ذاتی داعیہ نفس کی بنا پر نہیں تھیں بلکہ آں موصوف کے لیے اس مسئلہ میں دیگر اسباب و وجوہ کے ساتھ بصورت اشارات و بشارات کے یہ دواعی بھی موجود تھے۔ اس بنا پر انھوں نے خلافت کے معاملہ میں اپنی مساعی کو جاری رکھا اور دینی وملی خدمات کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

غلط نظریہ کی تردید

اور بعض لوگوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق جو یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ:

''وہ بہر حال خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انھوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا، وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے۔'' وغیرہ وغیرہ

یہ چیز درست نہیں ہے اور واقعات کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ان احادیث کے مضمون کے مخالف بھی ہے جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت وامارت کے متعلق ایما پایا جاتا ہے۔ ان کا ہم نے گزشتہ اوراق میں حوالہ پیش کر دیا ہے۔

---

[1] مشکوۃ شریف ص ۵۸۲ تحت باب ذکر الیمن والشام فصل اول طبع دہلی

اور اس فن کے کبار علماء کی تحقیق کے بھی برعکس ہے فلہٰذا یہ نظریہ مذکور قابل اعتماد نہیں بلکہ اس سے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں سوءِ ظن پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اجتناب کی توفیق بخشے۔

گزشتہ سطور میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ مذکورہ غلط نظریہ کے جواب کی خاطر کافی ہے تاہم ایک مشہور عالم حدیث کی تحقیق ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے درج کی جاتی ہے جس میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو خلافت حاصل کی اور منصب خلافت پر فائز ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے انھیں یہ مرتبہ ملا ہے وہ متغلب خلیفہ نہیں۔

شیخ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نسیم الریاض میں فرماتے ہیں کہ:

((”فنال الخلافة“ ای صار خليفة و سلطانا مالكا للبلاد بدعائه ﷺ وهو اشارة الى حديث...... الخ))[1]

((وصار خليفة حقيقة بعد ما كان الحق مع علی رضی اللہ عنہ لا متغلبا كما اشار اليه المضف بقوله نال الخلافة...... الخ))[2]

غلط فہمی کا ازالہ

اور بعض اہل علم نے یہ قول کیا ہے کہ:

”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بالکل آخر میں اسلام لائے تھے اس لیے ان کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی نمایاں کارنامہ دکھانے کا موقع نہ مل سکا۔“

مندرجات بالا کی روشنی میں ناقدین کا مذکورہ قول ہرگز درست نہیں اور واقعات کے خلاف ہے۔ اس پہلے دور میں جو چند چیزیں ذکر کی گئی ہیں ان پر نظر انصاف ڈالنے سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ اس قلیل مدت میں اسلام کی نہایت اعلیٰ خدمات سر انجام دیں اور دینی امور کے فروغ میں مکمل طور پر حصہ لیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک ان خدمات پر مامور اور ان کی انجام دہی میں مصروف رہے۔

اختتامی کلمات برائے دور اول

گزشتہ اوراق میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات سے لے کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک کے واقعات کو بیان کیا ہے۔ یہ دور اول ہے۔ اس عہد میں درج ذیل چیدہ چیدہ حالات آ گئے ہیں:

- خاندان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے پدری و مادری نسب کے حالات۔

۱،۲ نسیم الریاض (خفاجی) ص ۱۲۶-۱۲۷ ج ۳ طبع استنبول فصل فی اجابۃ دعاءہ

- بنی ہاشم کے ساتھ آپ کے خاندانی (نسبی) روابط۔
- حضرت موصوف کا قبول اسلام، غزوات میں شرکت اور حصول غنائم، نیز عہد نبوت میں متعدد مناصب مثلاً کتابت وحی وغیر وحی وفرمان نویسی اور مراسلات نبوی کی خواندگی اور قطعہ اراضی کی تسلیم وغیرہ وغیرہ کا حاصل کرنا۔
- نیز آں موصوف کے حق میں چند فضائل مثلاً جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹنا، آپ کے حق میں نبوی دعائیں اور پھر اثرات دعا وغیرہ کا منقول ہونا۔
- عدم فضیلت کے شبہ کا ازالہ
- خلافت وامارت کے متعلق اشارات نبوی اور بشارات وغیرہ کا پایا جانا۔
- خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک حاضر باش خادم ہونے کی حیثیت سے علمی فوائد حاصل کرنا اور بے شمار دینی مسائل سے متمتع ہونا مندرجات بالا امور کے علاوہ ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خصوصی طور پر علمائے کبار نے ایک دیگر چیز یہ بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو ترسیٹھ احادیث حاصل کر کے امت مسلمہ کو پہنچائی ہیں۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((روی له عن رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة حديث وثلاثة وستون حديثا))[1]

حاصل یہ ہے کہ عہد نبوت میں اسلام لانے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان علمی ودینی خدمات کا سرانجام دینا اور وصال نبوی تک ان پر مامور رہنا یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا کوئی صاحب انصاف اہل علم انکار نہیں کرسکتا۔ اس پر دور اول کے مذکورہ حالات شاہد عادل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں سے حضرت موصوف رضی اللہ عنہ کے دینی مقام کی رفعت واضح طور پر ثابت ہے۔

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۲ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

دور دوم

سابقہ دور میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی چند دینی و اسلامی خدمات ذکر کی ہیں جن کا تعلق عہد نبوی سے تھا پھر سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال اور وصال کے بعد خلافت راشدہ کا دور شروع ہوا۔ اس میں صدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی چار دور ہیں ان ادوار میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلقہ امور ذکر کرنے کا قصد ہے تا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملی خدمات ایک طریقہ سے ناظرین کرام کے سامنے یکجا پیش کی جا سکیں۔

ظاہر بات ہے کہ ان ادوار کے تمام واقعات (جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے) کو یکجا فراہم کرنا بہت مشکل مسئلہ ہے اور عادتاً دشوار ہے تاہم اپنے مقدور کے موافق جو حالات دستیاب ہو سکے ہیں انھیں ایک ترتیب سے پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ (بعونہ تعالیٰ)

منصب کتابت اور وثیقہ نویسی

اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب کتابت اور وثیقہ نویسی کی بعض خدمات دور صدیقی اور دور فاروقی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کو اختصاراً لکھا جاتا ہے:

① چنانچہ علمائے کرام نے اس سلسلہ میں صدیقی دور کا ایک واقعہ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ عروہ رحمہ اللہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عروہ رحمہ اللہ سے دریافت فرمایا کہ اس ''خاص تحریر'' کا کیا ہوا؟ تو عروہ رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ تحریر میرے پاس محفوظ ہے۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! وہ تحریر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی اور اس کی تفصیل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیان کرتے ہوئے ذکر کیا کہ آپ کے والد زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک قطعہ اراضی متعین فرمایا اور اس کے متعلق یہ وثیقہ میں نے لکھا۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور اس تحریر کو اپنے پاس پردہ میں رکھ لیا۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ شاید آپ کسی خاص کام میں مصروف تھے؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے

گئے۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ تحریر برآمد کی اور اس کی تکمیل کا حکم فرمایا۔ چنانچہ میں نے وہ تحریر مکمل کی۔ (واقعہ ہذا کے شروع میں اسی تحریر کو "المسلول" سے تعبیر کیا گیا ہے)

((عن هشام بن عروه عن ابيه قال دخلت على معاوية رضي الله عنه فقال لي ما فعل "المسلول" قال قلت هو عندي فقال انا والله خططته بيدي۔ اقطع ابوبكر الزبير رضي الله عنه ارضا فكنت اكتبها قال فجاء عمر رضي الله عنه فاخذ ابوبكر رضي الله عنه يعني الكتاب فادخله في ثني الفراش فدخل عمر رضي الله عنه كانكم على حاجه فقال ابوبكر رضي الله عنه نعم فخرج فاخرج ابوبكر الكتاب فاتممته))[1]

(۲) مذکورہ واقعہ کی طرح ایک دوسرا واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا تھا۔ اس میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک اہم سرکاری کام میں تعاون کرتے ہوئے وثیقہ نویسی کا فریضہ ادا کیا۔

مورخین نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس کے علاقہ میں جابیہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں کفار (نصاریٰ) کی طرف سے ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی قوم کی طرف سے انھوں نے اہل اسلام سے صلح اور امان طلب کرنے کا مطالبہ پیش کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے صلح کرنے اور امان اور مصالحت کا ایک وثیقہ تحریر کرایا اور ان پر جزیہ (شرعی ٹیکس) عائد کیا اور دیگر شرائط بھی ان پر لگائیں جن کو مورخین ابن جریر طبری وغیرہ نے لکھا ہے۔

اس وثیقہ میں اہل اسلام کی طرف سے جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت درج کی گئی وہ مندرجہ ذیل اصحاب ہیں:

خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عبدالرحمن بن عوف، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم۔

اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما شاہد ہونے کے ساتھ ساتھ اس وثیقہ کے انشاء (تحریر) کرنے والے بھی تھے۔ اور یہ وثیقہ ۱۵ھ میں تحریر کیا گیا تھا۔ اور بقول بعض مورخین یہ واقعہ ۱۶ھ میں پیش آیا تھا اور فتح بیت المقدس بھی ۱۶ھ میں ہوئی تھی۔

((فقال عمر رضي الله عنه ان هولاء قوم يستامنون فساروا نحوهم فاذا هم جند من بيت المقدس يطلبون الامان والصلح من امير المؤمنين حين سمعوا بقدومه فاجابهم عمر رضي الله عنه الى ما سألوا، و كتب لهم كتاب امان و مصالحة و ضرب عليهم الجزية، واشترط عليهم شروطا ذكرها ابن جرير، و شهد في الكتاب خالد بن وليد و عمرو بن العاص وعبدالرحمن بن عوف و

[1] سنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۴۵ ج ۶ آخر باب کتاب القطائع اول طبع حیدر آباد دکن

معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ وھو کاتب الکتاب وذالك فی سنة خمسة عشر))[1]

کتابت اور وثیقہ نویسی کے صرف دو واقعات یہاں ناظرین کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ایک واقعہ کا تعلق صدیقی عہد خلافت سے ہے اور دوسرا واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا۔ اسی طرح ان ادوار میں اسی نوع کے کئی دیگر واقعات یقیناً پیش آئے جن کو شمار کر لینا آسان کام نہیں۔

ان واقعات کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ''دینی اعتماد'' ثابت ہوتا ہے اور اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وثاقت و صلاحیت معتمد طریقہ سے پائی جاتی ہے اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام اعتماد واضح ہوتا ہے کہ ان اہم وثیقہ جات میں بطور شاہد کے ان کو شامل و شریک کیا جاتا تھا۔

غزوات میں شرکت

جنگ یمامہ

عہد صدیقی میں ایک اہم جنگ ربیع الاول ۱۲ھ میں پیش آئی جسے ''جنگ یمامہ'' کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے یہ جنگ عقیدہ ختم نبوت پر واقع ہوئی۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہو چکا۔ اس دور میں ''مسیلمہ بن حبیب'' نامی ایک کذاب نے یمامہ کے علاقہ میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کذاب کو ختم کرنے کے لیے اس کے ساتھ ایک خون ریز جنگ کی۔ جنگ یمامہ میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہوئے اور اس مسئلہ ختم نبوت کو ان حضرات نے کسی ''زبانی بحث و مباحثہ'' یا ''کتابی مناظرہ'' کے ذریعے سے نہیں بلکہ تیغ و سنان اور قوت بازو سے حل کیا اور باطل نبوت کے مدعی کو اور متبعین کو تہ تیغ کر کے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

اس سلسلے میں مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شامل ہوئے اور بقول بعض مورخین مسیلمہ کذاب کے قتل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ بھی شریک تھے۔ مسیلمہ کذاب کو اول اول نیزہ لگانے والے وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ تھے جبکہ ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے اسے تلوار کے ذریعے سے زخمی کیا تھا اور عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بھی قتل مسیلمہ میں شریک تھے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں حاضر ہوئے اور بقول بعض مسیلمہ کے

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۷ جلد ۷ تحت ذکر فتح بیت المقدس .....الخ
تاریخ طبری ص ۱۶۰ ج ۴ تحت ذکر فتح بیت المقدس

قتل میں بھی شامل تھے۔

((وشهد يمامة وزعم بعضهم انه هو الذى قتل مسيلمة حكاه ابن عساكر۔ وقد يكون له شرك فى قتله۔ انما الذى طعنه وحشى و جلله ابودجانه سماك بن خرشة رضی اللہ عنہ بالسيف))[1]

اور صاحب تاریخ خمیس نے یہ قول کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے والوں میں میں بھی شریک تھا۔

((وكان معاوية بن ابى سفيان يقول انا قتلته))[2]

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا مورخین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسلام کی اس مہم میں شامل ہوئے تھے اور مسیلمہ کے قتل میں بھی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی شرکت ثابت ہے۔

علاقہ شام کی طرف روانگی

صدیقی دور میں علاقہ شام کی طرف مسلمانوں کے مختلف جیوش اور عساکر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ارسال کیے گئے۔ شام کی مہمات میں جیوش کے ارسال کا سلسلہ متعدد بار پیش آیا۔

چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو شام کی طرف صدیقی دور میں مہمات سر کرنے کے لیے بھیجا گیا اور ان کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان مہمات میں شامل تھے۔

بعض دفعہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو مزید کمک کی ضرورت پیش آئی اور حالات کا تقاضا ہوا کہ مزید آدمی روانہ کیے جائیں تو اس وقت بعض لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقاضا کیا کہ ملک شام کی طرف مزید ایک امدادی دستہ بھیجنے کی ضرورت ہے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا اور ان کو ہدایت فرمائی کہ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ شامل ہوں اور ان کی ماتحتی میں خدمات سرانجام دیں۔

چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ:

① ((واجتمع الى ابى بكر رضی اللہ عنہ اناس فامر عليهم معاوية رضی اللہ عنہ وامره باللحاق بيزيد فخرج معاوية رضی اللہ عنہ حتى لحق بيزيد))[3]

---

1. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۹۶ تحت مسئلہ ہذا
2. تاریخ الخمیس (شیخ دیار بکری) ص ۲۱۶ ج ۲ تحت واقعہ ہذا
3. تاریخ ابن جریر طبری ص ۳۰ ج ۴ تحت سنہ ۱۳ھ

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس چیز کو بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

② ((ثم اجتمع عند الصدیق طائفة من الناس فامر علیهم معاویة رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وارسله وراء اخیه یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ))[1]

نیز ابن جریر طبری نے ''خبر الیرموک'' کے تحت بھی ایک موقع پر ذکر کیا ہے کہ لشکر کے کئی دستے تیار ہوئے ان میں سے بعض دستوں پر جو امیر مقرر ہوئے ان میں امیر معاویہ اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہما کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امیر بنا کر روانہ کیا تھا۔

((امر علیهم ابوبکر رضی اللہ عنہ معاویة و شرحبیل رضی اللہ عنہما ......الخ))[2]

ایک حکمت عملی

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے حکمرانی کے مسئلہ میں عمیق بصیرت عطا فرمائی تھی جو عام حکمرانوں میں بہت کم ہوتی ہے۔ حکام کو مناصب دینی اور والیوں میں تقسیم عہدہ جات ایک خاص دقیق امر ہے جو عام لوگوں کے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا طرز عمل ایک خاص بصیرت کا حامل تھا۔ آں موصوف کی کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ''حکمت عملی'' یہ تھی کہ اکابرین امت مثلاً حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر آپ ان سے کم درجے کے حضرات مثلاً عمرو بن عاص، معاویہ بن ابی سفیان، مغیرہ بن شعبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کو عامل بناتے تھے حالانکہ پہلے حضرات کی بصیرت اور ان کا عمل سب سے فائق اور افضل تھا۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے بعض حضرات نے اس حکمت عملی کی وجہ دریافت کی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان کی شان سے کم درجہ کے عمل میں ان کو ملوث نہیں کرنا چاہتا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے نگران ہوں اور مشورہ کے ساتھ حکومت کی بہتری کے لیے تدبیر کریں اور خلیفہ اسلام کے ساتھ اہم معاملات میں تعاون قائم رکھیں تاکہ مرکز مضبوط اور محفوظ رہے۔

گویا کہ ان اکابرین امت کے حق میں ایک گونہ ''خصوصی تحفظ'' مقصود خاطر تھا جس کی خاطر یہ صورت انھوں نے اختیار کر رکھی تھی۔

اسی مضمون کو ابن سعد رحمہ اللہ نے ''طبقات'' میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((وکان یستعمل رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل عمرو بن العاص و معاویة بن ابی سفیان والمغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہم ویدع من هو افضل منهم

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴ ج ۷ تحت سنہ ۱۳ھ

[2] تاریخ ابن جریر طبری ص ۳۲ ج ۴ تحت خبر الیرموک سنہ ۱۳ھ

مثل عثمان و علی وطلحه والزبیر وعبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم ونظرائهم لقوة اولئك على العمل والبصر به ولا شراف عمر عليهم وهيبتهم له وقيل له ما لك لا تولى الاكابر من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال اكره ان ادنسهم بالعمل))[1]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مذکورہ ''حکمت عملی'' کی روشنی میں حکام اور ولات کو ملک کے مختلف جوانب و اطراف میں روانہ کیا جاتا تھا بعض کو عراق وغیرہ کی طرف اور بعض کو ملک شام کی جانب بھیجا جاتا۔

چنانچہ اس سلسلے میں شام کے چند وہ واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مرکز اسلامی کی طرف سے امیر بنا کر روانہ کیا گیا یا ان کا اس ملک میں اسلامی خدمات بجا لانے میں براہ راست تعلق ہے۔اس دور کے تمام واقعات (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہیں) کو فراہم کر لینا عملاً دشوار ہے۔ سردست جو واقعات دستیاب ہوئے ہیں انھیں پیش کیا جاتا ہے۔

فتح اردن

علاقہ شام کی فتوحات میں فتح اردن ۱۵ھ میں ہوئی۔ یہ ایک مستقل مہم تھی۔ اس موقع پر لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس موقع پر امیر الافواج تھے لیکن ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ امیر الامراء تھے۔ جب سواحل اردن کا معاملہ پیش آیا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو کمک بھیجنے کے لیے لکھا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجنے کے لیے آمادہ کیا اور ان کے ساتھ جو دستہ فوج روانہ کیا اس کے مقدمۃ الجیش پر حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نگران تھے۔

سواحل اردن پر اسلامی افواج نے بڑی زبردست جنگ لڑی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح عطا فرمائی یہ فتح حاصل کرنے والے یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما تھے۔

سواحل اردن کی فتح کی خوشخبری حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مرکز روانہ کی اور یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی مساعی کا ذکر کیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ سواحل اردن کی مہم میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی نمایاں کارنامے اور اہم کارکردگی پائی جاتی ہے جو قابل ستائش ہے اور معاملہ فہمی و جنگی بصیرت کا روشن نشان ہے۔

((فكتب (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) الى ابى عبيدة رضی اللہ عنہ يستمده فوجه ابو

---

[1] طبقات ابن سعد، ص ۲۰۳ ج ۳ تحت ذکر استخلاف عمر رضی اللہ عنہ طبع لیڈن

عبیدة رضی اللہ عنہ یزید ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فسار یزید رضی اللہ عنہ و علی مقدمته معاویة رضی اللہ عنہ اخوه ففتح یزید و عمرو رضی اللہ عنہما سواحل الاردن۔ فکتب ابو عبیدة رضی اللہ عنہ بفتحها لهما وکان لمعاویة رضی اللہ عنہ فی ذالك بلاء حسن واثر جمیل))[1]

مرج الصفر

مرج الصفر کے قتال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ معرکہ میں خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ان کی تلوار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔[2] جب مسلمان مرج الصفر کے قتال سے فارغ ہوئے تو پندرہ بیس دن بعد انھوں نے شہر دمشق کی طرف رجوع کیا یہ محرم الحرام ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ فتح دمشق کے بعد مسلمانوں نے غوطہ کے مقام پر قبضہ کیا۔[3]

سواحل دمشق

فتح دمشق میں اکابر صحابہ کرام حضرت ابوعبیدہ، خالد بن ولید، یزید بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم حضرات کی مساعی شامل ہے۔ فتح دمشق کے ساتھ ہی اس علاقے کے سواحل صیدا، عرقہ، جبیل، بیروت وغیرہ کی طرف اسلامی فوجوں نے توجہ کی اور ان علاقوں کو بڑی کوشش سے فتح کیا۔

اس موقع پر لشکر کے ''مقدمة الجیش'' پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی کمان میں یہ فتوحات کثیرہ ہوئیں خصوصاً ''عرقہ'' کی فتح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوشش سے ہوئی تھی۔ یہ ان کے فہم و تدبیر کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

((ان یزید اتی بعد فتح مدینة دمشق صیداء، عرقة وجبیل وبیروت وهی سواحل۔ وعلی مقدمته اخوه معاویة رضی اللہ عنہ ففتحها فتحا یسیرا وجلا کثیرا من اهلها وتولی فتح عرقة معاویة رضی اللہ عنہ نفسه فی ولایة یزید))[4]

دمشق کی فتح کے بعد اس کے ملحقہ علاقہ جات کی فتح کے لیے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو طرابلس کے علاوہ دیگر سواحل دمشق کی طرف روانہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان علاقہ جات کے قلعوں کی طرف تشریف لے گئے۔ بعض اوقات انھیں وہاں دو دن قیام کرنا پڑتا اور بعض دفعہ کچھ زیادہ ایام صرف ہو جاتے۔ بعض مقامات پر قتال کی نوبت بھی آئی اور بعض دفعہ تیر اندازی ہی کافی رہی۔

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۳ تحت امر اردن، طبع اولی (مصر)

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۲۶ تحت مرج الصفر

[3] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۲۷ تحت فتح مدینہ دمشق وارضها۔

[4] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۳ تحت فتح مدینہ دمشق وارضها

پس انھوں نے ان علاقوں کو بڑی آسانی سے فتح کر کے حکومت اسلامی میں لے لیا اور ان پر اسلام کا جھنڈا بلند کر دیا۔

چنانچہ بلاذری رحمہ اللہ نے اس مضمون کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن الوضين: قال كان يزيد بن ابى سفيان وجه معاوية رضي الله عنه الى سواحل دمشق سوى طرابلس فانه لم يكن يطمع فيها۔ فكان يقيم على الحصن اليومين والايام اليسيرة فربما قوتل قتالا غير شديد وربما رمى ففتحها))[1]

مختصر یہ ہے کہ دمشق اور اس کے ملحقات کی فتوحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مع دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بڑی قابل قدر مساعی کیں اور شاندار کارنامے بجا لائے اور ان تمام ممالک پر عظمت اسلام کا پرچم لہرایا۔

فتح قیساریہ

مورخین نے لکھا ہے کہ قیساریہ کی مہم میں کافی وقت صرف ہوا تھا اور اس میں اکابر صحابہ کرام عمرو بن عاص، ابوعبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم نے متعدد بار چڑھائی کی۔

اسی دوران میں ۱۸ھ میں طاعون عمواس سے دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی فوت ہو گئے اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسی مہم کے دوران میں قیساریہ سے مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو فلسطین اور شام کے علاقوں میں لشکروں کا والی بنایا اور غزوہ قیساریہ کی مہم کو سر کرنے کا حکم دیا۔ اس دوران میں قیساریہ کا محاصرہ جاری تھا اور کئی ہزار فوج قیساریہ کے مقام پر پہنچی ہوئی تھی۔

بقول بعض مورخین اس مہم پر سات سال صرف ہوئے۔

۱۸ھ کے آخر میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور دمشق کی طرف چلے گئے اور قیساریہ کی مہم پر اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو مقرر کیا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کو فتح کیا اور فتح کی نوید مسرت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحریر کی۔

بقول بعض مورخین ۱۹ھ میں دمشق میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ جب آپ کی وفات کی خبر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے برادر کی جگہ جنود اسلام کا امیر اور اس علاقے کا والی مقرر فرمایا۔

اس موقع پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو متوفی فرزند یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے قائم مقام کیے جانے پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جناب نے صلہ رحمی کا خیال رکھا ہے۔

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۴ تحت فتح مدینہ دمشق وارضہا

① ((ولی عمر رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فلسطین مع ما ولاہ من اجناد الشام و کتب الیه یامرہ بغزو قیساریة وقد کانت حوصرت قبل ذالك فنهض الیها فی سبعة عشر الفا فقاتله اهلها ثم حصرهم و مرض فی اخر سنة ۱۸ ھـ فمضی الی دمشق و استخلف علی قیساریة اخاہ معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ففتحها وکتب الیه بفتحها ولما توفی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کتب عمر رضی اللہ عنہ الی معاویة رضی اللہ عنہ بتولیته ما کان یتولاہ فشکر ابوسفیان رضی اللہ عنہ ذالك له))[1]

② ((وکان یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما هذا نائب عمر رضی اللہ عنہ علی دمشق فلما مات ولی النیابة بعدہ اخوہ معاویة رضی اللہ عنہ))[2]

③ ((فلما مات یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سنة بضع عشرہ وجاء البرید الی عمر رضی اللہ عنہ بموته۔ رد عمر رضی اللہ عنہ البرید الی الشام بولایة معاویة مکان اخیه یزید۔ ثم عزی ابا سفیان رضی اللہ عنہ فی ابنه یزید۔ فقال: یا امیر المؤمنین من ولیت مکانه؟ قال: اخوہ معاویة۔ قال وصلت رحما یا امیر المؤمنین))[3]

مورخین کہتے ہیں کہ ۱۹ ھ میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کے فتح ہونے کا اعلان فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بھی اور دوسرے مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔ اس مہم پر سات سال تک محاصرہ رہا۔ آخر کار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے یہ فتح ہوئی۔

④ ((ان قیساریة فتحت قسرا فی سنة ۱۹ ھـ فلما بلغ عمر رضی اللہ عنہ فتحها نادی ان قیساریة فتحت قسرا و کبر و کبر المسلمون وکانت حوصرت سبع سنین و فتحها معاویة رضی اللہ عنہ))[4]

اور تاریخ طبری میں ہے کہ

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۷ تحت امر فلسطین، طبع اول مصر
تاریخ ابن خلدون ص ۹۴۷ ج ۲ تحت وقعہ مرج الروم وفتوح مدائن الشام بعدہا
البدایہ ص ۱۲۴ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

[2] دول الاسلام (ذہبی) ص ۵ ج ۱

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۸ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۳۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن شبہ ص ۸۴۷ جز ۳ طبع قاہرہ۔

[4] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۷-۱۴۹ تحت امر فلسطین، طبع اول مصر

((قال ابو معشر كان فتح قيسارية فى هذه السنة اعنى سنة تسع عشرة و امیرها معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما))[1]

''یعنی ۱۹ھ میں فتح قیساریہ ہوئی اور اس مہم کے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے ان کی کوشش سے یہ فتح سرانجام پائی۔''

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالہ سے اسے ''الاصابہ'' میں اس طرح تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چند ماہ کم سات سال قیساریہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ پھر ایک شخص نے مسلمانوں کو قلعہ کے خفیہ راستے کی نشاندہی کی تو اس کے ذریعے سے مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ وہ اتوار کا روز تھا اور رومی اپنے کنیسہ (معبد) میں مجتمع تھے۔ ان کو مسلمانوں کے قلعہ میں داخل ہونے کا علم ہی نہ ہو سکا کہ یکا یک مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور اس طرح رومی مغلوب ہو گئے۔

اس فتح کا مژدہ تمیم بن ورقا خثعمی نامی قاصد کے ذریعے سے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ فتح قیساریہ کی خوشخبری سن کر جناب امیر المومنین بلند مقام پر کھڑے ہو گئے اور قیساریہ کی فتح کا اعلان فرمایا۔

((هشام بن عمار حدثنا يزيد بن سمرة عن الحاكم بن عبدالرحمن بن ابى العصماء وكان ممن شهد قيسارية قال حاصرها معاوية رضی اللہ عنہ سبع سنين و مقاتلة الروم الذين يرزقون فيها مائة الف فدلهم النطاق على عورة وكان من الرهون فادخلهم من قناة يمشى فيها الجمل بالحمل وكان فى يوم الاحد وهم بالكنيسة فلم يشعروا الا بالتكبير فكان بوارهم، قال يزيد بن سمرة فبعثوا بالفتح الى عمر رضی اللہ عنہ مع تميم بن ورقاء عريف خثعم فقام عمر رضی اللہ عنہ فقال الا ان قيسارية فتحت قسرا))[2]

اور ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نے کتاب الاموال میں مسئلہ ہذا کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((حاصرها معاوية رضی اللہ عنہ سبع سنين الا اشهرا ثم فتحو ها وبعثوا بفتحها الى عمر بن الخطاب فقام عمر رضی اللہ عنہ فنادى الا ان قيسارية فتحت قسرا))[3]

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری، ص ۲۲۵ ج ۴ تحت سنہ ۱۹ھ طبع قدیم۔

[2] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۹۰ ج ا تحت (۸۶۳) تمیم بن ورقاء
تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ عکسی) ص ۲۰۷ ج ۵ تحت حکم بن عبدالرحمن الخثعمی۔

[3] کتاب الاموال (ابوعبید قاسم بن سلام) ص ۱۰۱ روایت نمبر ۲۷۹ المتوفی ۲۲۴ھ

شیعہ کی طرف سے تائید

مشہور شیعہ مورخ یعقوبی نے اپنی تصنیف ''کتاب البلدان'' میں اسی واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

((فخلف علیها (قیساریة) ابو عبیدة بن الجراح رضی اللہ عنہ معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فافتتحها سنة ثمان عشرة))[1]

''(بقول یعقوبی) اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو قیساریہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے ۱۸ھ میں فتح کیا۔''

اس مقام کے فتح ہونے کی تاریخ میں اگرچہ مورخین کے کئی اقوال پائے جاتے ہیں تاہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فاتح ہونا شیعہ سنی مصنفین دونوں نے نقل کیا ہے اور اسلامی فتوحات میں فتح قیساریہ ایک عظیم مہم تھی جس کو فتح کرنے کی سعادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی اور یہ شرف ان کے حصے میں آیا۔

تنبیہ

جب علاقہ شام میں اہل اسلام کے ہاتھوں بے شمار فتوحات ہوئیں اور مقام حمص اور قنسرین بھی فتح ہو گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کے علاقے کا والی مقرر فرمایا تو مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر نگرانی دو اور جلیل القدر صحابہ حضرت ابودرداء اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہما کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو دمشق اور اردن میں منصب قضا پر فائز کیا اور اس کے ساتھ صلوٰۃ کے نظم و نسق پر بھی والی بنایا۔ اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو حمص اور قنسرین میں عہدہ قضا پر والی بنایا اور انھیں بھی نماز کے معاملات کا نگران مقرر کیا۔

یہ حضرات صحابہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت اپنے اپنے مناصب پر فائز تھے اور اسلامی خدمات سر انجام دیتے تھے۔ ان جلیل القدر صحابہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر حکم ہونا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت شان کا پتا دیتا ہے۔

احمد بن یحییٰ بلاذری لکھتے ہیں کہ:

((عن تمیم بن عطیة قال ولی عمر رضی اللہ عنہ معاویه بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما الشام بعد یزید رضی اللہ عنہ و ولی معه رجلین من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الصلاة والقضاء فولی اباالدرداء رضی اللہ عنہ قضاء دمشق والاردن و صلاتهما وولی عبادة رضی اللہ عنہ قضاء حمص وقنسرین و صلاتهما))[2]

---

[1] کتاب البلدان (احمد بن واضح یعقوبی شیعی) ص ۸۵ تحت جند فلسطین۔

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۸ تحت امر فلسطین۔

ایک واقعہ

روایات پر نظر کرنے سے یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہ تقاضائے ضرورت علاقہ شام کی طرف ایک سے زائد سفر کیے۔ اس سلسلے میں ایک بار آنجناب شام کی طرف تشریف لے گئے تو ان ایام میں شام کے علاقہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس علاقہ پر مرکز کی طرف سے والی اور حاکم بنائے گئے تھے وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کی اطلاع ملنے پر آنجناب کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے اور امیر المومنین کی خدمت میں گزارش کی کہ جس علاقہ میں آنجناب تشریف لے جانا چاہتے ہیں وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے، اور میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ جب کسی علاقہ میں وبا واقع ہو جائے اور اس مقام پر تم مقیم نہیں ہو تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم وہاں موجود ہو اور وبا پھیل گئی ہے تو (فرار کے طور پر) اس مقام سے مت نکلو۔''

چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ فرمانِ نبوی سننے کے بعد واپسی کا ارادہ کر لیا اور وبا کے علاقہ میں تشریف نہیں لے گئے۔

چنانچہ ابو علی اہوازی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''شرح عقد الایمان'' میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

((عن ابی وائل قال خرجنا مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و هو یرید الشام و قد وقع الوباء و معاویة امیر علیها۔ فلما دنوا خرج الینا معاویة فقال: یا امیر المؤمنین انا سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اذا وقع الوباء بارض ولستم بها فلا تدخلوها۔ واذا کنتم بها فلا تخرجوا عنها۔ فرجع عمر))[1]

معلوم ہوا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے مروی ہیں ان پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ اعتماد کر کے عمل درآمد کرتے تھے۔ یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر علمی اعتماد اور دینی وثاقت کی بین دلیل ہے۔

فتح عسقلان

فاروقی دور میں فلسطین کے علاقہ میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور بہت سے علاقے اہل اسلام نے فتح کیے ان مواضعات میں عسقلان کی فتح کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ مرکز اسلام (مدینہ طیبہ) سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے والی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب ارسال کیا کہ فلسطین کے باقی علاقوں میں

---

[1] شرح عقد الایمان فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (مخطوطہ) تحت باب ما رواہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اذا وقع الوباء بارض فلا تدخلوھا (مخطوطہ فی مکتبۃ الاسد السوریا)

سے عسقلان کی طرف توجہ کریں اور اسے فتح کرنے کی سعی کی جائے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے اس حکم کی تعمیل میں عسقلان کی طرف پیش قدمی کی اور اسے فتح کر لیا۔

اور بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عسقلان کو فتح کیا تھا اور جب آپ اسے فتح کرنے کے بعد واپس ہوئے تو اہل عسقلان کی روم نے مدد کی اور انھوں نے نقض عہد کر دیا (اور باغی ہو گئے)۔ ان حالات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عسقلان کی طرف پیش قدمی کی اور اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ پھر وہاں اپنی افواج کو ٹھہرایا اور حفاظتی دستے متعین کیے۔

((قالوا وكتب عمر بن الخطاب رضي الله عنه الى معاوية رضي الله عنه يامره بتتبّع ما بقى من فلسطين ففتح عسقلان صلحا بعد كيد۔ ويقال ان عمرو بن العاص رضي الله عنه كان فتحها ثم نقض اهلها وامدهم الروم ففتحها معاوية واسكنها الرّوابط و وكل بها الحفظة))[1]

مورخین نے لکھا ہے کہ ۲۱ھ میں شام کے علاقہ میں دمشق، بثنیہ، حوران، حمص، قنسرین اور جزیرہ کے علاقہ پر حضرت عمیر بن سعید (سعد) انصاری رضی اللہ عنہ امیر تھے، اور بلقا، اردن، فلسطین، سواحل اور انطاکیہ وغیرہ پر حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما والی اور حاکم تھے۔

((قال ابن جرير وكان امير دمشق فى هذه السنة (۲۱ھ) عمير بن سعيد رضي الله عنه وهو ايضاً على حمص و حوران و قنسرين والجزيرة وكان معاويه على البلقاء الاردن، وفلسطين والسواحل وانطاكيه، وغير ذالك))[2]

ملک شام میں بے شمار فتوحات ہوئیں اور اسلامی حکومت کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا۔ ان علاقوں میں انتظامات قائم کرنے اور نظم برقرار رکھنے کی ضرورتیں پیش آئیں تو مرکز کی جانب سے ان مقامات پر مندرجہ بالا حکام کا تعین کیا گیا۔ یہ ۲۱ھ تک علاقہ ہذا کے والیوں کا ایک اجمالی خاکہ ہے جو اہل تاریخ نے درج کیا ہے اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملی خدمات دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔

اس طرح فاروقی دور خلافت میں بلاد شام میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور اس ملک کے مختلف علاقہ جات کو بڑی جدوجہد سے فتح کیا گیا۔

اس سلسلے میں بلاد روم کی طرف بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش قدمی کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

---

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۹ تحت امر فلسطین طبع مصر

۲ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۳ ج ۷ تحت ۲۱ھ

تاریخ ابن جریر طبری ص ۲۵۰ ج ۴ تحت آخر ۲۱ھ

صائفہ کے غزوات جاری رکھے حتیٰ کہ عموریہ کے مقام تک جا پہنچے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیگر صحابہ کرام جو بلاد روم کے غزوات میں شامل تھے ان میں حضرت عبادہ بن صامت، ابو ایوب انصاری، ابوذر غفاری، شداد بن اوس وغیرہم رضی اللہ عنہم زیادہ قابل ذکر ہیں۔

ان حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں ان مہمات کو سر کیا اور ان مقامات کو اسلامی حکومت کے دائرہ میں شامل کیا۔

((وقال ابن جرير وفي هذه السنة ۲۳ھ توفي قتادة بن النعمان رضي الله عنه وفيها غزا معاوية رضي الله عنه الصائفة حتى بلغ عمورية معه من الصحابة عبادة بن الصامت و ابوايوب و ابوذر و شداد بن اوس (رضي الله عنهم)۔ وفيها فتح معاوية عسقلان صلحا))[1]

بعض نصائح اور ہدایات و مکتوبات

① حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتیں مختلف اسلامی خدمات پر متعین ہو کر کام کرتی تھیں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان حضرات کو حسب موقع نصائح و ہدایات فرماتے اور خطوط بھی ارسال کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات آپ نے والی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی قیمتی نصائح تحریر فرمائے اور ان کے لیے ہدایات جاری کیں اور کئی خطوط ارسال کیے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ ایک بار فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو درج ذیل نصیحت تحریر فرمائی جو اپنی جگہ بہت پر مغز اور اعلیٰ معانی کی حامل ہے:

((حدثنا معتمر بن سليمان عن النعمان قال كتب عمر رضي الله عنه الى معاوية رضي الله عنه الزم الحق يلزمك الحق))[2]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ حق بات کو لازم پکڑیں، حق آپ کے ساتھ لازم رہے گا۔''

یعنی ہر معاملہ میں امر حق کو ملحوظ رکھیں اور حق بات سے انحراف نہ کریں تو اس کے اثرات و فوائد آپ کو حاصل رہیں گے۔

بعض دیگر مصنفین نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((عن عمر رضي الله عنه انه كتب الى معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنهما اما بعد: فالزم الحق

---

1. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۷ تحت خبر سلمہ بن قیس الاشجعی واﷲ کراد۔
2. مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲۸ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی

یبین لك الحق منازل اهل الحق۔ ولا تقض الا بالحق۔ والسلام (ابو الحسن بن زرقویة فی جزئه))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف تحریر فرمایا (حمد و صلوٰۃ کے بعد) کہ آپ حق بات پر مضبوطی سے قائم رہیں، اس سے اہل حق کے منازل و مراتب آپ پر واضح ہوں گے اور دواماً حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیجیے۔''

② ایک دوسرے مقام پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک نصیحت تحریر کی گئی۔ اسے علماء نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اس نصیحت میں آپ نے معاشرہ کے بعض آداب ذکر کیے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے معاویہ! ملاقات کرنے والوں سے تم پردے میں ہو کر مت بیٹھو اور کمزور اور ضعیف آدمی کے لیے تم کو قریب ہونا چاہیے اور اس کو اپنے قریب کرنا چاہیے حتیٰ کہ اس کی زبان کھل کر اپنے معروضات پیش کر سکے اور اس کا دل جری ہو۔ اور جو غریب الدیار اور مسافر ہو اس کی خاص نگہداشت کیجیے۔ کیونکہ جب اس کا رکے رہنا زیادہ ہوگا اور انتظار طویل ہو جائے گا تو وہ تنگی محسوس کرے گا۔ اور اس کی دل شکستگی ہوگی اور وہ حق کو چھوڑ بیٹھے گا (اور اپنے حق سے محروم رہے گا)

((وکتب (عمر رضی اللہ عنہ) الی معاویة رضی اللہ عنہ ایاك والاحتجاب دون الناس وادن للضعیف وادنه حتی ینبسط لسانه ویجتری قلبه وتعهد الغریب فانه اذا طال حبسه ضاق اذنه وضعف قلبه وترك حقه))[2]

③ نیز قدیم مورخین نے تحریر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عام رعایا کی اصلاح کی طرف توجہ دلانے کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال فرمایا کہ

((عن ابیه عن جده عطاء بن مسلم قال کتب عمر رضی اللہ عنہ الی معاویة رضی اللہ عنہ اما بعد فانك لم تؤدب رعیتك بمثل ان تبداهم بالغلظة والشدة علی اهل الریبة بعدوا اوقربوا۔ فان اللین بعد الشدة امنع للرعیة واحشد لها۔ وان الصفح بعد العقوبة ارغب لاهل الحزم))[3]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اہل شک وتہمت والے لوگوں پر ابتدا میں تمھیں شدید گرفت رکھنی چاہیے خواہ وہ قریب ہوں یا بعید

[1] کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۲۰۸ ج ۸ تحت روایت ۳۵۰۶ کتاب المواعظ والرقائق الخ

[2] ازالۃ الخفا (شاہ ولی اللہ) ص ۱۸۲-۱۹۱-۱۹۲، مقصد دوم تحت الفصل السادس طبع قدیم بریلی۔

[3] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۷۷۵ ج ۲ تحت تقدیر غیبۃ المجاہد بعیداً عن اہلہ، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ

ہوں کیونکہ فطری طور پر سختی کے بعد نرمی اختیار کرنا رعیت کو نافرمانی سے روکنے اور اطاعت و فرمانبرداری پر مجتمع کرنے والا ہوتا ہے۔ اس طرح سزا دینے کے بعد ان سے درگزر کرنا ہوش مند لوگوں کے لیے زیادہ باعث ترغیب ہوتا ہے۔ تم نے رعیت کو ادب سکھانے اور مہذب بنانے کا یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔"

④ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۱۷ھ یا بقول بعض مورخین ۱۸ھ میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ کے علاقہ میں قحط سالی واقع ہوئی۔ اس کو عام الرمادہ کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقامی لوگوں کی امداد کے لیے اپنے دیگر علاقوں کے عمال کی طرف مکتوب ارسال فرمائے۔ چنانچہ کوفہ میں سعد بن ابی وقاص، بصرہ میں ابوموسیٰ اشعری، مصر میں عمرو بن عاص، اور شام میں امیر معاویہ (رضی اللہ عنہم) کی طرف تعاون کے لیے تحریر فرمایا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام عمال نے اپنے اپنے علاقوں سے خوراک کی ضرورت کی اشیاء آٹا، گھی، چربی، زیتون وغیرہ اپنے وسائل کے ذریعے سے مرکز اسلام مدینہ طیبہ ارسال کیں۔

مشہور مورخ ابن شبہ رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں اسی چیز کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((قال: فكتب اليه ابو موسىٰ رضی اللہ عنہ اما بعد فانی قد وجهت اليك عيرا تحمل الدقيق والزيت والسمن والشحم والمال۔ وكتب اليه سعد و معاوية رضی اللہ عنہما بمثل ذالك۔ وكتب اليه عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قد وجهت السفين ترى بعضها فى اثر بعض))[1]

⑤ اسی طرح مورخین نے اس مقام پر حضرت عمر فاروق اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی ملاقات کا ایک اور واقعہ لکھا ہے۔

چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ علاقہ شام میں تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان کے ہمراہ سواروں کی ایک کثیر جماعت تھی اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ آ کر آپ سے ملے۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فطری طور پر سادگی پسند تھے) تو اس حالت کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ جماعت تمھاری نگرانی میں ہے؟ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جی ہاں یا امیر المومنین! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس طرح بڑی شان وشوکت سے رہتے ہو؟ دیگر بات یہ ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حاجت مند لوگ تمھارے دروازے پر دیر تک انتظار میں کھڑے رہتے ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ بات درست ہے، تو حضرت

[1] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۷۴۳ ج ۲ مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ تحت امر الرمادہ وما فعل عمر رضی اللہ عنہ فی ذالک العام۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ (تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں تمھیں اس بات کا حکم دوں کہ تم یہاں سے پاپیادہ چل کر حجاز تک جاؤ۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! ہم ایسے علاقہ میں مقیم ہیں جہاں مسلمانوں کے دشمن کثیر تعداد میں رہتے ہیں اور ان سے ہمیں سابقہ رہتا ہے اور جاسوسی کرتے ہیں۔ ان حالات میں مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے متنبہ رہنا ضروری ہے اور ان کی نظر میں رعب اور ہیبت قائم رکھنے اور اہل اسلام اور مسلمانوں کے لیے شان وشوکت سے رہنے کی ضرورت ہے۔ اب جو آنجناب ارشاد فرمائیں وہی کیا جائے گا اور جس چیز سے آپ منع فرمائیں گے اس سے اجتناب کیا جائے گا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (ایسی صورت میں) نہ میں تمھیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تعرض نہیں فرمایا۔

اس موقع پر حاضرین میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ کی گرفت سے کس خیر و خوبی سے معاویہ نے اپنے آپ کو بچالیا ہے؟ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اسی وجہ سے ہم نے اس کے کندھوں پر بارگراں ڈال رکھا ہے (اور اہم ذمہ داریاں اس کے سپرد کر رکھی ہیں)

((لما قدم عمر بن خطاب الشام تلقاه معاوية في موكب عظيم، فلما دنا من عمر رضي الله عنه قال له: انت صاحب الموكب؟ قال نعم يا امير المؤمنين قال: هذا حالك مع ما بلغني من طول وقوف ذوي الحاجات ببابك؟ قال هو ما بلغك من ذالك قال ولم تفعل هذا؟ لقد هممت ان آمرك بالمشي حافيا الى بلاد الحجاز، قال: يا امير المؤمنين انا بارض جواسيس العدو فيها كثيرة، فيجب ان نظهر من عز السلطان ما يكون فيه غزل الاسلام واهله ويرهبهم به۔ فان امرتني فعلت، وان نهيتني انتهيت فقال له عمر رضي الله عنه: لا آمرك ولا انهاك۔ فقال رجل: يا امير المومنين ما احسن ما صدر الفتى عما اوردته فيه؟ فقال عمر رضي الله عنه لحسن موارده و مصادره جشمناه ما جشمناه))[1]

تحفظ حدیث کا اہتمام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے اور روایت کرنے میں ایک خاص نظم

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۴، ۱۲۵ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
ازالۃ الخفا (شاہ ولی اللہ) ص ۱۸۳ مقصد دوم طبع اول بریلی۔

قائم کر رکھا تھا اس کے تحت خاص خاص اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس منصب پر متعین کر کے اطراف و اکناف میں اس امر کے لیے روانہ فرمایا کرتے تھے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہی حضرات بیان کریں اور لوگ ان کی راہنمائی میں روایت حاصل کریں۔

چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ کیا اور معقل بن یسار اور عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کو بصرہ کے علاقہ کی طرف بھیجا۔ عبادہ بن صامت اور ابو دردا رضی اللہ عنہما کو ملک شام کی طرف روانہ فرمایا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو امیر شام تھے ان کو خاص ہدایت تحریر کی گئی اور اس چیز کا پابند کیا گیا کہ ان حضرات کے بغیر دیگر لوگوں سے حدیث حاصل نہ کریں اور ان کے سوا کوئی دیگر شخص وہاں حدیث روایت نہ کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں کہ:

''سوم آنکہ علماء صحابہ را در آفاق فرستند و ایشاں را امر نمایند بر روایت حدیث و مرد مانرا حمل کنند براخذ از ایشاں چنانکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ را با جمع بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین رضی اللہ عنہم رابصرہ و عبادہ بن صامت و ابو دردا رضی اللہ عنہما رابشام و بمعاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نہ کنند۔''[1]

اس دور میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے ''حفاظت حدیث'' کی یہ ایک تدبیر تھی جو اختیار کی گئی۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہاں مرکز کی طرف سے دیگر ہدایات دی جاتی تھیں ان میں سے ایک یہ ہدایت بھی تحریر کی گئی تھی کہ حدیث نبوی کے بیان کرنے اور روایت کرنے کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ ہر کہ ومہ اس معاملہ میں دخیل ہو کر حدیث نبوی کے اصل مضامین میں کوئی کمی بیشی نہ کر دے اور روایت کے مضمون کو تحفظ حاصل رہے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مرکز کی طرف سے اس ہدایت کا خاص خیال رکھتے تھے۔

قدر شناسی اور قدر دانی کے کلمات

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے حکام اور ولات پر سخت گیری اور شدید گرفت فرمایا کرتے تھے جس کے واقعات ناظرین کرام کے سامنے واضح ہیں۔ اور بسا اوقات معمولی چیزوں پر بھی آپ کا احتساب فرمانا منقول ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ولات اور عمال کی عمدہ کارکردگی پر ان کی قدر دانی قدر شناسی اور عزت افزائی بھی فرماتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیرکی اور دانشمندی کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قدر

[1] ازالۃ الخفا از شاہ ولی اللہ ص ۶ جز دوم فارسی تحت امر کردن صحابہ را بر روایت حدیث طبع قدیم بریلی۔

دانائی کے کلمات تاریخ میں پائے جاتے ہیں جن میں ان کی طبعی فراست و کمال ہوشمندی کو بہت عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا ہے۔ اس چیز کو مورخین نے اپنی اپنی عبارات میں ذکر کیا ہے۔

① ((قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تذکرون کسریٰ و قیصر ودهاءهما وعندکم معاویة رضی اللہ عنہ))[1]

② ((قال تعجبون من دهاء هرقل و کسریٰ وتدعون معاویة رضی اللہ عنہ))[2]

③ ((کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اذا رئی معاویة رضی اللہ عنہ قال هذا کسری العرب وهکذا حکی المدائنی عن عمر رضی اللہ عنہ انه قال ذالك))[3]

ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ:

① سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ قیصر و کسریٰ کی دانائی اور زیرکی کا ذکر کرتے ہو حالانکہ تمہارے ہاں معاویہ جیسے دانشمند اور زیرک آدمی موجود ہیں۔

② یعنی تم ہرقل اور کسریٰ کی ہوشیاری اور ہوشمندی سے تعجب کرتے ہو اور معاویہ کو چھوڑ بیٹھتے ہو۔

③ بعض دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر نظر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ دانائی و زیرکی میں معاویہ تو عرب کے کسریٰ ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ان کلمات کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دانشمندی اور فکری صلاحیتوں کا اعتراف پایا جاتا ہے اور ان کی فہم و فراست کی حد درجہ قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی گئی ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے مدبر و مفکر اور معاملہ فہم کی نظروں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کتنا بلند مقام تھا اور ان کے نزدیک آپ کتنے عظیم درجہ کے حامل تھے۔

تنبیہ

بعض لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے کسریٰ کا لفظ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنی فکر کے مطابق طعن پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے اور اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو مخالف لینا چاہتا ہے بلکہ اس کا معنی اور محمل وہ ہے جو اوپر بیان کر دیا ہے ع ''فکر ہر کس بقدر ہمت اوست''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور والدین کے متعلق ہدایت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب سے ملک شام کے والی و حاکم تھے

[1] الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۶۲ ج ۳ تحت ذکر بعض سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۰ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[3] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۵، ج ۸، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بحوالہ ابن ابی الدنیا۔

وہاں سے وقتی تقاضوں کے تحت ان کی ملاقات کے لیے بعض دفعہ حاضر خدمت ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں صرف چند مواقع ملاقات ذکر کیے جاتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دور میں حج کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ کب پہنچے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ابھی پہنچا ہوں اور ابتداءً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو سب سے پہلے اپنے والدین کے پاس جانا چاہیے اور خصوصاً اپنی والدہ ہند (رضی اللہ عنہا) کے پاس حاضر ہوں۔

چنانچہ اس ہدایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ ہند رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ گفتگو کی۔ ان کی والدہ ہند رضی اللہ عنہا نے بطور نصیحت کہا کہ امیر المومنین کے ذریعے سے تم کو ترقی ملی ہے، اس لیے ہمیشہ جو چیز ان کو پسند ہو اس کا خیال رکھو اور جو چیز انھیں ناپسند ہو اس سے اجتناب کرو۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور حسب حال ان سے گفتگو فرمائی۔

((وقد حج عمر رضی اللہ عنہ فدخل علیه معاویة رضی اللہ عنہ فقال له عمر رضی اللہ عنہ متی قدمت قال الان وبدات بك قال: فائت ابو يك وابدأ بهند رضی اللہ عنہا فانصرف معاوية رضی اللہ عنہ فبدأ بهند رضی اللہ عنہا فقالت له: يا بني انه والله۔ وقد استنهضكم هذا الرجل فاعلموا بما يوافقه و اجتنبوا ما يكرهه...... الخ))[1]

ایک دیگر ملاقات

مشہور مورخ ابن شبہ نے ''تاریخ مدینہ منورہ'' میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نو عمر تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک بار فرمایا کہ آپ ملاقات کے لیے نہیں آتے؟ تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک روز آپ کے ہاں ملاقات کے لیے آیا تھا لیکن امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ آپ خلوت میں گفتگو میں مصروف تھے اور آپ کے فرزند عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوئی وہ واپس آ گئے تو میں بھی ان کو دیکھ کر واپس آ گیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ میرے فرزند ابن عمر سے اجازت میں زیادہ حقدار ہیں۔

((قال (حسين بن علي رضی اللہ عنہما) فاتيته يوما وهو خال بمعاويه رضی اللہ عنہ وابن عمر رضی اللہ عنہما بالباب لم يدخل فرجع ابن عمر رضی اللہ عنہما فلما رايته يرجع رجعت۔

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جز رابع، قسم اول، طبع یروشلم

فلقيني عمر رضی اللہ عنہ بعد ذالك فقال اى بنى لم ارك اتيتنا۔ قلت قد جئت وانت خال بمعاوية فرأيت ابن عمر يرجع فرجعت قال انت احق بالاذن من ابن عمر ...... الخ))[1]

اس واقعہ میں حضرت سیدنا حسین بن علی المرتضی رضی اللہ عنہما کی توقیر وعزت افزائی کے علاوہ یہ چیز بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلوت میں ملاقات کے مواقع میسر آتے تھے اور ان کے ساتھ اہم امور میں باہم مشورے کیے جاتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نظروں میں قابل اعتماد شخصیت تھے نیز اہل مشورہ لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

تنبیہ

یہ واقعہ قبل ازیں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ حصہ فاروقی ص ۲۶۱ باب سوم فصل سوم میں بھی گزر چکا ہے لیکن وہاں واقعہ مختصراً بیان کیا گیا تھا۔ اس مقام پر ذرا تفصیل پائی گئی ہے اور ایک قدیم ماخذ ابن شبہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے سالانہ وظیفہ

تراجم کی کتابوں سے مسئلہ ہذا تلاش کرنے سے اگرچہ متعدد روایات ملتی ہیں لیکن ایک روایت ابن عبدالبر (صاحب الاستیعاب) نے اس طرح ذکر کی ہے کہ:

((ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رزق معاوية رضی اللہ عنہ على عمله الشام عشرة الاف دينار كل سنة))[2]

"یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دس ہزار دینار سالانہ بطور وظیفہ کے مقرر فرمائے جب آپ علاقہ شام پر والی مقرر کیے گئے۔"

اور بقول ذہبی رحمہ اللہ اسی (۸۰) دینار ماہوار مشاہرہ مقرر کیا۔

((ان عمر افرد معاوية بالشام ورزقه فى كل شهر ثمانين دينار))[3]

اس مسئلہ میں دیگر روایات بھی موجود ہیں لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف دو عدد روایات بالا ذکر کر دی ہیں۔

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد کے حکام اور والیوں کے مشاہرے عموماً

---

[1] تاریخ مدینہ منورہ (ابوزید عمر بن شبہ نمیری بصری) ص ۷۹۹ ج ۳ المتوفی ۲۶۲ھ تحت جس عمر رضی اللہ عنہ الحطیہ فی ہجاء الزبرقان بن بدر، طبع قاہرہ (مکتبہ ابن تیمیہ)

[2] الاستیعاب مع الاصابہ ص ۳۸۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[3] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۹ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

قلیل مقدار میں ہوتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سالانہ وظیفہ ایک کثیر رقم مقرر کیا گیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قریباً چار برس تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام رہے لیکن ان کو کبھی تبدیل نہیں کیا گیا اور نہ ان کو معزول کیا بلکہ مزید علاقہ جات ان کی تحویل میں دیتے رہے اور اختیارات میں توسیع کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مشاہرہ یا سالانہ وظیفہ دیگر حکام سے زیادہ دیا۔ یہ چیز جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ صلاحیتوں کی دلیل اور ان کی حسن کارکردگی کی تصدیق و تائید ہے وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے نقاد خلیفہ کے ہاں ان کے مقبول و معتمد ہونے کا بین ثبوت ہے اور ملّی خدمات کو صحیح طور پر بجا لانے کی شہادت ہے۔

اختتام عہد فاروقی اور ابتدا عہد عثمانی

۲۳ھ کے آخر میں ۲۷ ذی الحجہ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ آپ کی شہادت کا باعث ایرانی مجوسیوں کی سازش تھی۔ ابولولو فیروز نامی ایرانی نژاد مجوسی اصل قاتل تھا اور اس کے ساتھ ہرمزان اور جفینہ وغیرہ اس کام میں اس کے معاون تھے اور یہ لوگ ایک خاص منصوبہ کے تحت مرکز اسلام کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ چنانچہ ان اعدائے اسلام کے ہاتھوں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو شہادت پائی اور اللہ کریم کی جناب میں حاضر ہو گئے اس واقعہ ہائلہ کی تفصیلات اپنی جگہ پر مذکور ہیں ہم ان کی طرف اس وقت نہیں جا سکتے۔

تحصین سواحل (سواحل کی مضبوطی)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ملک شام کے بیشتر علاقے فتح ہو چکے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان تمام مقامات پر حاکم تھے۔ یہ مفتوحہ علاقہ جات انھی کے زیر انتظام تھے اور ان میں پوری طرح نظم قائم تھا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے اور انھوں نے زمام خلافت سنبھالی تو جہاں انھوں نے دیگر مفتوحہ ممالک اسلامیہ کی طرف فرامین جاری کیے وہاں انھوں نے ملک شام کے لیے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع فرمایا اور جن انتظامات کی مزید ضرورت محسوس کی ان کی جانب انھیں توجہ دلائی حالات معلوم کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب ارسال فرمایا اس مکتوب میں سواحل بحر کی مضبوطی اور حفاظتی دستوں کے تعین کا حکم دیا اور جو لوگ ان مقامات میں اقامت پذیر ہوں ان کے لیے وظائف اور جاگیریں مقرر کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے کہ:

((فلما استخلف عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ كتب الى معاوية يامره بتحصين السواحل وشحنتها واقطاع من ينزله اياها القطائع ففعل))[1]

---

1. فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۴ تحت فتح مدینہ دمشق وارضہا۔

اس مقام پر ایک دوسری روایت مورخین نے اس طرح ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس علاقے کے سواحل بحر کے حالات تحریر کیے اور اس بات کی اجازت طلب کی کہ بحری غزوات شروع کیے جائیں۔ اس کے جواب میں جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف درج ذیل فرامین ارسال کیے کہ

ان سواحل بحر کے قلعوں کی مرمت کی جائے اور وہاں دفاعی قتال کرنے والوں کو تیار رکھا جائے، قلعوں پر نگران دستے مقرر کیے جائیں اور وہاں روشنی کا بھی انتظام کیا جائے۔

لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وقتی تقاضوں کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحری غزوات کی اجازت نہیں دی اور ان کے اس تقاضے کو اس وقت ملتوی رکھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بحری غزوات کے اجرا کے سلسلے میں اس لیے متقاضی تھے کہ ان کے خیال میں اس سے اسلام کی تبلیغ و ترویج میں ترقی ہوگی اور یہ دین اسلام کے غلبہ و تفوق کا باعث ہوگا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری غزوات شروع کرنے کی تجویز جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی تو انھوں نے اپنی ابتدائے خلافت میں ہی بحری غزوات شروع کرنے کی اجازت دے دی اور فرمان جاری کیا کہ سواحل بحر پر جہاد لڑنے کی پوری تیاری کریں۔ سابقہ جیوش کے علاوہ مزید لوگوں کو اس مہم کے لیے آمادہ کریں اور ان لشکریوں کے لیے مستقل جاگیریں متعین کر دیں۔ مجاہدین کو اقامت گاہیں عطا کریں اور علاقوں میں مسجدیں تعمیر کریں اور جو مسجد ان کی خلافت سے پہلے تعمیر ہو چکی ہیں ان کو مزید وسیع کریں۔

اسی مسئلہ کو بلاذری نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن سعید بن عبدالعزیز قال ادرکت الناس و هم یتحدثون ان معاویة رضی اللہ عنہ کتب الی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعد موت اخیه یزید یصف له حال السواحل فکتب الیه فی مرمة حصونها و ترتیب المقاتلة فیها واقامة الحرس علی مناظرها واتخاذ المواقید لها ولم یاذن له فی غزو البحر وان معاویة رضی اللہ عنہ لم یزل بعثمان رضی اللہ عنہ حتی اذن له فی الغزوة بحرا و امره ان یعد فی السواحل اذا غزا و اغزا جیوشا سوی من فیها من الرتب وان یقطع الرتب ارضین ویعطیهم ماجلا عنه اهله من المنازل ویبنی المساجد ویکبر ما کان ابتنی منها قبل خلافته))[1]

[1] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۴-۱۳۵ تحت فتح مدینہ دمشق وارضہا۔

فتح بلاد روم میں مرکز کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاونت

ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ ۲۴ھ میں اہل روم نے ایک عظیم لشکر تیار کیا جس سے اہل شام خائف ہو گئے اور انھوں نے مرکز اسلام میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس امر کی اطلاع بھیجی اور امداد اور تعاون کی درخواست کی۔

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے حاکم ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو تحریری حکم ارسال فرمایا کہ یہ مکتوب پہنچنے پر آپ ملک شام میں مسلمان بھائیوں کی امداد کے لیے ایک امانت دار اور بہادر شخص کی ماتحتی میں آٹھ یا نو ہزار مجاہدین بھیج دیں۔

چنانچہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ والی کوفہ نے مرکز کی طرف سے مکتوب ملنے پر لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور ان کو امیر المومنین کے فرمان کی اطلاع دی اور مسلمانوں کو جہاد کی اس مہم میں شرکت پر آمادہ کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاونت اور اہل شام سے تعاون کی ترغیب دلائی اور تین دن کے اندر قریباً آٹھ ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کر کے سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ملک شام روانہ کیا۔ وہاں لشکر اسلام کے امیر حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ تھے۔ جب یہ دونوں لشکر مجتمع ہوئے تو انھوں نے اجتماعی طور پر بلاد روم پر حملہ کیا اور فتح حاصل کر کے بے شمار لوگوں کو قیدی بنا لیا، بہت سے غنائم حاصل کیے اور متعدد قلعوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

((فقام الوليد بن عقبة رضی اللہ عنہ فی الناس خطيبا حين وصل اليه كتاب عثمان رضی اللہ عنہ فاخبرهم بما امره به امير المؤمنين (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) و ندب الناس و حثهم على الجهاد و معاونة معاوية رضی اللہ عنہ و اهل الشام۔ وامر سلمان بن ربيعة على الناس الذين يخرجون الى الشام فانتدب فى ثلاثه ايام ثمانية آلاف فبعثهم الى الشام و على جند المسلمين حبيب بن مسلمة الفهرى رضی اللہ عنہ۔ فلما اجتمع الجيشان شنوا الغارات على بلاد الروم۔ فغنموا وسبوا شياء كثيرا و فتح حصونا كثيرة ولله الحمد))[1]

گرمیوں کے غزوات (صائفہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی ابتدا میں (دو سال کے بعد) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلاد روم کی فتوحات کا ایک دوسرا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اس طرح کہ اس ملک کے جن علاقوں میں سخت سردی ہوتی تھی

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ج ۷ ص ۱۵۰ بحوالہ طبری تحت سنہ ۲۴ھ
تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۰۰ ج ۲ تحت ولایۃ الولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ الکوفہ صلح آرمینیہ و آذربیجان
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۰۵-۲۰۶ تحت فتوح آرمینیہ۔

ان کی طرف موسم گرما میں مجاہدین کو روانہ کیا جاتا تھا ان غزوات کو صائفہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں سردیوں میں جہاد موقوف کر دیا جاتا اور آئندہ موسم گرما میں پھر مجاہدین کو ان علاقوں میں جہاد پر روانہ کر دیا جاتا۔ ایک مدت تک جہاد کا یہی سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں بہت سے قلعے فتح کیے گئے اور بے شمار غنائم حاصل ہوئے اور کئی لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ اس طرح دشمنان اسلام پر ایک گونہ رعب قائم ہو گیا۔

اور بقول بعض اہل تاریخ ان ایام میں مجاہدین بلاد روم میں عموریہ تک جا پہنچے اور اس سے آگے انطاکیہ اور طرسوس کے مقامات میں انھوں نے قلعوں کو خالی پایا، وہاں انھوں نے اپنے عساکر اور جیوش جمع کر دیے۔

((ان الشام كان قد جمعها لمعاوية بن ابى سفيان رضي الله عنه لسنتين مضتا من خلافة عثمان بن عفان رضي الله عنه وقد احزره غاية الحفظ وحمى حوزته۔ و مع هذا له فى كل سنة غزوة فى بلاد الروم فى زمن الصيف و لهذا يسمون هذا الغزوة الصائفة۔ فيقتلون خلقا و ياسرون اخرين، ويفتحون حصونا و يغنمون اموالا و يرعبون الاعداء))[1]

((ثم غزا معاوية الروم و بلغ عمورية ووجد ما بين انطاكية و طرسوس من الحصون خاليا فجمع فيها العساكر حتى رجع و خربها))[2]

جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں موسم گرما میں بلاد روم کی جانب غزوات کا سلسلہ جاری تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی نگرانی کرتے تھے اور ان کی ماتحتی میں یہ مہم شروع رہتی تھی اسی چیز کو قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط نے (جو طبری سے قدیم لوگوں میں شمار ہوتے ہیں) اپنی تاریخ میں یہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((الصائفة: كتب عثمان الى معاوية ان يغزى بلاد الروم فوجه يزيد ابن الحر العبسى ثم عبدالرحمن بن خالد بن الوليد على الصائفتين جميعا ثم عزله و ولى سفيان بن عوف الغامدى فكان سفيان يخرج من البر و يستخلف على البحر جنادة بن ابى امية فلم يزل كذالك حتى مات سفيان فولى معاويه عبدالرحمن بن خالد بن وليد ثم ولى عبيد الله بن رباح و شتى فى ارض الروم))[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۷ ج ۷ تحت سنہ ۳۱ھ (ابتدا)

[2] تاریخ ابن خلدون، ص ۱۰۰۱-۱۰۰۲ ج ۲ تحت ولایۃ الولید بن عقبہ الکوفہ الخ

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۹ ج ۱ تحت آخر سنہ ۳۵ھ طبع عراق۔

''یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال کیا کہ بلاد روم کی طرف غزوات کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ چنانچہ اس فرمان کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن حر عبسی اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو اس اہم کام کے لیے متوجہ کیا اور گرمیوں میں جہاد کرنے والے مجاہدین پر انھیں امیر تجویز کیا۔ (اس طرح ایک مدت تک یہ کام جاری رہا) اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن حر عبسی کو معزول کر کے ان کے قائم مقام سفیان بن عوف غامدی رحمہ اللہ کو والی بنایا۔

سفیان بن عوف غامدی رحمہ اللہ اپنی آمد ورفت کی صورت میں جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو بحر میں اپنا نائب مقرر کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا حتیٰ کہ سفیان بن عوف رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو والی بنایا پھر ان کے بعد عبیداللہ بن رباح کو والی بنانے کی بھی ضرورت پیش آئی اور ان کو والی بنایا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس علاقہ کے حالات کے تقاضوں کے موافق ان اشخاص کو بلاد روم میں پھیلائے ہوئے اور اس طریقہ سے ملک کا نظم ونسق قائم کیے ہوئے تھے۔

ملک روم کی فتوحات کے سلسلے میں یہ چند ایک چیزیں اختصاراً ذکر کی گئی ہیں لیکن فی الواقع ان کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں۔ یہ سب مراحل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوششوں کے نتائج میں حل ہوئے اور ان کا آں موصوف کے اعلیٰ کارناموں میں شمار ہوتا ہے۔

فتح قبرص

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں جو غزوات ہوئے ان میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے، غزوات کا یہ سلسلہ نہایت وسیع تھا اور ان کی بڑی تفصیلات ہیں۔ تاہم ان میں سے بعض مہمات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

۲۵ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کئی قلعوں کو فتح کیا۔ اور مورخین لکھتے ہیں کہ ۲۷ھ میں آپ نے قنسرین کو بھی فتح کر لیا۔ اور بعض مورخین کا قول ہے کہ ۲۷ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص کی طرف پیش قدمی کی اور اسے فتح کر لیا۔

((وفیها ۲۵ھ۔ فتح معاویة الحصون))[1]

((وفیها ۲۷ھ۔ غزا معاویة قنسرین))[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۷ تحت سنہ ۲۵ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۲ ج ۷ تحت سنہ ۲۷ھ

((فی هذه السنة ۲۷هـ غزا معاویه قبرص))

فتح قبرص کے متعلق اہل تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض مورخین نے اس غزوہ کا وقوع ۲۷ھ اور بعض نے ۲۸ھ لکھا ہے اس کے ماسوا بھی اقوال پائے جاتے ہیں۔ اس غزوہ کی تفصیلات اپنی جگہ پر بہت کچھ دستیاب ہیں لیکن ہم اختصار کے پیش نظر اس میں سے صرف چند ایک چیزیں اس مقام پر ذکر کرتے ہیں۔

محل وقوع

معلوم ہونا چاہیے کہ قبرص بلاد شام کے مغرب میں ایک الگ مستطیل شکل کا معروف جزیرہ ہے جو ساحل دمشق کے قریب ہے۔ اس جزیرہ میں بے شمار ثمرات پائے جاتے ہیں اور اس میں معادن (کانیں) بھی ہیں اور یہ بہت عمدہ اور زرخیز علاقہ ہے۔

((وھی جزیرة غربی بلاد الشام فی البحر مخلصة وحدها ولها ذنب مستطیل الی نحو الساحل مما یلی دمشق و غربیها اعرضها و فیها فواکه کثیرة و معادن وھی بلدة جید))[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بحری غزوات کی بڑی کوشش سے اجازت حاصل کی تھی جیسا کہ قبل ازیں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ جزیرہ قبرص کی طرف بھی اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے عظیم لشکر کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اور ساتھ ہی دوسری جانب سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ ایک لشکر کثیر لے کر ان کی امداد کے لیے آ پہنچے۔ ان حضرات کی کمان میں دونوں افواج اس مقام پر مجتمع ہو گئیں۔

اہل قبرص کے ساتھ اہل اسلام کی عظیم جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور انھوں نے مخالفین کے بے شمار لوگوں کو تہ تیغ کیا اور لاتعداد لوگوں کو قید کر لیا۔ مسلمانوں کو اس سے کثیر اموال بطور غنیمت حاصل ہوئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ فتح عظیم عنایت فرمائی۔ آخر کار اہل قبرص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سات ہزار دینار سالانہ جزیہ ادا کرنے کی شرط قبول کرتے ہوئے صلح کر لی۔

((فلما کان عثمان رضی اللہ عنہ الح معاویة رضی اللہ عنہ علیه فی ذالك فاذن له فرکب فی المراکب فانتهی الیها و وافاه عبدالله بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ الیها من الجانب الاخر۔ فالتقیا علی اهلها فقتلوا خلقا کثیرا و سبوا سبایا کثیرة

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳، ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ

وغنموا مالا جزيلا جيدا))[1]

((ثم صالحهم (اهل قبرص) معاوية رضي الله عنه على سبعة الاف دينار في كل سنة وهادنهم))[2]

واقعہ شہادت ام حرام رضی اللہ عنہا اور نمازیوں کے لیے جنت کا مژدہ

اکابر علماء نے لکھا ہے کہ معرکہ قبرص میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بذات خود شرکت فرمائی آپ کی اہلیہ فاختہ بنت قرظہ من بنی عبد مناف اس معرکہ میں آپ کے ساتھ تھیں۔ علاوہ ازیں اکابر صحابہ کرام مثلاً ابوذر غفاری، ابودرداء، شداد بن اوس اور عبادہ بن صامت وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی اس غزوہ میں آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ تھیں جن کے متعلق حدیث صحیح میں ایک پیش گوئی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود ہے۔ آپ نے خواب سے بیدار ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس نے اپنے اوپر جنت کو واجب کر لیا۔ اس ارشاد کے سننے پر حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں ان میں شامل ہوں گی؟ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان میں داخل ہو۔

((قال ابن الاثير وكانت (ام حرام رضي الله عنها) تلك الغزوة غزوة قبرص۔ فدفنت فيها وكان امير ذالك الجيش معاوية بن ابي سفيان في خلافة عثمان رضي الله عنه و معه ابو ذر، ابودرداء، وغيرهما من الصحابة رضي الله عنهم وذالك في سنة سبع و عشرين قال ابو عمر كان معاوية غزا تلك الغزوه بنفسه و معه امراته فاخته بنت قرظة من بني نوفل بن عبد مناف))[3]

اور بخاری شریف میں ہے کہ

((قال عمير فحدثنا ام حرام انها سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "اول جيش من امتي يغزون البحر قد اوجبوا۔ قالت ام حرام: قلت يا رسول الاله! انا فيهم؟

1، 2 البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳ ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱ تحت امر قبرص

3 الاصابہ، ابن اثیر جزری ص ۴۴۳ ج ۴ تحت (۱۲۱۵) ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۵-۱۳۶ جلد اتحت سنہ ۲۸ھ طبع اول عراق

قال انت فیھم))[1]

یہ پیش گوئی بخاری شریف کے متعدد مقامات پر مذکور ہے اور مسلم شریف میں بھی ام حرام رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ مفصل ذکر کیا گیا ہے ان مقامات کے بعض حوالہ جات حاشیہ میں دیے گئے ہیں۔ واقعہ کی تمام عبارات کو نقل کرنا موجب طوالت تھا اس لیے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے دو حصے ہیں:

ایک ام حرام رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھیوں کے متعلق ہے کہ اس غزوہ میں شامل لوگوں کو جنت نصیب ہو گی یہ واقعہ ۲۷ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اہل اسلام کی افواج کو پیش آیا۔

اور اس پیش گوئی کا دوسرا حصہ مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) کے غزوہ کے متعلق ہے جو ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں پیش آیا۔ اس کی مزید تشریح و تفصیل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے عہد خلافت کے حالات کے تحت ان شاء اللہ ذکر کی جائے گی۔ مدینہ قیصر والے مجاہدین کے حق میں بھی مغفرت کا ارشاد نبوی موجود ہے۔

((وکان فتحھا علی یدی معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما راکب الیھا فی جیش کثیف من المسلمین ومعہ عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ وزوجتہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا التی تقدم حدیثھا فی ذالک حین نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتھا ثم استیقظ یضحک...... الخ))[2]

جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوہ قبرص سے فارغ ہو کر واپسی کا سفر اختیار کرنے لگے تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا ایک بغلہ (خچر) پر سوار ہوئیں مگر اس سے گر پڑیں اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

علماء نے ذکر کیا ہے کہ جزیرہ قبرص میں ان کی قبر مبارک ہے وہاں کے لوگ ان کا بہت احترام کرتے ہیں اور بعض اوقات بارش طلب کرنے کے لیے ان سے توسل کرتے ہیں وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک صالحہ خاتون کی قبر ہے۔

اس واقعہ سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی کیونکہ ام حرام رضی اللہ عنہا پہلے بحری غزوہ میں شریک ہوئیں اور وہیں انتقال کر کے جنت میں خیمہ زن ہوئیں۔

---

[1] بخاری شریف ص ۴۱۰ ج ۱ کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم
بخاری شریف ص ۳۹۱ ج ۱، ص ۴۰۳ ج ۱، ص ۹۲۹ ج ۲ طبع نور محمدی دہلی۔
مسلم شریف ص ۱۴۱-۱۴۲ ج ۲ کتاب الامارۃ باب فضل الغزو فی البحر طبع نور محمدی دہلی
حلیۃ الاولیاء (ابونعیم احمد بن عبداللہ) ص ۶۲ ج ۲ تحت ترجمہ (نمبر ۱۴۰) ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳ ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ

((فلما ارادوا الخروج منها (قبرص) قدمت لام حرام بغلة لتركبها فسقطت عنها فاندقت عنقها فماتت هناك قبرها۔ هنالك يعظمونه ويستسقون به ويقولون قبر المرأة الصالحة))[۱]

فوائد

مختصر یہ ہے کہ جزیرہ قبرص کی فتح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے ہوئی اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس مہم میں ان کے ساتھ شامل تھے اور اس غزوہ کے اہل جیش کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت یہ حضرات اس بشارت کے حق دار ہوئے یہ ایک بڑی خوش نصیبی ہے اور پیغمبر اسلام کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں ایک بہت بڑی سعادت مندی کا مژدہ ہے۔

اور یہ بحری جنگیں مذکورہ پیش گوئیوں اور بشارتوں کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہترین فضائل و کمالات میں شمار کی جاتی ہیں۔

نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ غزوات اسلامی تھے اور جہاد فی سبیل اللہ کے مصداق تھے کیونکہ ان میں شریک و شامل مجاہدین کو جنت اور مغفرت کی بشارتوں سے نوازا گیا ہے۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک حریص، ملک گیر اور متغلب بادشاہ نہیں تھے بلکہ اس بشارت نبوی کے اعتبار سے برحق والی و حاکم تھے اور اسلام کے صحیح خادم اور دین کے علمبردار تھے اور اس کو فروغ بخشنے والے تھے۔

ایک فقہی اختلاف

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ابوذر غفاری (جندب بن جنادہ) رضی اللہ عنہ کی اقامت بلاد شام میں تھی اور اس دور کے متعدد اہم واقعات میں ان کی شمولیت پائی جاتی ہے جیسا کہ اہل علم پر واضح ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت ۳۰ ہجری میں ایک فقہی مسئلہ میں اختلاف رائے رونما ہوا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں رائے یہ تھی کہ سیم و زر ہو یا دوسرے اموال ہوں ان کو خزانہ بنانا اور جمع کرنا ناجائز ہے۔ آپ ضرورت سے زائد مال جمع کرنے کو ناجائز قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ زائد مال کو صدقہ کر دیا جائے۔ آپ دلیل میں یہ آیت پیش کرتے تھے کہ:

---

[۱] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳ ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۸۷ ج ۲ تحت سنہ ۲۷ھ
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۶ ج ۱ تحت ۲۸ھ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۴۴ جلد ۴ تحت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۶۰ تحت امر قبرص

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

اور لوگوں میں اس مسئلہ کو علانیہ بیان کرتے تھے جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی اس مسئلہ میں یہ رائے تھی کہ مالی صدقات واجبہ ادا کرنے کے بعد اموال کو جمع کرنا جائز اور مباح ہے۔ اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ کی عوام الناس میں تشہیر سے منع کرتے تھے۔ لیکن ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں شدت اختیار کی اور لوگوں میں اس وجہ سے ایک قسم کی پریشانی رونما ہونے لگی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس معاملے کی پوری تفصیل تحریر کی اور ساتھ ہی اس مسئلے کا حل طلب کیا۔ جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمان ارسال کیا کہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ طیبہ بھیج دیا جائے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمان دیا کہ آپ واپس آ جائیں۔

چنانچہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ روانہ کر دیا گیا۔ جب آپ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ پر تنبیہ کی اور اس موقف سے رجوع کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کیونکہ اس مسئلہ سے عوام میں ایک قسم کا حرج واقع ہوتا ہے اور پریشانی بڑھتی ہے۔ لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر زہد کا غلبہ تھا اس بنا پر وہ اپنے موقف سے باز نہ آئے اور رجوع اختیار نہیں کیا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ طیبہ سے باہر ربذہ کے مقام پر اقامت اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور بقدر کفایت ان کے لیے مالی وظیفہ جاری کر دیا۔

اس مسئلہ کو ابن جریر اور ابن کثیر وغیرہ نے عبارت ذیل میں ذکر کیا ہے:

((فخرج (ابو ذر رضی اللہ عنہ) حتی نزل الربذة فخط بها مسجدا واقطعه عثمان رضی اللہ عنہ صرمة من الابل واعطاه مملوكين وارسل اليه ان تعاهد المدينة حتى لا ترتد اعرابيا ففعل))[1]

اور علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ اس مسئلہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

((ونزل (ابوذر رضی اللہ عنہ) الربذة وبنى بها مسجدا واقطعه عثمان رضی اللہ عنہ صرمة من الابل (يعني قطعة منها) واعطاه مملوكين واجرى عليه رزقا وكان يتعاهد المدينة وبين المدينة والربذة ثلاثة اميال))[2]

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۶۷ ج ۵ تحت سنہ ۳۰ھ اخبار ابی ذر رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۵-۱۵۶ ج ۷ تحت سنہ ۳۰ھ
کتاب التمہید والبیان ص ۷۴-۷۵-۷۶، (محمد بن یحییٰ بن ابی بکر اشعری مالکی اندلسی) طبع بیروت

[2] تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۲۹ ج ۲ تحت بدأ الانتقاض علی عثمان رضی اللہ عنہ طبع بیروت لبنان

لیکن محدثین میں سے ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنے مصنف میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک باسند روایت ذکر کی ہے جس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اس واقعہ کے متعلق ایک اپنا بیان ہے۔ ہم اس بیان کو اہل علم کی معلومات میں اضافہ کے لیے پیش کرتے ہیں۔ یہ روایت حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی ان مطاعن سے براءت کرتی ہے جو اس سلسلے میں ان حضرات پر کیے جاتے ہیں۔

((عن زید بن وهب قال مررنا علی ابی ذر بالربذة، فسالنا عن منزله قال: (ابو ذر رضی اللہ عنہ) کنت بالشام، فقرات هذه الایة: الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ))

((فقال معاویه رضی اللہ عنہ: انما هی فی اهل الکتاب۔ فقلت: انها لفینا وفیهم۔ قال: فکتب الی عثمان رضی اللہ عنہ ان اقبل، فلما قدمت رکبنی الناس کانهم لم یرونی قبل ذالك فشکوت ذالك الی عثمان رضی اللہ عنہ فقال: لو اعتزلت فکنت قریبا فنزلت هذا المنزل فلا ادع قوله ولو امروا علی عبدا حبشیا))[1]

''یعنی ایک شخص زید بن وہب کہتے ہیں کہ ربذہ کے مقام پر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر ہمارا گزر ہوا تو (عند الملاقات) ہم نے ان سے ربذہ کے مقام پر ان کے مقیم ہونے کی وجہ دریافت کی تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن دنوں میں علاقہ شام میں تھا اس دوران میں قرآن مجید کی آیت الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ ...... الخ (یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے) کا مضمون لوگوں میں اس طرح بیان کیا کہ اس آیت میں ہر ایک کے لیے حکم عام ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ آیت اہل کتاب کے حق میں ہے اور میرا اصرار تھا کہ یہ آیت اہل کتاب اور ہم سب کے لیے ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ ماجرا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں میرے لیے حکم دیا کہ آپ مدینہ شریف واپس آ جائیں (تاکہ مناقشہ ختم ہو جائے) پھر جب میں حسب الحکم واپس آ گیا تو لوگ میرے پاس جمع ہو جاتے گویا انھوں نے مجھے قبل ازیں نہیں دیکھا ہوا تھا۔ پس اس معاملہ کی میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (فتنہ کو فرو کرنے کے لیے اور شکایت کا ازالہ کرنے کے لیے) فرمایا کہ آپ مدینہ شریف کے

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱۰-۱۱۱ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی
بخاری شریف ص ۱۸۹ ج ۱ کتاب الزکوۃ باب اثم مانع الزکوۃ طبع نور محمدی دہلی

قریب کسی الگ مقام پر قیام پذیر ہو جائیں تو بہتر ہے پس میں نے یہاں قیام اختیار کر لیا اور ان کے حکم کو ترک نہیں کیا۔''

فوائد ونتائج

مسائل میں فقہی اختلاف کا رونما ہونا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف جب اخلاص نیت پر مبنی ہو اور حدود شرعی سے متجاوز نہ ہو تو کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حق میں کسی توہین اور ان کی تنقیص کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کے مطابق ان کو باعزت طریقہ سے شام سے مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں موقف متفردانہ تھا اس لیے ان کو ''خلیفۃ المسلمین'' نے ایک مقام پر اقامت پر پابند کر دیا اور ساتھ وظیفہ مالی بھی جاری کیا اور ان پر کسی قسم کا ظلم وتشدد روا نہیں رکھا گیا اور یہی طریقہ ان کی شان کے شایاں تھا۔

لوگوں نے اس واقعہ کے متعلق بہت طول طوال قصے تصنیف کر لیے ہیں اور جبر واکراہ کی ایک داستان بنا دی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اصل واقعہ یہی کچھ تھا جو ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔

اور مندرجہ بالا مسئلہ کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی عبارت میں بطریق ذیل نقل کیا ہے۔ علمائے کرام ملاحظہ فرمائیں:

((وفی هذه السنة (۳۰ھ) وقع بین معاویة وابی ذر رضی اللہ عنہما بالشام وذالك ان ابا ذر رضی اللہ عنہ انکر علی معاویة رضی اللہ عنہ بعض الامور۔ و كان ینكر علی من یقتنی مالا من الاغنیاء ویمنع ان یدخر فوق القوت ویوجب ان یتصدق بالفضل ویتاول قول الله سبحانه وتعالیٰ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ......الخ) فینهاه معاویة عن اشاعة ذالك فلا یمتنع فبعث یشكوه الی عثمان رضی اللہ عنہ ، فكتب عثمان رضی اللہ عنہ الی ابی ذر رضی اللہ عنہ ان یقدم علیه المدینه فقدمها فلامه عثمان رضی اللہ عنہ علی بعض ما صدر منه ، واسترجعه فلم یرجع فامره بالمقام بالربذة وهی شرق المدینة))[1]

اب اہل علم حضرات کو ان حوالہ جات سے اصل واقعہ اور اس کا پس منظر معلوم کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۵ ج ۷ تحت سنہ ۳۰ھ طبع اول مصر

تنبیہ

اس مقام پر یہ چیز بیان کر دینا ضروری خیال کیا گیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بعض اوقات بعض فقہی مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور یہ اجتہادی اختلاف رائے اپنی ذات میں کوئی عیب نہیں ہے۔ معترض لوگ اس من حیث اختلاف کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایک مستقل طعن کی شکل دے دیتے ہیں اور لوگوں میں اسے نہایت قبیح تعبیر کے ساتھ پیش کرتے ہیں' حالانکہ وہ اجتہاد ورائے کی چیز ہوتی ہے کوئی لائق اعتراض اور قابل طعن بات نہیں ہوتی۔

اسی زمرہ میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو عبادہ بن صامت اور ابو درداء اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آئیں۔ وہ فقہی مسائل میں تحقیق کے اختلاف کے درجہ میں ہیں اور یہ حضرات اپنی جگہ مجتہد اور فقیہ تھے۔

مختصر یہ ہے کہ ابوذر غفاری، عبادہ بن صامت اور ابو درداء رضی اللہ عنہم وغیرہم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فقہی مسائل میں اختلاف کسی ذاتی رنجش اور عناد کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ تحقیق کے مختلف ہونے کے درجہ میں تھا۔ اور یہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین بھی بعض دفعہ پایا جاتا ہے اور اس کو کوئی شخص قبیح نہیں سمجھتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی ان اختلافات کو اسی طرح سمجھنا چاہیے۔

ہدایات

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض دفعہ خصوصی ہدایات جاری کی جاتی تھیں اور آپ ان ہدایات کے مطابق عمل پیرا ہوتے تھے۔

اس دور میں اہل اسلام کو فتوحات کی بنا پر بے شمار غنائم حاصل ہوتے تھے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین نے بعض ہدایات اس طرح ارسال فرمائیں کہ جب مال غنیمت جمع ہو جائے تو اس کے پانچ برابر برابر حصے کیے جائیں (اور قرعہ اندازی کے لیے) ایک حصہ پر ''للہ'' کا لفظ تحریر کیا جائے پھر ان پانچ حصوں میں قرعہ اندازی کی جائے اور قرعہ اندازی کے ذریعے سے جو حصہ اللہ کے لیے متعین ہو اسے امیر حاصل کرے۔

((عن مالك بن عبدالله الخثعمي قال كنا جلوسا عند عثمان رضي الله عنه فقال: من هاهنا من اهل الشام؟ فقمت فقال ابلغ معاوية رضي الله عنه اذا غنم غنيمة ان يأخذ خمسة اسهم فيكتب على سهم منها "لله" ثم ليقرع فحيثما خرج منها فليأخذه))[1]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۲۹-۴۳۰ ج ۱۲ تحت کتاب الجہاد طبع کراچی
درمنثور (سیوطی) ص ۱۸۷ ج ۳ تحت الآیہ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ الخ

① ((عن مالك بن عبدالله الخثعمي قال: كنت بالمدينة فقام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فقال هل هاهنا من اهل الشام احد؟ فقلت نعم يا امير المؤمنين! قال فاذا اتيت معاوية فامره ان فتح الله عليه ان يأخذ خمسة اسهم ثم يكتب في احدها "لله" ثم يقرع فحيث ما وقع فلياخذه))

② ((وفي هذا بيان انه لا ينبغي للاميران يتخير اذا ميز الخمس من الاربعة الاخماس ولكنه يميزه بالقرعة ...... الخ))[1]

مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تقسیم اموال کی صحت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور فتوحات میں غنائم کی تقسیم حسب طریق شرعی ہوتی تھی اور ان معاملات کو مرکز کی ہدایات کی روشنی میں سرانجام دیا جاتا تھا اور ان مسائل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرعی حدود سے متجاوز نہیں ہوتے تھے بلکہ احکام شرعی کا لحاظ رکھتے تھے اور ان پر کاربند تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ان مسائل میں خود روی اور خود رائی کا پروپیگنڈا درست نہیں ہے اور واقعات کے خلاف ہے۔

ایک اشتباہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین اس بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک جغرافیائی اور جنگی نقطہ نظر سے نہایت اہم صوبے کا بارہ سال کے طویل عرصہ تک گورنر متعین کیے رکھا جس کی وجہ سے ان علاقوں پر آپ کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور انھوں نے یہاں اپنی جڑیں مضبوط کر لیں گویا یہ صوبہ شام ان کی خود مختار ریاست کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما پر اس مشترکہ طعن کرنے میں مخالفین کا مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس منصب اور اقتدار سے غلط فائدہ اٹھایا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرکز کی ہدایات قبول نہیں کیں اور امیر المومنین کی اطاعت سے سرتابی کی اور اپنے صوبہ کی خود مختاری کی بنا پر ان سے جنگ و پیکار پر آمادہ ہو گئے۔

ازالہ

مذکورہ بالا اشتباہ کے ازالہ کے لیے درج ذیل چیزوں پر نظر انصاف فرمائیں، امید ہے مسئلہ صاف ہو جائے گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے علاقہ شام پر کوئی جدید حاکم نہیں بنایا بلکہ حضرت عمر

[1] شرح السیر الکبیر (سرخسی) طبع جدید ص ۸۸۹ جلد ۳ طبع حیدرآباد دکن، ص ۲۷۸ ج ۲ تحت ابواب سہمان الخیل والرجالہ

فاروق رضی اللہ عنہ (جو اپنی فراست و دانش مندی اور نقاد ہونے میں معیاری خلیفہ راشد تھے) نے ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد آپ کو اس علاقہ کا والی مقرر فرمایا تھا۔

چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ مدینہ دمشق میں اور مندرجہ ذیل علماء نے اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

① ((ثم جمع (عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) الشام کلها لمعاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما واقر عثمان رضی اللہ عنہ معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ علی الشام))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سابق خلیفہ راشد کی متابعت میں ان کو ولایت شام پر برقرار رکھا سابق خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا تمام علاقہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی کر دیا تھا۔''

② اور خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے یوں ذکر کیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے انھوں نے مجھے دینی امور میں امیر مقرر فرمایا۔ پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے بھی مجھے والی اور حاکم بنایا پھر ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب امیر المومنین منتخب ہوئے تو انھوں نے بھی مجھے والی اور حاکم بنائے رکھا اور پھر ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے تو انھوں نے بھی مجھے والی اور حاکم برقرار رکھا۔ اور میں نے ان سب حضرات کی خدمت بجا لانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور جس نے بھی مجھے والی اور حاکم مقرر کیا وہ مجھ سے راضی رہا۔

چنانچہ اس چیز کو طبری نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان معصوما فولانی وادخلنی فی امره ثم استخلف ابوبکر رضی اللہ عنہ فولانی ثم استخلف عمر رضی اللہ عنہ فولانی ثم استخلف عثمان رضی اللہ عنہ فولانی فلم ال لاحد منهم ولم یولنی الا هو راض عنی...... الخ))[2]

③ نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ رعایا اور عوام الناس کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی اہم شکایت پیش نہیں آئی جس کی وجہ سے خلفائے راشدین کو ان کے معزول اور برطرف یا کم از

---

1. تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ عکسی) ص ۶۹۹ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان۔
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۲۹ ج ۱ تحت الشامات
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۸۸ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۱۲ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (مع الاستیعاب)
تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۳ ج ۲ تحت معاویہ رضی اللہ عنہ
2. تاریخ طبری ص ۸۷ ج ۵ تحت ذکر تسیر من سیر من اہل کوفہ الیہا، سنہ ۳۳ھ طبع قدیم مصر۔

کم تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔

④ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی طبعی صلاحیتوں کی بنا پر اپنی ذمہ داریوں کو بطریق احسن سرانجام دیتے تھے اور اپنے فرائض منصبی عمدہ طریقہ سے ادا کرتے تھے اور حکمرانی کے بہترین سلیقہ کی بنا پر عوام الناس کے مسائل حل کرنے میں کوئی سقم باقی نہیں چھوڑتے تھے۔

⑤ ان حالات کے تحت اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے مزید مفتوحہ علاقے ان کی تحویل میں دے دیے اور ان کے اختیارات وسیع کر دیے تو یہ اپنی جگہ پر ایک درست کارروائی تھی اور اس سے فتنہ وفساد کھڑا ہونے کا کوئی اندیشہ اور امکان نہیں تھا۔ اور اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اس منصب سے الگ نہیں کیا اور علاقہ شام کی ولایت سے تبدیل نہیں کیا۔

فلہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس طریقہ کار کو گروہی تعصب یا قبائلی عصبیت پر محمول کرنا نہایت ناانصافی ہے اور بے جا طعنہ زنی ہے۔

جن لوگوں نے اس مسئلہ میں حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں پر اعتراضات قائم کیے ہیں انھوں نے اپنے قلبی عناد اور تعصب کا ثبوت دیا ہے۔ یہ امر ہرگز قابل اعتراض نہیں بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ صلاحیتوں اور امور حکمرانی میں مہارت کی دلیل ہے۔

حقیقت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کی مدت کا طویل ہونا اور سولہ سترہ برس تک حاکم اور والی رہنا مرکز کے ساتھ ان کے نزاع کا باعث نہیں تھا بلکہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حالات میں جو ابتری واقع ہوئی اور لوگوں میں اس کی وجہ سے جو اختلافات رونما ہوئے وہ امور باعث نزاع تھے اور خصوصاً دم عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ بنیادی اختلاف کی حیثیت رکھتا تھا۔

چنانچہ حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی یہی مذکور مسائل تھے جن کی بنا پر فریقین میں تنازعات قائم ہوئے۔ یہ فریق کسی منصب پر نہیں تھا اور نہ انھوں نے تحفظ منصب کے لیے یہ تنازعات کھڑے کیے تھے۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مرکز سے اختلاف تحفظ منصب کے لیے نہیں تھا بلکہ مخالفت کے وجوہ وہی ہیں جو اوپر ذکر کر دیے ہیں۔

یہاں دور دوم ختم کیا جاتا ہے اس کے بعد شہادت عثمانی سے دور سوم شروع ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اختتامی کلمات برائے دور دوم

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد کے بعد خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی و ملّی خدمات کو ''دور دوم'' کے عنوان کے تحت مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔

اس دور دوم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد میں

بھی مراسلت نگاری اور وثیقہ نویسی کی خدمات سرانجام دیں اور صدیقی دور خلافت میں مسئلہ ختم نبوت کے سلسلہ میں جنگ یمامہ میں شرکت کی۔

اسلام کے غزوات میں پہلے نائب امیر کے طور پر اور پھر اپنے برادر گرامی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اسلامی افواج کے امیر عساکر کی حیثیت سے ملی خدمات کا فریضہ بطریق احسن تمام کیا اور ان کی مساعی سے علاقہ شام میں متعدد فتوحات ہوئیں۔ اردن، فتح قیساریہ، عسقلان، قبرص وغیرہ اور بلاد روم کے وسیع علاقہ جات مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت کے زیر نگیں ہوئے۔ علاوہ ازیں متعدد دینی و ملی خدمات بھی سر انجام دیں جن کی تفصیلات گزشتہ اوراق میں آ چکی ہیں۔

مندرجات بالا کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا اسلام کے حق میں نفع بخش ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

دور سوم

شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حفاظتی تدابیر

امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں جو اختلافات کھڑے کیے گئے ان کا پس منظر اور ان کے اسباب وعلل ہم قبل ازیں ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' حصہ عثمانی کے اواخر باب پنجم میں اور ''مسئلہ اقربا نوازی'' کی آخری بحث خاص میں وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں کہ

ان مسائل کو کھڑا کرنے والے لوگ فسادی فطرت تھے دین واسلام کی ترقی اور دینی اقتدار انھیں ایک آنکھ نہ بھاتا تھا اور وہ اسلام کے استحکام اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے خواہش مند تھے۔ پھر ان مذموم مقاصد کے حصول کے لیے انھوں نے مرکز اسلام کو ختم کرنے کی سازشیں کیں۔ اور بظاہر ان اشرار نے یہ عنوان قائم کر رکھا تھا کہ خلیفہ اسلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کارندوں اور حکام نے اسلامی احکام کو ترک کر رکھا ہے اور اسلامی تعلیمات کے خلاف جبر واستبداد کا نظام اپنا رکھا ہے، سو اب جب خلیفہ وقت ان مسائل کے حل کرنے میں ناکام ہیں اور بے بس ہیں، فلہذا انھیں منصب خلافت سے الگ ہو جانا چاہیے۔

ان کے یہ نظریات ایک قسم کی سازش اور فریب دہی تھی اور مرکز اسلام کو نقصان پہنچا کر اہل اسلام میں تفرقہ قائم کرنا اور پھوٹ ڈالنا ان کا اصل مطمح نظر تھا۔ اور ان لوگوں کو علمائے محققین نے اشرار، ظالم، سرکش، عنادی وفسادی وغیرہ کے عنوانات سے ذکر کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قتل عثمانی کا فتنہ کھڑا کرنے والے یہ افراد ان عنوانات کے واقعی حقدار اور مصداق تھے۔

ان حالات میں ان شورشوں کے باعث جہاں دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان تھے اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس سلسلے میں اپنی جگہ بڑے متفکر تھے کہ یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد میں کہیں کامیاب نہ ہو جائیں اور خلافت اسلامی کو کوئی ضعف نہ پہنچے۔

اس صورت حال کے پیش نظر بعض دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے بطور فہمائش کلام کیا اور فرمایا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور ان کو پیغمبر اسلام کا منصب عطا فرمایا۔ پھر اللہ کریم نے ان کے تعاون کے لیے ایسے صحابہ کو پسند فرمایا جن میں قبیلہ قریش کے بہترین لوگ تھے۔ ان کے

ذریعے سے اسلام کی حکومت قائم ہوئی اور ان میں اسلامی خلافت کو جاری کیا گیا۔ پس خلافت اس دور میں ان ہی کی شان کے مناسب ہے۔

چنانچہ ابن خلدون نے اس چیز کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((ثم ذكر (معاوية رضی اللہ عنہ) بعثة النبى صلی اللہ علیہ وسلم وان الله ارتضى له اصحابا كان خيارهم قريشا فبنى الملك عليهم وجعل الخلافة فيهم، ولا يصلح ذالك الا بهم))[1]

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ خلیفہ اسلام امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کئی قسم کے بے جا اعتراضات اٹھائے ہوئے تھے اور اس طریقہ سے خلفاء کی تنقیص شان کے در پے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی اور ان کے لیے افہام و تفہیم کی سعی کی لیکن اس چیز کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ اپنی مفسدانہ کارروائیوں میں لگے رہے اور جارحانہ اقدامات میں بڑھتے گئے۔

اس کے بعد اس دور میں جب ایسے حالات پیدا ہو گئے اور محسوس کیا جانے لگا کہ شاید یہ مفسد لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی ہجومی کارروائی نہ کریں تو اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ اسلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ ملک شام میں تشریف لائیں کیونکہ وہاں کے لوگوں میں امراء کی اطاعت عام ہے۔

اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و جوار کو چھوڑ کر کسی دوسرے مقام پر جانا پسند نہیں کرتا۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ دوسری صورت یہ ہے کہ ملک شام سے ایک دستہ فوج آپ کی خدمت میں بھیج دیتا ہوں جو آپ کی حفاظت و نگرانی بطریق احسن سر انجام دے گا۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس صورت میں یہ جیش مدینہ طیبہ کے باشندوں مہاجرین و انصار کے لیے تنگی کا باعث ہوگا اور اہل مدینہ پر ایک قسم کا بوجھ پڑے گا جو مجھے پسند نہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے امیر المومنین! خطرہ ہے کہ آپ پر اچانک حملہ نہ ہو جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ میرے لیے کافی ہے اور وہی کارساز ہے جب ان حفاظتی تدابیر پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رضامند نہ ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سفر شام کے لیے تلوار اور کمان سے مسلح ہو کر نکلے اور مہاجرین و انصار کی مجالس میں بھی گئے۔ حضرت علی المرتضٰی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملے اور ان حضرات کے ساتھ اس نازک موضوع پر گفتگو کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور انھیں ان

[1] تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۳۲ ج ۲ تحت بدء الانتقاض علی عثمان رضی اللہ عنہ۔

کے اعداء سے بچانے کی تاکیدات کیں اور پھر اس کے بعد سفر شام پر روانہ ہو گئے۔

مورخین نے یہ واقعہ بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((ان معاوية لما ودعه عثمان حين عزم على الخروج الى الشام عرض عليه ان يرحل معه الى الشام فانهم قوم كثيرة طاعتهم للامراء فقال: لا اختار بجوار رسول الله ﷺ سواه۔ فقال اجهز لك جيشا من الشام يكونون عندك ينصرونك؟ فقال: انى اخشى ان اضيق بهم بلد رسول الله ﷺ على اصحابه من المهاجرين والانصار۔ قال معاوية رضي الله عنه فوالله يا امير المومنين لتغتالن۔ او قال: لتغزين، فقال عثمان رضي الله عنه: حسبى الله ونعم الوكيل۔ ثم خرج معاوية رضي الله عنه من عنده وهو متقلد السيف وقوسه فى يده، فمر على ملاء من المهاجرين والانصار فيهم على بن ابى طالب وطلحة والزبير رضي الله عنهم فوقف عليهم واتكأ على قوسه وتكلم بكلام بليغ يشتمل على الوصاة بعثمان بن عفان رضي الله عنه والتحذير من اسلامه الى اعداءه، ثم انصرف ذاهبا))[1]

محاصرہ دار عثمان رضی اللہ عنہ اور تحفظ کی مساعی

مورخین نے لکھا ہے کہ مختلف علاقہ جات سے سرکش اور فسادی عناصر جو آگے چل کر خوارج کے نام سے موسوم ہوئے، مدینہ طیبہ میں مجتمع ہو گئے اور انھوں نے خلیفہ اسلام سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ حالات اس قدر سنگین ہو گئے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی تک جانا دشوار ہو گیا۔

ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے والی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور والی بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر اور والی کوفہ کو مدینہ طیبہ کے ان ابتر حالات سے مطلع کیا اور مفسدین کی مدافعت اور مدینہ طیبہ سے ان کے اخراج کے لیے فوجی دستے طلب کیے۔

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک جیش روانہ کیا۔ یزید بن اسد قشیری نے بھی ایک دستہ ارسال کیا اور اسی طرح اہل کوفہ و بصرہ نے حفاظتی دستے مدینہ طیبہ کی طرف بھیجے۔ لیکن جب مدینہ طیبہ میں مفسدین کو امدادی لشکروں کی آمد کی خبر ہوئی تو انھوں نے محاصرہ تنگ کر دیا اور امدادی لشکروں کے مدینہ طیبہ پہنچنے سے قبل ہی خلیفہ اسلام کو شہید کر ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

امدادی جیوش جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے اور بقول بعض مورخین وادی القریٰ میں آ گئے تو ان کو امیر

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۶۹ ج ۷ تحت سنہ ۳۴ھ

تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۴۰ ج ۲ تحت حصار عثمان رضی اللہ عنہ ومقتلہ ...... الخ طبع لبنان

المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو یہ امدادی اور حفاظتی دستے شام اور کوفہ بصرہ وغیرہ کو واپس چلے گئے۔

اس واقعہ کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بحوالہ ابن جریر یہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے۔اور فتوح البلدان میں بھی یہ مضمون درج ہے:

((وقد ذکر ابن جریر ان عثمان رضی اللہ عنہ لما رای ما فعل هولاء الخوارج من اهل الامصار من محاصرته فی داره۔ و منعه الخروج الی المسجد۔ کتب الی معاویة رضی اللہ عنہ بالشام و الی عبدالله بن عامر بالبصرة و الی اهل الکوفة، یستنجدهم فی بعث جیش یطردون هولاء من المدینة فبعث معاویة رضی اللہ عنہ حبیب بن مسلمة وانتدب یزید بن اسد القشیری فی جیش، وبعث اهل الکوفة جیشا واهل البصره جیشا۔ فلما سمع اولئك بخروج الجیوش الیهم صمموا فی الحصار فما اقترب الجیوش الی المدینة حتی جاءهم قتل عثمان رضی اللہ عنہ کما سنذکره))[1]

شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، جنازہ اور دفن

ان اشرار اور مفسدین نے خلیفہ اسلام کے گھر کا ایک طویل مدت تک محاصرہ جاری رکھا۔ مدت محاصرہ کے متعلق متعدد اقوال تاریخ میں موجود ہیں۔بعض اہل تاریخ کے نزدیک یہ محاصرہ قریباً بائیس (۲۲) روز رہا اور بعض نے مدت محاصرہ اس سے زیادہ تحریر کی ہے۔ بہرکیف ان لوگوں نے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ بعد العصر خلیفہ اسلام حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بے دردی سے اپنے مکان میں ہی شہید کر ڈالا۔ یہ مکان مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے قریب واقع تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس دن روزہ دار تھے جمعہ کے روز وہ شہید کیے گئے اور ہفتہ کی رات مغرب اور عشا کے درمیان جنازہ پڑھا گیا اور انھیں جنت البقیع کے قریب حش کوکب میں دفن کیا گیا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ محدثین کے قول کے مطابق مشہور صحابی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور دفن کیا۔

(((عن قتادة صلی الزبیر علی عثمان رضی اللہ عنہ ودفنه...... الخ))[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۸۰ ج ۷ تحت ذکر حصر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سنہ ۳۵ھ
کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۱۲ تحت عنوان فتح ارمینیہ

[2] مسند احمد ص ۷۴ ج ۱ تحت مسندات عثمان رضی اللہ عنہ
تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۱۱۵ تحت سنہ ۳۵ھ فصل فی خلافتہ طبع دہلی

((وکان یومئذ صائما و دفن لیلۃ السبت بین المغرب والعشاء))[1]

مسئلہ ہذا کی مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' باب پنجم صفحہ ۳۹۰-۳۹۱ ملاحظہ فرمائیں۔

قاتلین عثمانؓ کیسے افراد تھے؟ اور ان کا حکم

علمائے امت اور کبار مورخین نے اس مسئلہ کو واضح طور پر ذکر کیا ہے کہ قاتلین عثمانؓ میں امت کے بہترین لوگوں میں سے کوئی شخص شریک نہیں تھا، اور نہ مہاجرین و انصار میں سے کوئی ان مفسدین کے ساتھ تھا۔ اس فعل شنیع کا ارتکاب کرنے والے مفسدین اشرار، اوباش اور اجڈ قسم کے لوگ تھے۔

((ثنا عبدالاعلی بن الھیثم قال حدثنی ابی قال قلت للحسن رضی اللہ عنہ اکان فی من قتل عثمان رضی اللہ عنہ احد من المھاجرین والانصار؟ قال: لا! کانوا اعلاجا من اھل مصر))[2]

اور دیگر علماء نے قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حیثیت اور کیفیت مندرجہ ذیل عبارات میں ذکر کی ہے جس سے ان کا فسادی اور شریر ہونا واضح طور پر ثابت ہے:

① ((ان اخیار المسلمین لم یدخل واحد منھم دم عثمان رضی اللہ عنہ لاقتل ولا امر بقتلہ وانما قتلہ طائفۃ من المفسدین فی الارض من اوباش القبائل واھل الفتن))[3]

② ((فمن الذی اجتمع علی قتل عثمان رضی اللہ عنہ؟ ھل ھم الا طائفۃ من اولی الشر والظلم ولا دخل فی قتلہ احد من السابقین))[4]

③ ((ان قتلۃ عثمان رضی اللہ عنہ لم یکونوا بغاۃ بل ظلمۃ وعتاۃ لعدم الاعتداد بشبھتھم ولانھم اصروا علی الباطل بعد کشف الشبھۃ وایضاح الحق لھم))[5]

---

[1] کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۰۱ تحت ولد ابی العاص بن امیہ
طبقات ابن سعد ص ۵۴ جلد ثالث قسم اول تحت من دفن عثمان و متی دفن، طبع لیڈن

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۵ ج ۱ تحت حالات شہادت عثمانی

[3] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۶ ج ۲

[4] منتقٰی (ذہبی) ص ۵۴۳

[5] المسامرۃ فی شرح المسایرہ ص ۱۵۹-۱۶۰ ج ۲ تحت الاصل الثامن۔ طبع مصر

ان حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ:

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے میں اس دور کے بہترین مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی شامل نہیں تھا اور نہ اچھے لوگوں نے کسی کو ان کے قتل کے لیے کہا تھا۔ خلیفہ اسلام کے قتل کرنے والے فسادی، شریر، فتنہ انگیز اور اوباش و اُجڈ قسم کے لوگ تھے۔

علمائے عقائد ان لوگوں کے حق میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ باغی نہیں تھے بلکہ ظالم اور سرکش اور مذہب کے نافرمان تھے۔ باغی کے لیے تو پھر بھی کسی شبہ اور تاویل کی گنجائش ہوتی ہے یہ تو نرے مفسد تھے۔ ان کے پیدا کردہ شبہات کا کچھ اعتبار اور وزن نہیں۔ شبہات کے رفع دفع ہونے اور حق بات کھل جانے کے باوجود وہ باطل چیز پر اصرار کیے ہوئے تھے۔

کچھ مدت کے بعد یہی لوگ خوارج کی شکل میں رونما ہوئے اور خلفائے برحق سیدنا علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے ادوار خلافت میں انھوں نے ان حضرات کے لیے مشکلات پیدا کر دیں۔

کیا قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ راضی تھے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ابن کثیر رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل عبارت درج کی ہے:

((واما ما یذکرہ بعض الناس من ان بعض الصحابۃ اسلمہ ورضی بقتلہ فھذا لا یصح عن احد من الصحابۃ انہ رضی بقتل عثمان رضی اللہ عنہ بل کلھم کرھہ ومقتہ وسب من قتلہ ولکن بعضھم کان یود لو خلع نفسہ من الامر کعمار رضی اللہ عنہ و محمد بن ابی بکر وغیرھم))[1]

''یعنی یہ بات جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر کچھ صحابہ راضی تھے یہ چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کو مکروہ اور مبغوض جانا اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے براءت کا اظہار کیا اگرچہ بعض لوگ چاہتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امر خلافت سے دستبردار ہو جائیں جیسے عمار و محمد بن ابی بکر وغیرہ۔''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نظریہ یہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حق پر ہیں ان کا موقف اور کردار صحیح ہے اور خلیفہ صالح ہیں، خلافت سے دستبرداری کا تقاضا بالکل بے جا اور غلط ہے۔

مدافعت عثمانی میں اہل مدینہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار

اس مقام پر ایک شبہ کا رفع کرنا مناسب ہے کہ جب مفسدین اور اشرار نے دار عثمان کا محاصرہ کر لیا اور حالات شدید تر ہو گئے تو اہل مدینہ طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدافعت کا فریضہ کیوں ادا نہیں کیا؟ اور خلیفہ

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹۸ ج ۷ تحت واقعات ہذا سنہ ۳۵ھ

بر حق کی حمایت کرنے سے کیوں کنارہ کش رہے؟ اس شبہ کے ازالہ کے لیے درج ذیل چیزیں ملحوظ رکھیں:

ایک بات یہ ہے کہ اسلام کا قاعدہ ہے کہ خلیفہ اسلام کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم ہے (بشرطیکہ وہ حکم اسلام کے شرعی قواعد کے خلاف نہ ہو)

اس قاعدہ کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مدافعت کی اجازت طلب کی جو انھوں نے نہ دی اب ظاہر ہے کہ خلیفہ کے اذن کے بغیر کوئی اقدام کرنا اس اسلامی ماحول میں ممکن العمل نہ تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بار بار اس امر کی اجازت چاہی لیکن جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں اپنی ذات کی حفاظت کے لیے قتال کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' اور آپ نے قتال کی اجازت طلب کرنے والوں کو قسمیں دلا کر واپس کر دیا۔

تلوار سے قتال کی اجازت طلب کرنے والوں میں زید بن ثابت انصاری، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ اور سلیط بن سلیط رضی اللہ عنہم وغیرہم کے اسماء مورخین اور محدثین نے ذکر کیے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کی حفاظت کی خاطر مسلمانوں کے گروہوں میں جنگ و قتال کی اجازت نہیں دی اور امت مسلمہ کو اپنی ذات کے لیے خوں ریزی سے بچا لیا اور خود شہید ہو گئے۔ اہل اسلام کے حق میں خیر خواہی کا یہ جذبہ بے مثال ہے۔

اس مسئلہ کو قبل ازیں اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں صفحہ ۳۸۴-۳۸۸ پر باحوالہ ذکر کر دیا ہے فلہٰذا یہاں حوالہ جات کی عبارت درج کرنے سے بخوف طوالت گریز کیا ہے۔ حاشیہ میں حوالہ جات مذکور ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔[1]

مزار عثمان رضی اللہ عنہ

گزشتہ سطور میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اجمالاً ذکر کر دی گئی ہے اور آپ کے جنازہ اور دفن کا ذکر بھی اختصاراً ہو چکا ہے۔ اب یہاں یہ چیز ذکر کرنا مناسب ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کرنے سے اس وقت اشرار و مفسدین (خوارج) مانع ہوئے تھے اس وجہ سے جنت البقیع سے ملحق مقام پر مرقد بنائی گئی تھی۔ بقول بعض اس جگہ کو حش کوکب کہا جاتا تھا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسے ذرا مزید محفوظ کیا گیا اور مزار اور بقیع کے درمیان دیوار قائم کی گئی اور اہل مدینہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے موتی کو اس قبر کے پاس دفن کریں۔

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۱ تحت سنہ ۳۵ھ الفتنہ فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ
سنن سعید بن منصور ص ۶۲ ح ۳ قسم ثانی طبع مجلس علمی ڈابھیل
طبقات ابن سعد ص ۴۸-۴۹ ج ۳ تحت ذکر ما قیل لعثمان فی الخلع

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں ذکر کیا ہے کہ:

((وقد اعتنی معاویة رضی اللہ عنہ فی ایام امارته بقبر عثمان رضی اللہ عنہ ورفع الجدار بینه وبین البقیع وامر الناس ان یدفنوا موتاهم حوله))[1]

لیکن مرور زمانہ کے بعد یہ دیوار ختم ہوگئی اور قبرستان بقیع کا حلقہ وسیع ہوتا گیا حتیٰ کہ یہ مقام جنت البقیع میں شامل ہوگیا۔

ایک معذرت

اس بات کو ذکر کر دینا فائدہ مند ہے کہ یہاں چند عنوانات (مثلاً شہادت عثمان، جنازہ، دفن، قاتلین عثمان کا تعارف اور اہل مدینہ کا معاملہ وغیرہ) کو ایک ضرورت کے تحت اختصاراً مکرر درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح آیندہ صفحات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت سے لے کر آنجناب کی شہادت تک کے بعض واقعات کو بھی بقدر ضرورت مکرر ذکر کیا گیا ہے (حالانکہ یہ مباحث سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں سابقاً بیان ہو چکے ہیں)

ان امور کا یہاں (سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) میں دوبارہ بیان کرنا ایک مجبوری امر ہے کیونکہ ان مواقع کے مباحث اور حالات باہم مشترک ہیں ان کے ترک کر دینے سے مضامین کتاب کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا اور کتاب کے قاری کے لیے یہ واقعات ایک نظر میں سامنے نہیں آسکتے۔ امید ہے ناظرین کرام مضامین کے اس تکرار میں ہمیں معذور سمجھیں گے اور اس وضاحت کے بعد اس قسم کے اعتراضات کرنے سے اجتناب فرمائیں گے۔

نیز گزارش ہے کہ تکرار مضامین کا لفظ دیکھ کر یہاں کے مندرجات کو چھوڑ نہ دیں بلکہ ملاحظہ فرمائیں کیونکہ کئی اہم چیزوں کا اضافہ بعد میں کیا گیا جو سیرت علوی مرتب ہونے کے وقت سامنے نہ تھیں۔ والعذر عند کرام الناس مقبول

خلیفہ چہارم کی بیعت

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہونے کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں نے بہت تیزی سے بیعت کرنے کا تقاضا کیا جو لوگ واقعہ شہادت کا باعث تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چونکہ ان لوگوں سے دلبرداشتہ اور ناخوش تھے اس لیے انھوں نے برسر عام ان کی بیعت لینے سے انکار کیا۔ پھر صورت حال اور پیچیدہ ہوگئی اور مسلمانوں میں عام خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ سو آخرکار آپ نے حالات کی

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹۱ ج ۷ تحت فصل کانت مدہ حصارہ عثمان الخ

نزاکت کی وجہ سے بیعت کرنا قبول کر لیا۔ کیونکہ ان حالات میں امت کو بغیر امیر کے چھوڑ دینا کسی صورت میں درست نہیں تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس منصب کے لیے بیشک اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکابر حضرات حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی ان لوگوں نے مجبور کیا تھا اور وہ ہر وقت ان کے قتل کے درپے تھے۔ سو بقول مورخین انھوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان حالات میں بیعت کی کہ وہ کوئی فیصلہ ازخود نہ کر سکتے تھے انھوں نے اس اضطراری کیفیت میں بیعت کی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

((ثم قال الزبیر (بن عوام رضی اللہ عنہ) انما بایعت علیاً واللج علی عنقی و السلام))[1]

جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں اس بحث کے تحت ذکر کیا ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ بیعت بروز پنجشنبہ بتاریخ چوبیس (۲۴) ماہ ذی الحجہ ۳۵ ہجری میں ہوئی اور اس کے بعد دوسرے روز عام اہل مدینہ نے مسجد نبوی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

((وخرج علی رضی اللہ عنہ الی المسجد فصعد المنبر..... ویتوکأ علی قوسه فبایعه عامة الناس))[2]

ان فسادی عناصر نے بیعت ہذا پر اس بنا پر زیادہ زور دیا تھا کیونکہ وہ اس مسئلہ میں جناب امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے ایک گونہ اپنی سیاسی پناہ چاہتے تھے اور اس کے بغیر ان کے سامنے کوئی اور صورت پناہ کی نہیں تھی۔[3] اس چیز کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے قرۃ العینین میں اس طرح درج کیا ہے۔ حوالہ ہذا کی عبارت ''سیرت علوی'' میں دے دی گئی ہے۔

بیعت سے تاخیر

یہاں ایک چیز ذکر کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ ان پیش آمدہ حالات کے تحت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور قاتلین کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں پیش پیش ہونے سے بہت پریشان خاطر تھے اور قصاص دم عثمان کے مسئلہ کو تاخیر میں ڈالنے کی وجہ سے بہت مضطرب تھے۔ نزاکت حالات کے پیش نظر انھوں نے بیعت کے مسئلہ میں تاخیر اختیار کی اور اس موقع پر بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔

ان میں مندرجہ ذیل حضرات کے نام ذکر کیے جاتے ہیں: مثلاً عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص، صہیب رومی، محمد بن مسلمہ انصاری، زید بن ثابت اور اسامہ بن زید وغیرہم رضی اللہ عنہم۔[4]

---

1. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۶ ج ۷ ذکر بیعت علی رضی اللہ عنہ بالخلافہ
2. البدایہ ص ۲۲۵ ج ۷ تحت ذکر بیعت علی رضی اللہ عنہ بالخلافہ
3. قرۃ العینین از شاہ ولی اللہ ص ۱۴۳ طبع مجتبائی دہلی تحت مسئلہ ہذا
4. البدایہ ص ۲۲۶ ج ۷ تحت بیعت علی رضی اللہ عنہ بالخلافہ

اصل میں ان حضرات کے سامنے بھی یہی رائے تھی کہ قصاص دم عثمان کی کوئی بہتر صورت پیدا کر کے پہلے اس مسئلہ کو حل کیا جائے اس کو تاخیر میں ڈالنا موجب فساد ہے اور کئی خرابیوں کا باعث ہے۔

مکہ کی طرف روانگی

''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جب اہل مدینہ نے بیعت کر لی تو اس کے بعد جلد ہی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور بعض امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وغیرہا پہلے ہی حج کے موقع پر وہاں تشریف لے گئی ہوئی تھیں۔ پھر ان حضرات کے وہاں ''شہادت عثمانی'' کے قصاص کے مسئلہ میں مذاکرات ہوئے اور دیگر اکابرین کے ساتھ بھی اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ آخرکار ان حضرات نے بصرہ کی طرف سفر اختیار کیا اور وہاں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا جس کی تفصیلات اپنی جگہ پر مذکور ہیں۔

اہل شام کی طرف شہادت عثمانی کی اطلاع

شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس حسرت ناک واقعہ کے اثرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ پر غالب تھے۔ اس سلسلے میں بقول بعض مؤلفین نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی حضرات ملک شام کی طرف چلے گئے۔ وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین کی خدمت میں واقعہ شہادت عثمانی کے اندوہ گیں حالات اور دردناک منظر بیان کیے اور ساتھ ساتھ قاتلین کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینا اور ان کے ساتھ مجتمع رہنا بھی بیان کیا، اور ان لوگوں کی شرانگیزیوں اور سرگرمیوں کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔

تو واقعات ہذا معلوم ہونے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے بھی قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کا اظہار کیا۔ ان حضرات کی بھی یہی رائے ہوئی کہ ان قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے قصاص لیا جائے پھر اس کے بعد ہم خلیفہ رابع کی بیعت تسلیم کریں گے۔ اس صورت کے بغیر ہمارا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت تسلیم کر لینا مشکل ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اکیلے نہیں تھے بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو شام میں مقیم تھے) مثلاً عبادہ بن صامت، ابودرداء، ابوامامہ اور عمرو بن عبسہ وغیرہ رضی اللہ عنہم و دیگر اکابر تابعین رحمہم اللہ بھی شامل تھے۔

البدایہ میں ہے کہ:

((قام فی الناس معاویة رضی اللہ عنہ و جماعة من الصحابة رضی اللہ عنہم معه یحرضون الناس علی المطالبة بدم عثمان رضی اللہ عنہ ممن قتله من اولئك الخوارج فهم عبادة بن الصامت وابو درداء وابو امامة وعمرو بن عبسة وغیرهم))[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۷ ج ۷ تحت واقعات بعد از بیعت علی رضی اللہ عنہ (طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اس مطالبہ قصاص دم عثمان میں ابتدا سے ہی اکیلے نہ تھے ان کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی اور ان حضرات کی نظر انتقام جن لوگوں کی طرف تھی وہ خوارج تھے۔ یہ خوارج کی بالکل ابتدائی صورت ہے۔ انھی لوگوں نے آگے چل کر باقاعدہ خوارج کا نام پایا۔

ایک وضاحت یعنی عمال عثمانی کی معزولی

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عنان خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ ولات اور حکام میں تبدیلیاں کرنے کا قصد فرمایا تو اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے اس کے خلاف تھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ عثمانی حکام اور ولات کو فی الحال اپنے اپنے مناصب پر متعین رہنے دیا جائے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ملک شام میں اپنے حال پر چھوڑا جائے اور ان کو اپنے مقام سے نہ ہلایا جائے۔ بعد میں حالات کے موافق جو تبدیلی چاہے عمل میں لائی جائے۔

چنانچہ البدایہ لابن کثیر میں ہے کہ

((ثم ان ابن عباس رضی اللہ عنہما اشار علی علی رضی اللہ عنہ باستمرار نوابه في البلاد، الى ان يتمكن الامر، وان يقر معاوية خصوصا على الشام))[1]

لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کو قبول نہیں کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ عمال کو اپنے اپنے مناصب سے معزول کر دیا اور اپنے آدمی ان کے قائم مقام مقرر کر دیے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر ان خارجیوں کے پروپیگنڈے پر تھی جس سے ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا کہ یہ ولات و حکام اپنی ذمہ داریاں صحیح ادا نہیں کر رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ ان لوگوں کو نئے نظم و عمل میں لانے کے لیے ان کے ابتدائی خیالات کا یکسر خاتمہ کر دیا جائے۔ یہ نہیں کہ آپ واقعی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ان تعینات سے ناخوش تھے۔

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی شام روانگی

اس سلسلے میں آپ نے ملک شام پر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جگہ والی شام بنا کر روانہ فرمایا۔ جب وہ یہ حکم نامہ لے کر تبوک کے مقام پر پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار دستوں سے معارضہ ہوا انھوں نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے شام کے لیے امیر متعین کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر تو آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی شام مقرر کیے گئے ہیں تو تشریف لائیں اور اگر آپ کو کسی دوسرے نے امیر شام متعین کیا ہے تو واپس چلے جائیں۔ اس پر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۸ ج ۷ تحت آخر سنہ ۳۵ھ

نے کہا کہ تم لوگوں نے جو کچھ واقعہ ہو چکا ہے سن نہیں لیا؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں ہمیں معلوم ہے اور ہم واقعات سن چکے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو آگے جانے نہیں دیا گیا اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔

((وعلى الشام سهل بن حنيف بدل معاوية رضي الله عنه فسار حتى بلغ تبوك فتلقته خيل معاوية رضي الله عنه فقالوا من انت؟ فقال: امير، قالوا: على اى شيء؟ قال: على الشام، فقالوا: ان كان عثمان بعثك فحي هلابك، وان كان غيره فارجع فقال: او ما سمعتم الذى كان؟ قالوا: بلى فرجع الى على رضي الله عنه))[1]

حالات کی پراگندگی

یہ صورت حال صرف شام کے علاقوں میں ہی نہیں بلکہ کوفہ اور بصرہ وغیرہ کے علاقہ جات میں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے روانہ کردہ والیوں کے ساتھ اسی قسم کے معارضے پیش آئے اور مخالفین بھی سامنے آئیں اور دم عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ بھی ہر جگہ سنا گیا بلکہ یہ بات روز بروز شدت اختیار کرتی گئی اور حالات دگرگوں ہوتے گئے۔ علمائے کرام نے ان پیدا شدہ حالات اور کوائف کو مختصر کلمات میں اس طرح درج کیا ہے کہ:

((وانتشرت الفتنة وتفاقم الامر واختلفت الكلمة))[2]

''یعنی اس فتنہ کی بنا پر لوگوں میں انتشار پھیل گیا اور معاملہ حدود سے متجاوز ہو گیا اور بجائے اس کے کہ کلمہ اسلام میں وحدت ہو حالات میں افتراق واقع ہوا اور اب امت باقاعدہ دو گروہوں میں بٹ گئی۔''

صفین کی طرف اقدام

واقعہ جمل کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے علاقہ شام کی طرف تشریف لے جانے کا قصد کیا اور کوفہ سے نخیلہ کے مقام پر پہنچے۔ وہاں اپنے جیوش اور عساکر کے متعلقہ انتظامات درست کیے اور کوفہ پر ابو مسعود عقبہ بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام متعین فرمایا۔ اس مقام پر حالات کے اعتبار سے ضروری تیاری کے بعد آں جناب ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور دریائے فرات کے قریب ذی الحجہ ۳۶ھ میں قیام فرمایا۔

بصرہ کے علاقہ میں جنگ جمل جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں لڑی جا چکی تھی اور وہ بھی اسی قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے کی بنا پر فریقین میں پیش آئی تھی۔ یہ ابتدا ایک ''مجلس مصالحت'' تھی جسے مفسدین نے انجام کار جنگ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۸-۲۲۹ ج ۷ تحت ابتدا سنہ ۳۶ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۹ ج ۷ تحت ۳۶ھ

بنا دیا۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا فریق مغلوب ہوا جبکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کامیاب ہوئے اختتام جنگ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المومنین کے بارے میں اعلان فرمایا کہ ان کی حرمت وعزت آج کے اس واقعہ کے بعد بھی وہی ہے جو اس سے پہلے تھی۔ واقعہ ہذا قبل ازیں ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں اپنے متعلقات کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں اس بنا پر ہم یہاں واقعہ جمل کی تفصیلات ذکر نہیں کر رہے اس کتاب کا موضوع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے اس لیے ماقبل کے مضامین کے اعتبار سے ہم یہاں واقعہ صفین کے کچھ متعلقات بقدر ضرورت ذکر کریں گے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جنگ جمل کے حالات و واقعات جب ملک شام پہنچے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اس جنگ میں شہید ہو چکے ہیں اہل بصرہ شکست سے دو چار ہوئے ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت غالب آ چکی ہے تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قصاص دم عثمانؓ کی طلب کے لیے آمادہ کیا اور اہل شام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں اپنا امیر بنا کر بیعت کی یہ بیعت دم عثمانؓ کے قصاص کی طلب کے لیے تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے منعقد نہ ہوئی تھی۔

چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس چیز کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((عن ابن شهاب الزهری قال لما بلغ معاوية رضي الله عنه واهل الشام قتل طلحة والزبير رضي الله عنهما وهزيمة اهل البصرة وظهور على رضي الله عنه عليهم دعا اهل الشام معاوية رضي الله عنه للقتال معه على الشورى والطلب بدم عثمان رضي الله عنه فبايع معاوية اهل الشام على ذالك امير غير خليفة))[1]

صفین کا محل وقوع اور تاریخ اجتماع

بلاد شام کے مشرقی جانب میں ''صفین'' نام کا ایک مقام ہے جہاں فریقین کی جماعتوں کا اجتماع ہوا۔ یہ محرم ۳۷ھ کا واقعہ ہے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے جنود وعساکر کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ بھی اپنے لشکر کے ہمراہ شام کی مشرقی سرحد کے قریب آ پہنچے۔ اس مقام پر دونوں فریق اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ مجتمع ہوئے۔

صفین میں ہر ایک فریق کا اپنا موقف

اس مقام پر اس چیز کو واضح کر دینا مناسب ہے کہ فریقین کے درمیان ''مابہ النزاع'' اور ''مابہ الاختلاف'' کون سا مسئلہ تھا جس کی بنا پر فریقین میں یہ قتال پیش آیا تو اس سلسلے میں ہر ایک فریق کا موقف

---

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ عکسی، ص ۷۰۷، ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

پیش کیا جاتا ہے:

① امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مہاجرین اور انصار نے میری بیعت قبول کر لی ہے فلہٰذا اہل شام پر لازم ہے کہ وہ بھی میری بیعت کر لیں اور اطاعت قبول کریں اگر یہ صورت اختیار نہیں کریں گے تو پھر قتال ہوگا۔

② نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف بھی تھا کہ فریق مقابل کے مطالبہ قصاص دم عثمانؓ کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ پہلے وہ لوگ میری بیعت کریں پھر مطالبہ قصاص دم عثمانؓ پیش کریں اس کے بعد اس کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا۔[1]

اور ابن العربی رحمہ اللہ نے شرح ترمذی میں اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں یہی مسئلہ بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

((وکان علی رضی اللہ عنہ یقول ادخل فی البیعة واحضر مجلس الحکم واطلب الحق تبلغه))

((فقال لهم علی رضی اللہ عنہ ادخلوا فی البیعة واطلب الحق تصلوا الیه))[2]

③ علمائے کرام نے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے پیش نظر یہ بات تھی کہ فریق مقابل ہمارے نزدیک اہل بغی میں سے ہے فلہٰذا جب تک یہ لوگ حق کی طرف رجوع نہ کریں ان کے ساتھ قتال لازم ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ:

((اذ حجة علی رضی اللہ عنہ ومن معه ما شرع لهم من قتال اهل البغی حتی یرجعوا الی الحق))[3]

فریق مقابل کا موقف

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت (جن میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے جو ملک شام میں مقیم تھے) کی رائے یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً شہید کیے گئے ہیں اور ان کے قاتلین علوی جیش میں موجود

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع اول مصر

[2] شرح ترمذی (ابن العربی مالکی) ص ۲۲۹ ج ۱۳ تحت شرح مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ
تفسیر قرطبی ص ۳۱۸ ج ۱۶ سورۃ الحجرات تحت مسئلہ رابعہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۰۱ جلد ۲ تحت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

[3] فتح الباری (ابن حجر) ص ۲۴۶ ج ۱۳ تحت باب ما یذکر من ذم الرای وتکلف القیاس
کتاب التمہید (ابوشکور سالمی) ص ۱۶۶، ۱۶۷ تحت القول السابع فی خروج معاویہ رضی اللہ عنہ طبع حزب الاحناف لاہور۔

ہیں ان سے قصاص لیا جائے، اور ہمارا مطالبہ صرف قصاص دم عثمانؓ کے متعلق ہے خلافت کے بارے میں ہمارا نزاع نہیں ہے۔

② نیز جب تک کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰؓ کے لشکر میں ہیں اور ان کو شرعی سزا نہیں دی جاتی اس وقت تک ہم بیعت نہیں کر سکتے۔ یا پھر دیگر صورت یہ ہے کہ قاتلین کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تا کہ ان سے قصاص لیا جا سکے۔

③ حاصل مقصد یہ ہے کہ امر خلافت آپ کے لیے ہم تسلیم نہیں کریں گے جب تک کہ اہل فساد اور اہل شر کو ختم نہ کیا جائے، جنھوں نے خلیفہ برحق کا محاصرہ کر کے انھیں ناحق شہید کیا ہے۔ یہ چیز دین کے معاملہ میں بڑی رخنہ انداز ہوئی ہے اور اہل اسلام میں خلل عظیم کا موجب ہے۔

مندرجات بالا کی تائید میں درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

① ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ذکر کیا ہے کہ:

((قال معاویة رضی اللہ عنہ ما قاتلت علیا الا فی امر عثمان))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ میرا قتال صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ہے۔''

② شیعہ کے ایک مشہور مورخ نصر بن مزاحم منقری نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہی قول نقل کیا ہے کہ

((واما الخلافة فلسنا نطلبها))[2]

''یعنی ہم اس مقام پر خلافت کے طلبگار نہیں۔''

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے علمائے کرام نے یہ وجہ تحریر کی ہے کہ:

((حجة معاویة ومن معه ما وقع معه من قتل عثمان مظلوما و وجود قتلته باعیانهم فی العسکر العراقی))[3]

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا لوگوں کی دلیل یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کر دیے گئے ہیں اور ان کے قاتلین بذات خود عراقی جیش میں موجود ہیں۔

---

1. مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۲ ج ۱۱ کتاب الامراء (کراچی)
2. واقعہ صفین (نصر بن مزاحم منقری شیعی) ص ۷۰ تحت کتاب معاویہ و عمرو رضی اللہ عنہما الی اہل المدینہ
3. فتح الباری (ابن حجر) ص ۲۴۶ ج ۱۳ کتاب الاعتصام باب ما یذکر من ذم الرای الخ
   تفسیر قرطبی ص ۳۱۸ ج ۱۶ تحت سورۃ الحجرات مسئلہ رابعہ

④ شیخ شعرانی اور صاحب مسامرہ وغیرہ رحمہم اللہ نے اصل نزاع کی وضاحت کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ:

((ولیس المراد بما شجر بین علی و معاویة رضی اللہ عنہما المنازعة فی الامارة کما توهمه بعضهم وانما المنازعة کانت بسبب تسلیم قتلة عثمان رضی اللہ عنہ الی عشیرته لیقتصوا منهم))[1]

''یعنی ان دونوں حضرات کے مابین خلافت میں نزاع نہیں تھا (جیسا کہ بعض کو وہم ہوا) بلکہ قاتلوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارثوں کے سپرد کر دینے میں تنازع تھا تاکہ وہ ان سے قصاص لے سکیں۔''

مندرجات بالا کی روشنی میں فریقین کے الگ الگ نظریات اور موقف سامنے آ گئے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ وجوہ کے جواب میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دلیل معذرت یہ ذکر کی گئی ہے کہ موجودہ حالات میں قاتلین کو شرعی سزا دینا یا فریق مقابل کے سپرد کرنا عظیم شر و فساد کا موجب ہوگا اور اس کی وجہ سے قبائل میں ایک اور انتشار اور اضطراب واقع ہوگا اور معاملہ نظم و ضبط سے خارج ہو جائے گا فلہٰذا اس معاملہ میں تعجیل کے بجائے تاخیر لازم ہے۔ اس چیز کو اکابر علماء نے یہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((لان علیا کان رای ان تاخیر تسلیمهم اصوب اذا المبادرة بالقبض علیهم مع کثرة عشائرهم واختلاطهم بالعسکر یؤدی الی اضطراب امر الامامة العامة))[2]

اس طرح ہر ایک فریق کے مواقف سامنے آ گئے لیکن یہ دونوں فریق اپنے اپنے نظریات پر شدت سے قائم رہے اور نتیجہ خیز امر سامنے نہ آ سکا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک چیز قابل وضاحت ہے اس کا ذکر کر دینا مفید سمجھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ شرعی قواعد کی رو سے مقتول کے قریبی ورثاء کو قصاص طلب کرنے کا حق ہوتا ہے اور یہی لوگ مطالبہ قصاص کے صحیح حقدار ہوتے ہیں۔ اس ضابطہ کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو

---

[1] کتاب الیواقیت والجواہر (شعرانی) ص ۷۷ ج ۲ تحت مبحث الرابع والاربعون فی بیان وجوب الکف الخ
المسامرہ (کمال بن ابی شریف) ص ۱۵۸-۱۵۹ ج ۲ تحت اا اصل الثامن فی فضل الصحابہ۔
الصواعق المحرقہ ص ۲۱۶ مع تطہیر الجنان تحت بحث ہذا

[2] الیواقیت والجواہر (شعرانی) ص ۷۷ ج ۲ تحت مبحث ۴۴ بیان وجوب الکف
الصواعق المحرقہ ص ۲۱۶ مع تطہیر الجنان تحت بحث ہذا

قصاص دم عثمانؓ کا مطالبہ پیش رکھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ فلہٰذا ان کا یہ اقدام ضابطہ کے اعتبار سے صحیح نہیں۔

اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے درج ذیل چیز پیش خدمت ہے:

مطالبہ قصاص دم عثمانؓ اٹھانے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند شامل تھے اور خاص طور پر حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی کبار علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے چنانچہ شیعہ کے اکابر علماء اور مصنفین نے اس مسئلہ کو تصریحاً ذکر کر کے اشکال رفع کر دیا ہے ذیل میں حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

سلیم بن قیس ہلالی شیعی کہتے ہیں کہ:

((ان معاوية يطلب بدم عثمان و معه ابان بن عثمان وولد عثمان))[1]

''یعنی دم عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابان بن عثمان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دیگر فرزند شامل تھے۔ مطالبہ ہذا کے معاملہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منفرد اور اکیلے نہیں تھے۔''

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ اور ان کی جماعت کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے وضاحت کی تھی کہ

((انا ابن عمه وانا اطلب بدمه وامره الى...... الخ))[2]

''یعنی میں مقتول مظلوم خلیفہ کے چچا کا بیٹا ہوں اور یہ معاملہ (والیوں کی طرف سے) میرے سپرد کیا گیا ہے اس بنا پر میں مقتول کے خون کے قصاص کا مطالبہ کر رہا ہوں۔''

ان تصریحات کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ از روئے ضابطہ درست ہے اور اقدام صحیح ہے۔

پس اس اشتباہ کو شیعہ کے کبار علماء اور اہل سنت کے مصنفین نے رفع کر دیا ہے اب اس پر مزید کسی جواب کی حاجت نہیں۔

ناظرین کرام کی معلومات میں اضافہ کے لیے اتنی بات مزید درج ہے کہ سلیم بن قیس ہلالی کو شیعہ کے علماء اصحاب امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں شمار کرتے ہیں تو اس استشہاد سے زیادہ پختہ اور کیا بات ہو سکتی ہے؟

بعض لوگوں کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ قصاص کو غیر آئینی اقدام قرار دینا ان کی معلومات کی کمی کی بنا پر ہے اور ان کے وسعت مطالعہ کا یہ پہلو خاصا کمزور ہے۔ ورنہ یہ معاملہ کوئی قابل اعتراض نہیں ہے اور ہرگز اصول شرعی کے خلاف نہیں بلکہ مطابق ہے۔

---

[1] کتاب سلیم بن قیس الکوفی الہلالی الشیعی العامری ص ۱۵۳ مطبوعہ نجف اشرف تحت بحث معاویہ قراء الشام وقضاتہم۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

فریقین میں صلح کی مساعی

ہر دو فریق کے درمیان اس دور کے بعض اکابر حضرات نے رفع نزاع کی کوششیں کیں۔ ان میں سے بعض کاوشوں کا ہم یہاں مختصراً ذکر کرتے ہیں:

① ایک تو یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ایک مراسلہ دے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب روانہ فرمایا۔

خط کا مضمون یہ تھا کہ مہاجرین و انصار (رضی اللہ عنہم) نے ہماری بیعت کر لی ہے۔ آپ کو اور آپ کے علاقہ کے لوگوں کو اس بیعت میں داخل ہونا چاہیے۔ واقعہ جمل اسی نزاع کی وجہ سے پیش آ چکا ہے۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ملک شام جا کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ خط پیش کیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر اہل شام کو اس خط سے مطلع کرنے کے بعد مشورہ طلب کیا تو ان حضرات نے بیعت سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کیا جائے یا قاتلین کو ہمارے حوالے نہ کیا جائے ہم ہرگز بیعت نہیں کریں گے۔

((وبعثه وكتب معه كتابا الى معاوية رضي الله عنه يعلمه باجتماع المهاجرين والانصار على بيعته ويخبره بما كان فى وقعة الجمل ويدعوه الى الدخول فيما دخل فيه الناس...... فلما انتهى اليه جرير بن عبدالله اعطاه الكتاب فطلب معاوية عمرو بن العاص ورءوس اهل الشام فاستشارهم فابوا ان يبايعوا حتى يقتل قتلة عثمان رضي الله عنه او ان يسلم اليهم قتلة عثمان رضي الله عنه...... الخ))[1]

اور جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس جواب سے آگاہ کر دیا۔

عزلت نشینی

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جب اس مسئلے میں ناکام ہو گئے تو انھوں نے فریقین سے الگ ہو کر قرقیسیا کے مقام پر عزلت نشینی اختیار کر لی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطلع کر دیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کی شرائط کو قبول نہیں کیا۔[2]

((ثم سكن جرير رضي الله عنه الكوفة وارسله على رضي الله عنه رسولا الى معاوية رضي الله عنه ثم

---

1. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۳ ج ۷ تحت وقعۃ الصفین
تاریخ طبری، ص ۲۳۵ ج ۵ تحت توجیہ علیؓ جریرؓ بن عبداللہ الخ

2. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۳ ج ۷ تحت وقعۃ الصفین
اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۱۶۱ تحت بحث ہذا

اعتزل الفريقين وسكن قرقيسيا حتى مات سنة احدى وقيل اربع وخمسين))[1]

''یعنی اس مراسلت اور پیغام رسانی کے بعد حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فریقین سے غیر جانبدارانہ طور پر الگ ہو کر قرقیسیا کے مقام پر سکونت پذیر ہو گئے حتیٰ کہ (علیٰ اختلاف الاقوال) ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔''

یہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آدمی تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ردعمل سے ان کا ان سے علیحدہ ہو جانا بتلاتا ہے کہ اب وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ موقف میں کچھ وزن محسوس کرنے لگے تھے۔

② اسی طرح ایک مشہور تابعی عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ نے اپنے دیگر احباب (علقمہ بن قیس، عامر بن عبد قیس، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود وغیرہم) کے ہمراہ کوشش کی کہ فریقین میں رفع نزاع کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ چنانچہ یہ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس مسئلے کے لیے پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کا اس سلسلہ میں کیا مطالبہ ہے؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ درپیش ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاں قاتلین پناہ لیے ہوئے ہیں اس بنا پر ہم ان سے یہ مطالبہ کیے ہوئے ہیں۔

پھر یہ مطالبہ ان حضرات نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا کر عرض کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((والله ما قتلت ولا امرت ولا ماليت))[2]

''یعنی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے نہ میں نے اس بات کا حکم دیا ہے اور نہ میں نے اس چیز پر قاتلین سے تعاون کیا ہے۔''

قاتلین اپنی تاویلات فاسدہ کی بنا پر اس فتنہ میں پڑ گئے اور انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو میری خلافت سے قبل قتل کر دیا۔ میرا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے جواب میں تقاضا کرتے تھے کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے جنود و جیوش میں موجود ہیں ان سے قصاص دلایا جائے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل سے براءت کے بعد ان کا اپنی بیعت اور اطاعت کا مطالبہ مقدم تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے قصاص دم عثمان کا تقاضا پیش پیش تھا۔ اس

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۳۴ ج ا تحت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۸ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ بحث ہذا

جدوجہد کے باوجود کوئی مابہ الاتفاق چیز سامنے نہ آسکی جس پر نزاع ختم ہوسکتا۔

(۳) اس موقع پر کبار علماء نے ایک اور کوشش کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ:

ایک بزرگ ابومسلم خولانی رحمہ اللہ ہیں جو اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت میں مشہور تھے انھوں نے بھی اپنے احباب کے ہمراہ جذبہ اخلاص کے تحت اس مسئلہ میں رفع اختلاف کی کوشش کی۔

چنانچہ ابومسلم خولانی رحمہ اللہ اپنے احباب کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ خلافت کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تنازع کرتے ہیں کیا آپ ان کے ہم پایہ ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں ان کا ہم مرتبہ نہیں ہوں وہ مجھ سے افضل ہیں اور امر خلافت میں بھی زیادہ حقدار ہیں لیکن کیا تم جانتے نہیں ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کیے گئے ہیں؟ اور میں ان کا قریبی رشتہ دار، چچا کا بیٹا ہوں اور میں ان کے خون کے قصاص کا طالب ہوں۔ تم جناب علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ قاتلین عثمان ہمارے سپرد کر دیں، ہم امر خلافت ان کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور مذکورہ گفتگو ان کی خدمت میں ذکر کی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان کو ان کے حوالے نہیں کیا۔

اور اس مقام پر بعض روایات میں اس طرح بھی مذکور ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ وہ بیعت میں داخل ہو جائیں اور اطاعت قبول کر لیں اس کے بعد یہ مسئلہ میرے ہاں پیش کریں اور فیصلہ طلب کریں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس چیز پر آمادہ نہ ہوئے۔

چنانچہ ابن عساکر، ابن کثیر، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ رحمہم اللہ علماء نے اس گفتگو کو اپنے اپنے الفاظ میں ذکر کیا ہے:

((جاء ابومسلم الخولانی واناس معه الی معاویه رضی اللہ عنہ فقالوا له انت تنازع علیا رضی اللہ عنہ ام انت مثله؟ فقال معاویة رضی اللہ عنہ لا والله انی لاعلم ان علیا افضل منی وانه لاحق بالامر منی ولکن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن عمه وانما اطلب بدم عثمان فاتوه فقولوا له فلیدفع الی قتلة عثمان رضی اللہ عنہ واسلم له فاتوا علیا رضی اللہ عنہ فکلموه بذالك فلم یدفعهم الیهم))[1]

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۱۰۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
البدایہ ص ۱۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
سیر اعلام النبلاء، (ذہبی) ص ۹۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۱۶۸ ج ۲ تحت وقعۃ الصفین سنہ ۳۷ھ طبع مصر
عقیدۃ سفارینی ص ۳۲۸-۳۲۹ ج ۲ تحت قتل عمار و القول فی المعاویہ

اور بعض روایات میں مندرجہ بالا مضمون کے ساتھ مزید یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔

((ویحاکمهم الی فامتنع معاویة رضی اللہ عنہ))[1]

رفع نزاع کے لیے ناظرین کرام کے سامنے متعدد مساعی ذکر کر دی گئی ہیں۔ ان حضرات کی جانب سے یہ مخلصانہ کدو کاوش تھی جو نتیجہ خیز نہ ہو سکی اور فریقین اپنے اپنے موقف سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے اس کے بعد حالات میں روز بروز اور شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔

فسادیوں کا کردار

اس موقع پر مخلصین حضرات کے علاوہ عوامی قسم کے بہت سے شریر عناصر بھی یہاں موجود تھے جن کی منازعت کے ہولناک عواقب اور خطرناک انجام پر نظر نہیں تھی یہ لوگ اپنی ''جبلی شر پسندی'' اور ''فطرتی فساد انگیزی'' سے باز نہیں رہ سکتے تھے چنانچہ ان عناصر نے جانبین کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے بجائے ان میں اور بدظنی پھیلائی اور انھیں ایک دوسرے سے دور کیا اور معاملہ سلجھانے کے بجائے الجھا دیا اور صلح کے بجائے قتال قائم رکھنے پر اصرار کیا۔

ان مفسدین نے اہل اسلام میں ایک عظیم فساد برپا کر دیا جس کے مضر اثرات سے امت مسلمہ نہ بچ سکی اور اس کے مہلک نتائج سے قوم محفوظ نہ رہی اور ان واقعات کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے اختلافی مباحث کا ایک باب مفتوح ہو گیا جس کے انسداد کی کوئی صورت نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ باہمی مساعی اور مراسلت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور شریروں کی شر انگیزیوں کی وجہ سے فریقین میں اختلاف اور شدید ہوتا گیا جو اس دور کے اندوہناک واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فتراسلوا فلم يتم لهم امر فوقع القتال الى ان قتل من الفريقين))[2]

''یعنی جانبین میں مراسلت ہوئی لیکن کسی بات پر معاملہ تمام نہ ہو سکا تو قتال واقع ہوا اور فریقین سے لوگ مقتول ہوئے۔''

جنگی تفصیلات سے اجتناب

کتب تاریخ میں جنگ صفین کی بہت کچھ طول طوال تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔ ان طویل واقعات کو ذکر کرنا موضوع کو بلا مقصد طویل کرنا ہے۔ پھر ان میں واقعات کی نوعیت، تعداد شرکاء اور ان کے جیوش کی تعداد، پھر ان کے امرا کا تقرر، پھر محاذ جنگ میں جنگی تفصیلات اور مقتولین جانبین کی تعداد وغیرہ یہ سب چیزیں مختلف

---

[1] فتح الباری شرح بخاری شریف (ابن حجر عسقلانی) ص ۷۲-۷۳ ج ۱۳ تحت کتاب الفتن بعد از باب خروج النار۔

[2] فتح الباری شرح بخاری ص ۷۳ ج ۱۳ تحت بحث ہذا (کتاب الفتن)

فیہ امور ہیں اور ان کا ذکر متنوع تعبیرات کے ساتھ پایا جاتا ہے اور ان متخالف امور میں کوئی توجیہ وتطبیق پیدا کر لینا اور واقعات کی نئے سرے سے جانچ پڑتال نہ صرف یہ کہ بے فائدہ ہے بلکہ ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر ہے اور حلقہ انضباط سے خارج ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات کی وادی تفصیلات میں قدم رکھنا پھر ان کی وسعتوں کو سلامتی سے طے کر لینا کوئی سہل امر نہیں ہے بلکہ صعب تر ہے اور ''محالات عادیہ'' کے درجہ میں ہے۔ فلہٰذا اکبار علماء نے اس میں جو اجمال اختیار کیا ہے ہم نے اس پر اکتفا کرنا بہتر خیال کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اگرچہ طبری سے کم تفصیلات درج کی ہیں لیکن پھر بھی قتال کے کچھ واقعات لکھے ہیں اور اس کے باوجود وہ بعض مقامات پر تحریر کرتے ہیں کہ:

((فقتل فی هذا الموطن خلق کثیر من الفریقین لا یعلمهم الا الله وقتل من العراقیین خلق کثیر ایضا))[1]

اور ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ:

((فقتل خلق کثیر من الاعیان من الفریقین فانا لله وانا الیه راجعون))[2]

ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ ان مواضع میں فریقین کی جانب سے بہت سے لوگ مقتول ہوئے جن کی صحیح تعداد اللہ جل شانہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

البتہ اتنی چیز ذکر کر دینے میں حرج نہیں ہے کہ فریقین کی طرف سے جن اکابر کی اس قتال میں شہادت ہوئی ہے ان میں جناب عمار بن یاسر، خزیمہ بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے تھے اور اس معرکہ میں ان کی شہادت ہوئی۔ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی حدیث شریف میں موجود ہے۔ مزید اس کا تذکرہ ان شاء اللہ آئندہ اپنے مقام پر پیش کیا جائے گا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت سے عبیداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ذوالکلاع اور حوشب وغیرہم اہل عراق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

جنگ صفین میں متعدد اکابر حضرات کی شہادت ہوئی جیسا کہ اجمالاً سطور بالا میں لکھا ہے لیکن ان کے اسماء کی تصریحات نہیں تحریر کی جا رہیں۔ اور مندرجہ بالا بزرگوں (حضرت عمار رضی اللہ عنہ، ذوالکلاع وحوشب) کے نام ذکر کر دینے میں ایک خاص وجہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ان مباحث کے آخر میں درج ہو گی کچھ انتظار فرمائیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۱ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ بحث صفین

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶۵ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ تحت واقعات صفین

تحکیم

صفین کے مقام پر فریقین کے درمیان شدید قتال واقع ہوا۔ بقول بعض مورخین چہار شنبہ، پنجشنبہ، جمعہ اور شب شنبہ ابتدائے ماہ صفر ۳۷ھ کے اوقات اس جنگ میں مشکل ترین لمحے تھے اور ان ایام میں سخت لڑائی ہوئی۔[1]

اس موقع پر اہل شام کی طرف سے قتال ختم کرنے کے لیے یہ تدبیر کی گئی کہ "اللہ کی کتاب کا فیصلہ فریقین کو تسلیم کر لینا چاہیے۔" چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ پیش کش کی گئی اور آنجناب نے مصالحت کی اس دعوت کو قبول کر لیا۔ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق دونوں فریق عمل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لڑائی بند کر دی گئی اور یہ طے ہوا کہ ہر ایک فریق کی طرف سے ایک ایک حکم (ثالث) اس مسئلہ کے فیصلہ کے لیے مقرر کیا جائے۔

بنا بریں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حکم منتخب ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ثالث تسلیم کر لیے گئے۔[2] کتاب اللہ کی روشنی میں یہ حضرات جو فیصلہ کریں وہ منظور ہو گا۔ اور اس طرح طے ہوا کہ ہر دو فریق کے یہ دونوں ثالث حضرات دومۃ الجندل کے مقام پر مجتمع ہو کر فیصلے کا اعلان کریں۔

اور بعض علماء نے تحریر کیا ہے کہ "اذرح"[3] نامی دومۃ الجندل کے قریب ایک مقام تھا اس میں فیصلہ تحکیم تجویز کیا گیا اور علیٰ اختلاف الاقوال یہ واقعہ ۱۰ یا ۱۳ صفر ۳۷ھ کا ہے۔

خوارج کی ابتدا

اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے بعض لوگوں نے آنجناب کے حکمین تسلیم کر لینے کو غلط قرار دیا اور اس فیصلہ کے خلاف رائے کا اظہار کیا اور سختی سے کہا کہ حکمین کو تسلیم کرنا شرعاً درست نہیں ہے اور اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کا نعرہ لگا کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت سے الگ ہو گئے اور آپ کے

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶۱ ج ۷ تحت حالات صفین سنہ ۳۷ھ

۲۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۳، ۱۷۴ ج ا تحت سنہ ۳۷ھ
العبر (ذہبی) ص ۴۳ ج ا تحت سنہ ۳۷ھ
طبقات ابن سعد ص ۲۱ ج ۳ تحت ذکر تحکیم الحکمین
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۲ ج ۷ تحت بحث واقعہ صفین ۳۷ھ
طبقات ابن سعد ص ۴ ج ۴ ق ۲ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

۳۔ معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۴۸۸ ج ۸ تحت دومۃ الجندل
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۳، ۱۷۴ ج ا تحت سنہ ۳۷ھ

ساتھ تعاون سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ایک الگ مقام پر جا ٹھہرے جسے ' حروراء' کہتے تھے اور بقول بعض مورخین یہ جماعت بارہ ہزار کے قریب تھی۔ ان کو خوارج کہا جاتا ہے۔

((وابوا ان یساکنوه فی بلده ونزلوا بمكان یقال له "حروراء" وانكروا علیه اشیاء فی ما یزعمون انه ارتكبها))[۱]

"یعنی ان لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شہر میں سکونت اختیار کرنے کو بھی گوارا نہ کیا اور حروراء کے مقام پر اقامت اختیار کی اور اپنے زعم میں انھوں نے آنجناب پر کئی چیزوں کے ارتکاب کے اعتراضات قائم کر لیے۔"

ایک وضاحت

علمائے کرام تو اس چیز سے واقف ہیں لیکن عام ناظرین کے لیے ذکر کر دینا مفید ہے کہ یہ خارجی طبقہ اپنی کج فکری اور شدت ذہنی کی بنا پر جس طرح سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے، اسی طرح یہ لوگ حضرت عثمان، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کے بھی سخت خلاف تھے اسی وجہ سے ان لوگوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر یورش کی پھر اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم ہر سہ حضرات پر ایک پروگرام کے تحت قاتلانہ حملے کیے۔ یہ واقعات اپنے مقام پر ذکر کیے جائیں گے ان شاء اللہ۔

چنانچہ واقعہ تحکیم پیش آنے کے بعد ہر ایک فریق اپنے اپنے بلاد کی طرف واپس ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ آ گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت بلاد شام کی طرف واپس ہوئے۔

اس واقعہ تحکیم کے اثرات یہ تھے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں اس مسئلہ پر افتراق و انتشار واقع ہو گیا تھا (جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے) اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت اور اہل شام میں سکون تھا اور اس مسئلہ میں کوئی اضطراب و اختلاف نہیں تھا۔

((ورجع علی رضی اللہ عنہ الكوفة باصحابه مختلفین علیه۔ ورجع معاویة رضی اللہ عنہ الی الشام باصحابه متفقین علیه))[۲]

اور اپنے اپنے بلاد کی طرف فریقین کی یہ واپسی صفر ۳۷ھ میں پیش آئی۔ بعدہ درمیان میں چند ماہ وقفہ رہا اور مراسلت جاری رہی اور فیصل حضرات کے متعین مقام دومة الجندل (اذرح) میں مجتمع ہونے کے لیے

---

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۸ ج ۷ تحت خروج الخوارج

۲ نصب الرایہ (زیلعی) ص ۷۰ ج ۴ کتاب البیوع تحت الحدیث الخامس
طبقات ابن سعد ص ۲۱ ج ۳ بحث تحکیم الحکمین طبع لیڈن

کوششیں ہوتی رہیں۔

اجتماع فریقین اور فیصلہ میں ناکامی

آخرکار دونوں فریق رمضان المبارک ۳۷ھ میں دومۃ الجندل (اذرح) کے مقام پر مجتمع ہوئے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ ان کی جانب سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما شریک مجلس ہوئے اور دیگر ان کے ہم نوا حضرات ساتھ تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود شامل اجتماع ہوئے اور ان کے ہم خیال احباب بھی شریک ہوئے۔

فریقین کے منتخب فیصل حضرات* حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مقام مذکور پر تشریف لائے۔ مزید جو اکابرین امت اس موقع پر شامل ہوئے تھے ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان میں سے بعض کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، مغیرہ بن شعبہ، عبدالرحمٰن بن حارث مخزومی، ابوجہم بن حذیفہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر وغیرہم رضی اللہ عنہم۔[1]

اس مقام پر مورخین کے بیانات بہت کچھ مختلف ہیں۔ بنا بریں حقیقت واقعہ کے مطابق مسئلہ کو صاف کر لینا سہل کام نہیں ہے تاہم اتنی چیز ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ جب دونوں فیصل حضرات جمع ہوئے تو انھوں نے مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر اور خیر اندیشی کی خاطر غور و فکر فرمایا۔ دونوں بزرگوں کی رائے یہ ہوئی کہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو اپنے مناصب سے الگ کر دیا جائے اور یہ معاملہ پھر سے اکابرین امت کی صوابدید پر چھوڑا جائے۔ وہ جس شخصیت کو اس منصب کے لائق تر سمجھیں اس کو منتخب کر لیں۔ انتخاب میں مذکور حضرات میں سے کسی ایک پر اتفاق کریں یا ان کے ماسوا کسی دوسرے شخص کو تجویز کر لیں۔

((فلما اجتمع الحكمان تراوضا على المصلحة للمسلمين ونظرا فى تقدير امور ثم اتفقا على ان يعزلا عليا و معاوية رضي الله عنهما ثم يجعلا الامر شورى بين الناس يتفقوا على الاصلح لهم منهما او من غيرهما))[2]

یہاں ان دونوں حکمین کی رائے کا ذکر بعض مورخین نے اس طرح کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو والی بنانے کی طرف اشارہ کیا جبکہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو والی بنانے کی رائے پیش کی کہ وہ بھی علم و عمل اور زہد میں ایک مقام کے حامل تھے۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ آدمی تو صادق اور صحیح ہیں لیکن آپ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۱-۲۸۲ ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین ۳۷ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۲ ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین۔

نے اپنے فرزند کو ان فتنوں میں ملوث کر دیا ہے۔

((وقد اشار ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بتولیة عبدالله بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما فقال له عمرو رضی اللہ عنہ: فول ابنی عبدالله فانه یقاربه فی العلم والعمل والزهد۔ فقال له ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انك قد غمست ابنك فی الفتن معك وهو مع ذالك رجل صدق))[1]

اور بعض دیگر مورخین کے نزدیک حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا جائے مگر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اس رائے سے متفق نہیں ہوئے۔ اس طرح مزید اس مسئلہ میں بحث وتمحیث چلتی رہی لیکن ان امور میں اختلاف آراء کی بنا پر انتشار واقع ہو گیا اور کوئی متفق فیصلہ ھو سکا اور تحکیم نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی۔ اصلاح بین المسلمین کی یہ آخری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ اس چیز کو خلیفہ ابن خیاط (جو طبری سے قدیم ترمورخ ہیں) نے مختصر الفاظ میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فلم یتفق الحکمان علی شیء وافترق الناس)) [2]

"یعنی دونوں فیصل حضرات کسی ایک چیز پر متفق نہ ہو سکے اس بنا پر لوگوں میں افتراق وانتشار واقع ہو گیا اور لوگ مختلف ہو گئے۔"

ان حالات میں فریقین اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ واپس چلے گئے اس کے بعد اہل شام نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر جا کر بیعت خلافت کی۔ اس سے قبل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے بیعت خلافت نہیں لی تھی اور نہ خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

((وبایع اهل الشام لمعاویة رضی اللہ عنہ بالخلافة فی ذی القعدة سنة سبع وثلاثین)) [3]

"یعنی اہل شام نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر ذی القعدہ ۳۷ھ میں بیعت خلافت کی۔"

اس سے قبل وہ اپنے سابقہ منصب امیر شام پر فائز تھے جو ان کو سابق خلفاء کی جانب سے حاصل تھا۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے قرۃ العینین (ص ۲۷۸ طبع دہلی) میں یہ چیز اس طرح ذکر کی ہے کہ:

"معاویہ قبل تحکیم ادعاء خلافت نہ کردہ بود و بیعت خلافت نگرفتہ۔"

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۲، ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین۔

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۴ ج ۱ تحت وقعۃ الصفین ۳۷ھ (التوفی ۲۴۰ھ)

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط (التوفی ۲۴۰ھ) ص ۱۷۴ ج ۱، تحت وقعۃ الصفین ۳۷ھ

تاریخ ابن خلدون ص ۱۱۲۵ ج ۲ تحت ولایہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

ایک تشریح

تحکیم کے موقع پر مورخین اور ان کے بعض رواۃ نے جو تعبیریں اختیار کی ہیں وہ حقائق و واقعات کے خلاف ہیں ان کے متعلق یہاں ایک انتباہ ذکر کر دینا مفید ہے۔

انتباہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ معاملات میں ظاہر بین تھے اور سیاسی بصیرت کے حامل نہیں تھے۔ نیز وہ معاملہ فہمی میں زیرک نہیں تھے۔

اور اسی طرح کئی مورخین حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو واقعہ ہذا میں ''خداع اور مکار'' شخص کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ سب بیان کرنے والوں کی اپنی قبیح تعبیریں ہیں جو ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں تنقیص کا موجب بنتی ہیں اور تحقیر کا تاثر دیتی ہیں۔ سو یہ روایات کسی صورت میں صحیح نہیں۔

اس مقام پر پہلے ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری اور جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے باہم مکالمہ کی روایات پر نقد اور تجزیہ پیش کرتے ہیں، جن کی بنا پر لوگوں نے ان ہر دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو مورد الزام ٹھہرایا اور ان کی تحقیر و تنقیص کے درپے ہوئے۔

اس کے بعد ہم ان حضرات کے مقام و مرتبہ کو اختصاراً بیان کر کے ان کے حق میں صفائی پیش کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اس سلسلے میں عموماً طبری کی روایات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جن کے رواۃ پر اہل فن نے جرح اور تنقید ذکر کی ہے۔ فلہذا یہ روایتیں درجہ اعتماد سے ساقط ہیں۔

سند پر کلام

طبری کی ان روایات کا بنیادی راوی ابومخنف لوط بن یحییٰ ہے۔ یہ شخص علمائے رجال کے نزدیک سخت قسم کا شیعہ اور رافضی ہے ضعیف ہے اور کچھ قابل اعتماد نہیں، اخباری آدمی ہے۔

((لوط بن یحیی ابو مخنف اخباری لا یوثق به...... تالف لا یوثق به...... ترکه ابوحاتم وغیره۔ قال الدارقطنی ضعیف، قال یحیی بن معین (مره) لیس بشیء۔ قال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارهم))[1]

مطلب یہ ہے کہ ابومخنف ناقابل اعتماد ہے متروک ہے بیکار ہے، صحابہ کے نام سے چلنے والا ہے شیعہ

---

[1] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۴۱۹، ۴۲۰ ج ۳ طبع بیروت، تحت لوط بن یحییٰ
لسان المیزان (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۹۲ ج ۴ تحت لوط بن یحییٰ (طبع دکن)

ہے روایتیں چلانے والا اخباری ہے (اور قصہ گو راوی ہے) اور قصہ گو لوگوں کے بیانات قابل تسلیم نہیں ہوتے۔

طبری کی ان روایات کا دوسرا راوی ابو جناب کلبی یحییٰ بن ابی حیہ ہے۔ یہ شخص اہل فن کے نزدیک مندرجہ ذیل جرح ونقد کے ساتھ مجروح ومقدوح ہے۔ابن حبان رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں:

((کان ممن یدلس عن الثقات۔ ما سمع من الضعفاء فالتزق به المناکیر التی یرویها عن المشاهیر۔ قال (یحیی بن سعید القطان) لیس بشیء۔ قال (یحیی بن معین) کان ضعیفا))[1]

اسی ابو جناب کلبی پر ابن عدی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل جرح اور نقد کیا ہے:

((متروك الحدیث...... کوفی ضعیف...... وهو من جملة المتشیعین بالکوفة))[2]

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ:

((قال یحیی بن سعید القطان لا استحل ان لروی عنه۔ قال النسائی والدارقطنی ضعیف...... کان یدلس))[3]

مندرجہ بالا تنقیدات کا حاصل یہ ہے کہ:

یہ شخص مدلس تھا اور ضعیف راویوں سے جو کچھ سنتا اس چیز کو ثقات کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیتا تھا۔ اس طرح اس نے مشاہیر لوگوں سے منکر روایات نقل کی ہیں۔علمائے فن کے نزدیک یہ شخص ضعیف ہے بلکہ کسی درجہ میں نہیں اور اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ یہ شخص شیعان کوفہ میں سے تھا اور یحییٰ قطان رحمہ اللہ اس کے متعلق فیصلہ دیتے ہیں کہ میں اس شخص سے روایت نقل کرنا حلال نہیں سمجھتا۔

مختصر یہ ہے کہ اس مقام کی روایات کے مرکزی رواۃ مندرجہ بالا جرح کے ساتھ مجروح اور مقدوح ہیں اور اہل فن کے نزدیک نہایت غیر معتمد اور نا قابل اعتبار ہیں۔

پس ان روایات کی روشنی میں مذکورا اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف جو تنقیص وتحقیر کی جاتی ہے وہ سراسر افترا اور دروغ گوئی ہے۔اس قسم کے تاریخی اور اخباری ملغوبات کی بنا پر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔

اب ہم سطور ذیل میں ان ہر دو صحابہ کرام کے دینی مقام کو واضح کرنے کے لیے چند ایک چیزیں پیش

---

[1] کتاب المجروحین (ابن حبان) ص ۲۷ ج ۳ تحت یحییٰ بن ابی حیہ (طبع دکن)
[2] الکامل (ابن عدی) ص ۲۶۶۹، ۲۶۷۰ ج ۷ تحت یحییٰ بن ابی حیہ
[3] میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۷۱ ج ۴ تحت یحییٰ بن ابی حیہ (طبع بیروت)

کرتے ہیں جن سے ان حضرات کی اہلیت وصلاحیت اور دیانت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے اور یہ چیزیں ان کی عدالت پر شواہد کے درجہ میں ہیں۔ ان کے ملاحظہ کر لینے کے بعد ایک منصف مزاج اور حق پسند آدمی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر اس قسم کے مطاعن وارد کرنے کا ہرگز روادار نہیں ہوگا بلکہ تحکیم کے موقع کے حالات کو ان کے فکری اختلاف اور اجتہادی رائے کے تنوع پر محمول کرے گا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری (عبداللہ بن قیس) رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب سے ان کے تراجم مملو ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ آپ جلیل القدر اور فاضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

① آپ متعدد بار اسلامی حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے حتیٰ کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بعض علاقوں (زبید، عدن) پر عامل اور والی مقرر فرمایا۔

② اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ اور کوفہ کا والی بنایا۔

((استعمل رسول اللہ ﷺ ابا موسیٰ الاشعری (عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ) علی زبید وعدن۔ ثم ولی الکوفۃ والبصرۃ لعمر رضی اللہ عنہ))[1]

③ بعدہٗ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اہل کوفہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کسی معاملہ میں اختلاف کی بنا پر کوفہ سے نکال دیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر کریں۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر فرمایا اور آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کوفہ کے عامل اور والی رہے۔

((وفیھا (سنۃ ۳۴ھ) اخرج اھل الکوفۃ سعید بن العاص وولوا ابا موسیٰ الاشعری وکتبوہ الی عثمان رضی اللہ عنہ یسالونہ ان یولی ابا موسیٰ فولاہ))[2]

یہ چیزیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی فطری اہلیت اور طبعی صلاحیت پر دال ہیں۔ کسی سطحی آدمی اور سادہ لوح شخصیت کو ایک وسیع علاقہ کی حکومت سپرد نہیں کی جاتی اور نہ اس کو امیر اور والی مقرر کیا جاتا ہے۔ نیز جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو تسلیم ومنظور کر لینا ان کی دیانت وامانت ولیاقت کی بڑی قوی دلیل ہے۔

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۵۵ ج ۲ تحت ترجمہ ابوموسیٰ اشعری عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۴۵ ج ۱ تحت سنہ ۳۴ھ

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۷ ج ۱ تحت تسمیہ عمال عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

اسی طرح حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی دیانت، امانت اور صداقت اسلام میں مسلمات میں سے ہے اور بے شمار فضائل و کمالات کے یہ حامل ہیں۔

① نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "عمرو بن عاص قریش کے صالحین میں سے ہیں۔"

((قال طلحة بن عبيدالله رضي الله عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ان عمرو بن العاص من صالحي قريش))[1]

② نیز آپ کی دیانت کی یہ زبردست دلیل ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے علاقہ پر ان کو عامل مقرر فرمایا اور آپ پورے عہد نبوی میں وہاں عامل رہے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو ولایت عمان سے تبدیل نہیں فرمایا۔

((واستعمله رسول الله صلى الله عليه وسلم على عمان فلم يزل عليها مدة حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم واقره عليها الصديق رضي الله عنه))[2]

③ اسی طرح عہد نبوت کا ایک دیگر واقعہ محدثین نے ذکر کیا ہے۔ اس سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مقام دیانت اور اخلاص مزید واضح ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خود ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگی مہم پیش آئی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف فرمان دے کر آدمی بھیجا کہ عمرو بن عاص سے جا کر کہو کہ وہ اپنی تیاری کے ساتھ ہتھیار اور جنگی لباس پہن کر ہمارے پاس پہنچے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تیاری کر کے حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے۔ میرے حاضر ہونے پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم تجھے ایک خاص مہم پر بھیجنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں تجھے سلامت رکھے گا اور مال غنیمت عنایت فرمائے گا اور ہم اس مال میں سے تجھے بھی عنایت کریں گے۔

((فقلت يا رسول الله! ما كان هجرتي للمال وما كانت الا لله ولرسوله قال نعما بالمال الصالح للرجل الصالح۔ رواه في شرح السنة وروى احمد نحوه وفي روايته نعم المال الصالح للرجل الصالح))[3]

---

[1] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر جزری) ص ۱۱۷ ج ۴ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶ ج ۸ بحوالہ ترمذی تحت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ

[3] مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۶ فصل ثانی، باب رزق الولاۃ وہدایاہم، طبع نور محمدی دہلی۔

اور بعض روایات میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ:

((قلت یا رسول الله! انی لم اسلم رغبة فی المال انما اسلمت رغبة فی الجهاد والکینونة معك قال یا عمرو نعما بالمال الصالح للمرء الصالح))[1]

''یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے مال کے لیے ہجرت نہیں کی بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی اور جہاد کے لیے ایمان لایا اور ہجرت کی۔''

بقول بعض روایات ''میں نے اس لیے ہجرت کی تھی کہ مجھے جناب کی معیت نصیب رہے'' تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عمرو! پاک اور حلال مال نیک اور صالح شخص کے لیے عمدہ ہوتا ہے۔''

❀ اسی طرح مسند امام احمد میں دور نبوت کا ایک واقعہ درج ہے۔ وہ بھی قابل لحاظ ہے۔

ایک بار سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دو شخص اپنا ایک تنازع (کیس) لے کر حاضر ہوئے۔ اتفاقاً عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ارشاد فرمایا کہ ان متخاصمین کے درمیان تنازع کا فیصلہ تم کرو۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس معاملہ میں آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگرچہ میں زیادہ اولیٰ ہوں (پھر بھی تم ہی فیصلہ کرو) اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے (بطور استفادہ اور طلب وضاحت کے) عرض کیا کہ اگر میں ان کے مابین تنازع کا فیصلہ کروں تو یہ میرے لیے کس طرح سودمند ہوگا؟ ان کی اس گزارش پر بطور قاعدہ کے ارشاد نبوت ہوا کہ (واقعہ ہذا کی عبارت اس طرح ہے)

((عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنهما عن عمرو بن العاص رضی الله عنه قال جاء رسول الله صلی الله علیه وسلم خصمان یختصمان فقال لعمرو اقض بینهما یا عمرو! فقال انت اولی بذالك منی یا رسول الله! قال وان کان قال فاذا قضیت بینهما فما لی؟ قال ان انت قضیت بینهما فاصبت القضاء فلك عشر حسنات وان انت اجتهدت فاخطأت فلك حسنة))[2]

---

[1] فضائل الصحابہ، امام احمد ص ۹۱۲ ج ۲ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
روایت ہذا کا مضمون درج ذیل مقامات پر بھی ہے:
مسند امام احمد ص ۱۹۷ ج ۴ تحت حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)
مسند امام احمد ص ۲۰۲ ج ۴ تحت بقیہ حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

[2] مسند احمد ص ۲۰۵ ج ۴ تحت بقیہ حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

''یعنی اگر تم نے ان کے مابین درست اور صحیح فیصلہ کیا تو تمھارے لیے دس نیکیاں ہوں گی اور اگر تم نے اپنے اجتہاد میں خطا کی تو پھر بھی تمھارے لیے ایک نیکی ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ مندرجات بالا سے واضح ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نبوت میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک نہایت صالح مخلص اور دیانتدار شخص تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے دو متخاصمین کے تنازع کا فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا اور بطور ترغیب ساتھ ہی قضا کا قاعدہ فہمائش کیا۔

یہ چیزیں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طبعی صلاحیت اور دینی وثاقت پر دال ہیں۔ یہ بزرگ بارگاہ نبوت سے ہدایت یافتہ اور کمال اخلاص کے حامل تھے۔ عہد نبوت میں ان پر پورا پورا اعتماد کیا جاتا تھا اور ان میں خدع و نفاق ہرگز نہیں تھا۔

⑤ نیز اکابر تابعین میں سے ایک بزرگ قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم نشین رہے۔ ان حضرات کی ہم نشینی کے تاثرات اپنی ایک روایت میں ذکر کرتے ہیں جس سے ان حضرات کی کمال دیانت اور کمال اخلاص اور دینی وثاقت ثابت ہوتی ہے۔

قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((قال صحبت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فما رأيت رجلا اقرأ لكتاب الله ولا افقه في دين الله ولا احسن مداراة منه وصحبت طلحة بن عبيدالله رضی اللہ عنہ فما رايت رجلا اعطى لجزيل عن غيره مسئلة منه وصحبت معاوية رضی اللہ عنہ بن ابی سفيان رضی اللہ عنہ فما رايت رجلا اثقل حلما منه وصحبت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فما رايت رجلا ابين او قال انصح ظرفا منه ولا اكرم جليسا ولا اشبه سريرة بعلانية منه...... الخ))[1]

''یعنی میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا وہ اللہ کی کتاب کے بہت قاری اور اس کے دین کے بڑے فقیہ تھے، بڑی عمدہ خاطر و مدارات کرنے والے تھے۔ ان صفات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بہتر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا میں ہم نشین رہا وہ سوال کیے بغیر بہت کچھ عطا کیا کرتے تھے۔ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھی رہا ہوں۔ میں نے ان سے بہتر حلیم الطبع کوئی شخص نہیں دیکھا۔ پھر قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوط) ص ۵۲۶ ج ۱۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۹ ج ۲ تحت تذکرہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
اصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲-۳ ج ۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (مختصراً)

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مصاحبت میں رہا ہوں تو میں نے ان کا ظرف نہایت خالص پایا۔ وہ بڑے باعزت اور شریف ہم نشین تھے ان کا باطن ظاہر کے بالکل موافق اور مشابہ تھا (صاحب اخلاق تھے ان میں نفاق نہیں تھا)۔"

مندرجہ بالا امور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تحکیم کے ثالث اور فیصل حضرات ایماندار، دیانتدار اور صاحب اخلاص تھے۔ ان میں غداری اور بدنیتی نہ تھی۔ یہ حضرات نفاق سے دور تھے۔ امت کے مصالح ان کے پیش نظر تھے۔ اپنی دیانتدارانہ رائے کی بنا پر انھوں نے اپنی اپنی فریق کی جانب سے نمایندگی کی۔ کسی حیلہ اور مکر کی بنا پر انھوں نے یہ معاملہ نہیں کیا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ تحکیم کے مسئلے میں اجتہادِ فکر کی بنا پر رائے میں اختلاف واقع ہوا تھا جو دوسرے فریق نے تسلیم نہیں کیا۔ اس وجہ سے یہ حضرات کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ "المجتهد قد یخطی ویصیب" یعنی مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا اور صواب دونوں کا محتمل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہ حضرات اس مقام پر قابل اعتراض اور موردِ طعن نہیں۔ اور اگر یہ چیز پیش نظر رکھی جائے کہ ما شاء الله کان وما لم یشاء لم یکن اور وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ تو اس نوع کا تردد دور ہو جاتا ہے۔

بعض اہم مباحث اور ازالہ شبہات

گزشتہ اوراق میں "واقعہ صفین" کا ایک مختصر سا خاکہ تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کے وقوع کے بعد اسلامی تاریخ میں کئی پیچیدہ مسائل پیدا ہوئے معترضین نے مطاعن صحابہ کے لیے اس سے ایک مستقل دستاویز تیار کر لی۔ اعدائے اسلام نے طعن و تشنیع کے لیے اس کو ہدف بنا لیا اور مخالفین صحابہ نے طعنہ زنی کی خاطر اس کو زینہ قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ بندوں کی تدبیر پر خدا تعالیٰ کی تقدیر غالب رہتی ہے۔ جمل وصفین کے واقعات جن حالات میں پیش آئے وہ نہایت ہنگامی اور ناقابل ضبط حالات تھے۔ اب ان حالات و واقعات کو صحیح طور پر ضبط کر لینا اور منقح کرنا ہمارے لیے "محالات عادیہ" میں سے ہے، اور ان کے تکوینی حکم و مصالح کو دریافت کرنا ہمارے دائرہ فکر و دانش سے بالاتر ہے۔

اکابرین امت کی ہدایات کی روشنی میں ان واقعات کے متعلق چند مباحث درج کیے جاتے ہیں جو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوء ظنی رفع کرنے اور بدظنی دفع کرنے میں مفید ہوں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تحفظ کے لیے سودمند ثابت ہوں گے۔ (بعونہ تعالیٰ)

نیز ان مباحث کے ساتھ ساتھ ازالہ شبہات کا سلسلہ بھی چلایا گیا ہے تاکہ ان مواقع پر پیش آمدہ اعتراضات کا ازالہ بھی حسب موقع ہو سکے اور ان کے لیے کوئی الگ فصل قائم کرنے کی حاجت نہ رہے۔

گشتی مراسلہ

اس سلسلے میں ہم بطور تمہید و مبادی کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان درج کرتے ہیں جس میں خود انھوں نے اہل صفین کے ساتھ مابہ الاختلاف مسئلہ کی نوعیت واضح کر دی ہے اور اس میں کوئی خفا باقی نہیں چھوڑا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا گشتی فرمان بالفاظ ذیل شیعہ کی معتمد کتب میں مذکور ہے:

((وكان بدء امرنا انا التقينا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد، ونبينا واحد، ودعوتنا في الاسلام واحدة، لا نستزيدهم في الايمان بالله والتصديق برسوله ﷺ ولا يستزيدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء))[1]

''حاصل یہ ہے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو چٹھی اپنے مملوکہ شہروں کی طرف لکھ کر ارسال کی اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے جو ان کو اہل صفین کے ساتھ پیش آئے تھے اور فرمایا کہ ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم لوگ اور ملک شام کے لوگ (ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کے لیے) جمع ہوئے حالانکہ واضح بات یہ ہے کہ ہم دونوں (قوموں) کا رب ایک اور ہم دونوں کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں پس ان کا اور ہمارا تمام (دینی معاملہ) بالکل ایک جیسا ہے۔ لیکن خون عثمان کے بارے میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہو گیا ہے حالانکہ ہم اس سے بری ہیں...... الخ (یعنی ہمارا اس میں کچھ دخل نہیں)''

گشتی مراسلہ ہذا کے ذریعے سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ:

① اہل صفین (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ و جماعت معاویہ) کا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کا کوئی مذہبی اختلاف نہ تھا بلکہ دونوں فریق کا مذہب ایک تھا اور دونوں جماعتیں مومن و مسلمان ہونے میں ایک تھیں اور دونوں کی دعوت دینی متحد و متفق تھی۔

---

[1] نہج البلاغہ ص ۱۱۴ ج ۲ تحت من کتاب لہ علیہ السلام کتبہ الی اہل الامصار یقتص فیہ ما جری بینہ وبین اہل صفین (طبع مصر)
شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۱۹۴ ج ۵ خطبہ ۵۷ طبع تہران۔
شرح نہج البلاغہ الدرۃ النجفیہ ص ۳۴۴ تحت من کلام لہ علیہ السلام الی الامصار یقتص الخ (طبع قدیم) ایران۔

② تصدیق ایمانی میں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے فائق نہ تھا یکساں اور برابر تھے اور کامل الایمان تھے کوئی ناقص الایمان نہ تھا۔

③ صرف ایک سیاسی مسئلہ باعث اختلاف ہوا یعنی دم عثمان اور صرف اس ایک مسئلہ میں باہمی نزاع تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں صراحت فرمائی کہ ''ہم خون عثمان سے بری ہیں۔''

مراسلہ ہذا کے ذریعے سے بہت سے شبہات خود بخود مرتفع ہو گئے تاہم اب حاصل مباحث چند عنوانات کی صورت میں بھی پیش خدمت ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

① اظہار تاسف

واقعہ ہذا پر اکابر حضرات کی جانب سے اظہار تاسف پایا جاتا ہے۔ یہ قتال جن حضرات کے درمیان واقع ہوا وہ سب اس پر متاسف ہوئے۔ کئی غلط فہمیاں حائل تھیں جن کی بنا پر غیر اختیاری حالات پیدا ہوئے اور قتال تک نوبت پہنچی۔ یہ حضرات اس واقعہ پر نہایت کبیدہ خاطر تھے اور اس کے وقوع پر ہر دو فریق نہایت مغموم و محزون ہوئے۔

① چنانچہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے متعدد روایات اس نوع کی کبار علماء نے نقل کی ہیں ایک موقع پر جناب حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا آپ فرماتے تھے:

((یا لیت امی لم تلدنی ولیت انی مت قبل الیوم))[1]

''یعنی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پریشانی کے عالم میں فرمایا کاش میری ماں نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا اور کاش میں اس روز سے قبل فوت ہو گیا ہوتا۔''

② اسی طرح ایام صفین میں ایک دوسرے موقع پر جب آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فیصلہ کرنے کے لیے اپنی جانب سے حکم تجویز کیا تو آپ پر ایک اضطرابی کیفیت تھی اسے علماء نے نقل کیا ہے۔ چنانچہ محدث ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ اسے یہ عبارت ذیل نقل کرتے ہیں:

((عن سلیمان بن مھران قال حدثنی من سمع علیا رضی اللہ عنہ یوم صفین وھو عاض علی شفتیہ لو علمت ان الامر یکون ھکذا ما خرجت۔ اذھب یا ابا موسٰی فاحکم ولو خر عنقی))[2]

''یعنی سلیمان بن مہران رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے صفین کے موقع پر

---

[1] تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۳۸۴ ج ۳ قسم ثانی طبع دکن

کتاب السنۃ (امام احمد) طبع مکہ مکرمہ ص ۱۹۶

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۳ ج ۱۵ طبع کراچی روایت ۱۹۶۹۸ تحت کتاب الجمل

خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا تھا۔ اس وقت آپ کی اضطرابی کیفیت یہ تھی کہ آپ اپنے لب مبارک کو زیر دندان کرتے تھے اور فرماتے تھے اگر اس معاملہ کے متعلق مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہاں تک نوبت پہنچے گی تو میں اس کے لیے کبھی نہ نکلتا۔ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ تشریف لے جائیں اور فیصلہ کریں اگرچہ اس میں مجھے خسارہ ہی کیوں نہ ہو۔''

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بھی کتاب الآثار میں اپنی سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام نقل کیا ہے۔ اہل علم کی تسلی کے لیے بقدر ضرورت ذکر کیا جاتا ہے تمام روایت کتاب مذکور میں ملاحظہ فرمائیں۔

((عن علی رضی اللہ عنہ انه قال لابی موسیٰ رضی اللہ عنہ حین حکمه خلصنی منها ولو بعرق رقبتی...... الخ))[1]

''یعنی جناب علی رضی اللہ عنہ نے جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم و فیصل بنایا تو ان سے ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ میں ہمیں خلاصی دلایئے اگرچہ میری گردن کی رگ ہی کیوں نہ چلی جائے۔ (یعنی اگرچہ مجھے کمال نقصان ہی اٹھانا پڑے)۔''

یہ فرامین اظہار تاسف کے طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صادر ہوئے یہ ان حضرات کے تقویٰ، دیانت اور خشیت الٰہی کے غلبہ پر محمول ہیں۔ یہ کسی جرم کے ارتکاب کے بعد اس کی ندامت پر دلالت نہیں کرتے۔

نیز مندرجہ بالا فرامین علوی کا محمل اور موقف جو تجویز کیا گیا ہے بعینہٖ اس نوع کی اضطرابی کیفیت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بعض اوقات طاری ہوتی تھی اور آں موصوفہ رضی اللہ عنہا بھی واقعہ جمل پر اظہار تاسف اور گریہ فرماتی تھیں تو وہ کسی جرم کے ارتکاب کی تلافی پر ایسا نہیں کرتی تھیں بلکہ ان کا یہ فعل کمال اتقا اور خشیت الٰہی کے غلبہ کی بنا پر تھا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر اس نوع کی کیفیات غلبہ حال کی صورت میں پیش آیا کرتی ہیں۔

② ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگوں نے اس مقام پر یہ طعن قائم کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں فریق کے باہم قتال ذاتی عناد اور نسلی عداوت کی بنا پر واقع ہوئے۔ ان حضرات کے درمیان دیرینہ دشمنی تھی اور ایک دوسرے کے خلاف ان کے سینے کینہ اور بغض سے پر تھے اور دنیاوی اغراض ان کے پیش نظر تھیں۔ اس بنا پر انھوں نے یہ جمل و صفین کی جنگیں لڑیں اور اہل اسلام میں عظیم فساد برپا کر دیا۔

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں ہم چند امور پیش کرتے ہیں ان پر نظر غائر فرمائیں

---

[1] کتاب الآثار (امام ابو یوسف) ص ۲۰۸ روایت ۹۲۹ طبع بیروت لبنان بحواشی ابی الوفاء الافغانی

ان شاء اللہ تعالیٰ شبہات بالا رفع ہو سکیں گے۔

اس سلسلہ میں سب سے اول حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چند فرمودات اور ان کی جماعت کے اکابر حضرات کے اس موقع کے اقوال ایک ترتیب سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد فریق ثانی کی طرف سے چند چیزیں پیش کی جائیں گی جو اپنی جگہ پر اس شبہ کے ازالہ کا موجب ہو سکیں گی۔

اوّل: اپنے فریق مقابل (اہل صفین) کے حق میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک شخص کو جواب میں فرماتے ہیں جو اپنے مقابلین کے حق میں غلو کرتے ہوئے کفر کی نسبت کر رہا تھا۔ یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلین کو کافر کہہ رہا تھا۔ اس وقت اس شخص کو تنبیہ کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یوں ارشاد فرمایا کہ ایسا مت کہو بلکہ ان کے حق میں کلمہ خیر ہی کہو۔ تحقیق ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی اور ہم اپنی جگہ پر یہ خیال کرتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارا کفر اور اسلام کا اختلاف نہیں ہے اور نہ ہمارے دین الگ الگ ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ انھوں نے گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف تجاوز کیا اور ہم خیال کرتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے حقوق سے تجاوز کیا۔ اس نقطہ نظر پر ہم نے ایک دوسرے کے خلاف قتال کیا۔

① تاریخ ابن عساکر میں مذکور ہے کہ:

((حدثنا ابوزرعة عن جعفر بن محمد عن ابيه قال سمع علی رضی اللہ عنہ یوم الجمل او یوم صفین رجلا یغلوا فی القول یقول الکفر قال لا تقولوا فانهم زعموا انا بغینا علیهم وزعمنا انهم بغوا علینا))[1]

② علامہ ابن تیمیہ اور ذہبی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ:

((قال اسحق بن راهوية حدثنا ابونعیم حدثنا سفیان عن جعفر بن محمد عن ابیه قال سمع علی رضی اللہ عنہ یوم الجمل او یوم صفین رجلا یغلوا فی القول فقال لا تقولوا الا خیرا انهم قوم زعموا انا بغینا علیهم وزعمنا انهم بغوا علینا فقاتلناهم))[2]

③ نیز اسی طرح بعض دیگر روایات میں یہی سوال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کیا اہل

[1] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) کامل ص ۳۲۹ ج ا طبع دمشق

[2] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱ ج ۳ تحت الکلام ولما قال المسلف ان اللہ یامر الخ
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۳۵
تہذیب ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳ ۷ ج ا باب ماورد من اقوال المصنفین

بغاوت (جمل وصفین والے) مشرک ہیں؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ یہ لوگ تو شرک سے فرار کر کے مسلمان ہوئے، یہ کیسے مشرک ہو سکتے ہیں؟

پھر سوال کیا گیا کہ کیا یہ لوگ منافق ہیں؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ منافق لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں (یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں)

پھر دریافت کیا گیا کہ آخر ان کا کیا حکم ہے؟ اور یہ لوگ کس درجہ میں ہیں؟ تو جواب میں فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں ہمارے خلاف انھوں نے بغاوت کر دی ہے۔

((سئل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وهو القدوة عن قتال اهل البغی من اهل الجمل والصفین امشرکون هم؟ قال لا من الشرك فروا فقیل امنافقون؟ قال لا لان المنافقین لا یذکرون الله الا قلیلا قیل له فما حالهم؟ قال اخواننا بغوا علینا))[1]

ایک وضاحت

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات کی روشنی میں یہ چیز اس طرح واضح ہوئی کہ "اخواننا بغوا علینا" میں ''اخوت دینی'' مراد ہے اور بغی سے ''بغاوت لغوی'' مراد ہے (یعنی زیادتی اور حد سے تجاوز کرنا وغیرہ) اور اصطلاحی بغاوت مقصود نہیں۔ اس چیز پر روایات بالا قرینہ ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ ''بغاوت اصطلاحی'' اس کو کہا جاتا ہے کہ ایک خلیفہ برحق کے خلاف کسی شخص کا اپنی رائے اور تاویل کی بنا پر کھڑے ہونا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کسی خلیفہ کے باغی نہ تھے پھر بھی فرماتے تھے کہ ان کا گمان ہے کہ ہم نے ان پر بغاوت کی۔ تو معلوم ہوا کہ مذکورہ کلمات میں بغاوت شرعی و اصطلاحی معنی میں مراد نہیں۔ یہاں لغوی مفہوم مراد ہے۔

شیعہ کی طرف سے تائید

① شیعہ اکابر نے اپنے ائمہ کرام سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں:

((جعفر عن ابیه (محمد باقر) ان علیًا علیہ السلام لم یکن ینسب احدا من اهل حربه الی الشرك ولا الی النفاق ولکن یقول هم اخواننا بغوا علینا))[2]

''یعنی امام جعفر صادق رحمہ اللہ اپنے والد امام محمد باقر رحمہ اللہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل

---

[1] تفسیر قرطبی ص۳۲۳-۳۲۴ ج۱۶ تحت فاصلحوا بین اخویکم

[2] قرب الاسناد (عبداللہ بن جعفر حمیری) ص۴۵ طبع قدیم

کرتے ہیں کہ جناب علی رضی اللہ عنہ اپنے محاربین کے حق میں شرک اور نفاق کی نسبت نہیں کرتے تھے بلکہ یوں فرماتے تھے کہ یقیناً وہ ہمارے بھائی ہیں انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔''

④ اور اسی طرح امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((جعفر عن ابیه ان علیا علیه السلام کان یقول لاهل حربه انا لم نقاتلهم علی التکفیر لهم ولم نقاتلهم علی التکفیر لنا ولکنا راینا انا علی حق و راوا انهم علی حق))[1]

''مطلب یہ ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ امام باقر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابلین کے حق میں فرماتے تھے کہ ہم ان سے ان کی تکفیر کی بنا پر قتال نہیں کر رہے اور نہ ان سے اس وجہ سے قتال کر رہے ہیں کہ وہ ہماری تکفیر کرتے ہیں۔ (یہ بات نہیں ہے) بلکہ بات یہ ہے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یقیناً وہ حق پر ہیں۔''

حاصل یہ ہے کہ ان کا اور ہمارا قتال کفر و اسلام کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ حق ہونے اور ناحق ہونے پر ہوا ہے۔

شیعہ کے اکابر نے اپنے ائمہ سے یہ فرمودات نقل کیے ہیں جو اپنے مفہوم میں واضح ہیں کسی تشریح کے محتاج نہیں۔

گزشتہ اوراق میں ہر ایک فریق کا اپنا اپنا موقف بیان ہو چکا ہے، اعادہ کی حاجت نہیں۔ یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اصرار تھا کہ پہلے خلافت کی بیعت تمام کی جائے، بعد میں مطالبات قصاص وغیرہ پیش کیے جائیں۔ فریق مقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا احباب کا مطالبہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ اہم ہے اسے پہلے حل کیا جائے جبکہ مفسدین آپ کے گروہ میں موجود ہیں اور بیعت خلافت اس کے بعد ہوگی۔ پس یہی چیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان فرمودات میں بیان کی گئی ہے۔

دوم: اسی طرح ایک دوسرا واقعہ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں پیش آیا۔ وہ اس طرح کہ ایک دن جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ تشریف لا رہے تھے تو اس وقت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے انھوں نے بنی طے کے ایک مقتول کو دیکھا جس کو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے قتل کر ڈالا تھا۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہنے لگے بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ بے چارہ کل مسلمان تھا اور آج کافر مرا پڑا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ ایسا نہ کہو یہ کل بھی مومن تھا اور آج بھی مومن ہے۔

① ((عن سعد بن ابراهیم قال خرج علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ذات یوم و معه

---

[1] قرب الاسناد (عبداللہ بن جعفر حمیری شیعی) من علماء القرن الثالث ص ۴۵ طبع ایران

عدی بن حاتم الطائی فاذا رجل من طی قتیل قد قتله اصحاب علی فقال عدی یا ویح هذا کان امس مسلما والیوم کافرا فقال علی رضی اللہ عنہ مهلا کان امس مومنا وهو الیوم مؤمن))[1]

(۲) ایک دیگر مقام پر جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے آنجناب سے اصحاب معاویہ کے مقتولین کے متعلق سوال کیا کہ ان کا کیا حکم ہے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مومن ہیں (ان پر کفر کا اطلاق درست نہیں)۔

((عن محمد بن راشد عن مکحول ان اصحاب علی رضی اللہ عنہ سألوه عن من قتلوا من اصحاب معاویة قال هم المومنون...... وفی روایة سئل عن من قتل بصفین ما هم؟؟ قال هم المومنون))[2]

سوم: نیز اس مقام پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا ایک قول اپنے مقابلین (اہل شام) کے حق میں اکابر علماء نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے اہل شام کے حق میں کفر کی نسبت کی اوران کو کافر کہنے لگا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے سن کر ارشاد فرمایا کہ ایسا مت کہو کیونکہ ان کے اور ہمارے نبی ایک ہیں اوران کا اور ہمارا قبلہ ایک ہے (یعنی ہم دونوں فریق اہل اسلام میں سے ہیں) لیکن بات یہ ہے کہ وہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو کر امر حق سے متجاوز ہو چکے ہیں، ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے ساتھ قتال کریں تا کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

((عن زیاد بن الحارث قال کنت الی جنب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بصفین ورکبتی تمس رکبته فقال رجل کفر اهل الشام فقال عمار رضی اللہ عنہ لا تقولوا ذالك، نبینا و نبیهم واحد وقبلتنا وقبلتهم واحدة ولکنهم قوم مفتونون حادوا عن الحق۔ فحق علینا ان نقاتلهم حتی یرجعوا الیه))[3]

مندرجہ بالا چیزیں قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۶۷ تا ۱۷۹ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[1] تاریخ ابن عساکر کامل ص ۳۳۰ ج ۱ طبع دمشق
تلخیص ابن عساکر (ابن بدران) ص ۷۴ ج ۱

[2] تاریخ ابن عساکر کامل ص ۳۳۰ ج ۱ طبع دمشق
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱ ج ۳ طبع لاہور
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۳۵ طبع مصر۔

[3] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۰ ج ۱۵ طبع جدید کراچی روایت ۱۹۶۸۷ تحت کتاب الجمل۔
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱، ۶۲ ج ۳
فتح الباری شرح بخاری ص ۴۷ ج ۱۳ تحت کتاب الفتن، طبع قدیم مصر

کے حالات میں ذکر کی ہیں اور یہاں کچھ مزید حوالے اضافہ شدہ ہیں اور عنوانات دوسرے طریق سے مرتب کیے ہیں۔

یہ ایک فریق کے متعلق چند چیزیں نقل کی ہیں اور آیندہ سطور میں فریق مقابل کی چند چیزیں درج کی جاتی ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تاثرات

ذیل میں چند چیزیں ایسی ذکر کی جا رہی ہیں جو اس بات پر قوی قرینہ ہیں کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان جدال وقتال عناد پر مبنی نہ تھا بلکہ ان سے اپنے اپنے نظریات کے تحت یہ امور صادر ہوئے، جانبین ایک دوسرے کے حق میں نیک نیت تھے ان میں کوئی گروہی اور نسلی عداوت نہ تھی اور یہ حضرات ایک دوسرے کے حق میں کینہ در اور حاسد نہیں تھے مثلاً:

① اس مقام پر وہ گفتگو جو ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی تھی وہ بھی قابل ذکر ہے۔ ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ:

((انت تنازع علیا رضی اللہ عنہ ام انت مثلہ؟ فقال معاویۃ رضی اللہ عنہ لا! واللہ انی لاعلم ان علیا افضل منی وانہ لاحق بالامر منی...... الخ))[1]

''کہ آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تنازع کرتے ہیں، کیا آپ ان کے ہم پایہ ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اللہ کی قسم! میں ان کا ہم مرتبہ نہیں ہوں اور وہ مجھ سے افضل ہیں اور امر خلافت میں بھی وہ زیادہ حقدار ہیں...... الخ''

یہ دونوں حوالہ جات قبل ازیں اپنے مقام پر ذکر ہو چکے ہیں لیکن یہاں اس مقصد کے لیے دوبارہ ذکر کیے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی ذاتی عناد اور نسلی عداوت نہیں تھی اور یہ حضرات ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور فرق مراتب کا لحاظ رکھتے اور اسے تسلیم کرتے تھے۔

② نیز علماء نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان قتال جاری تھا اور تا حال واقعہ تحکیم تک نوبت نہیں پہنچی تو ان ایام میں شاہ روم نے ان کے جنگی حالات پر نظر کرتے ہوئے اہل اسلام پر حملہ کر دینے کی تیاری کی اور موقع کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں پر حملہ کے لیے ایک

---

[1] تاریخ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۱۰۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۹۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۱۶۸ ج ۲ تحت وقعۃ الصفین سنہ ۳۷ھ
عقیدہ سفارینی ص ۳۲۸، ۳۲۹ ج ۲ تحت قتل عمار رضی اللہ عنہ والقول فی معاویہ رضی اللہ عنہ

عظیم لشکر جمع کیا۔

ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شاہ روم کے اس مقصد کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے شاہ روم کو مراسلہ بھیجا:

((والله لئن لم تنته و ترجع الى بلادك يالعين لاصطلحن انا وابن عمى عليك ولاخرجنك من جميع بلادك ولاضيق عليك الارض بما رحبت فعند ذالك خاف ملك الروم وانكف وبعث يطلب الهدنة))[1]

''یعنی اللہ کی قسم! اگر تو اس اقدام سے باز نہیں آئے گا اور اپنے بلاد کی طرف واپس نہیں ہو گا تو اے لعین! میں اور میرے چچا کے بیٹے (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) تیری مخالفت میں باہم صلح کر لیں گے اور میں تجھے تیری آبادیوں سے نکال کر چھوڑوں گا اور زمین کے فراخ ہونے کے باوجود اسے تم پر تنگ کر دوں گا۔ اس پر بادشاہ روم نے خوف کھایا اور ایسے اقدام سے رک گیا اور قاصد بھیج کر صلح کا خواستگار ہوا۔''

③ نیز اسی طرح ایک اور واقعہ اس مقام پر درج کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ اگرچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کا ہے تاہم مقصد کے لیے مفید ہے یعنی ایک فریق کے دوسرے فریق کے حق میں نظریات واضح ہوتے ہیں۔

واقعہ اس طرح ہے کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچی تو آپ بے ساختہ گریہ کرنے لگے۔ ان کی اہلیہ ان کے پاس موجود تھیں وہ کہنے لگیں کہ آپ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ برسر پیکار رہے اور اب رونے لگے ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ پر کلمہ ترحم کہنے کے بعد یوں ارشاد فرمایا کہ تو نہیں جانتی کہ اہل اسلام کا فضیلت، فقہ اور علم میں کس قدر نقصان ہوا ہے اور کیسی گرانقدر ہستی سے قوم محروم ہو گئی ہے۔

((لما جاء خبر قتل على رضی اللہ عنہ الى معاوية رضی اللہ عنہ جعل يبكى۔ فقالت له امراته اتبكيه و قد قاتلته؟ فقال ويحك! انك لا تدرين ما فقد الناس من الفضل والفقه والعلم))[2]

④ گزشتہ واقعہ کی تائید میں ایک اور واقعہ مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔ یہ ضرار صدائی رحمہ اللہ کا واقعہ ہے جو شیعہ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاج العروس شرح قاموس (علامہ مرتضیٰ زبیدی) ص ۲۰۸ ج ۷ تحت مادہ اصطفین طبع قدیم۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۰ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ و ذکر شیء من ایامہ ودولتہ

علماء نے بھی تفصیل سے لکھا ہے اور ہماری کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص حمایتی لوگوں میں سے ایک شخص ضرار صدائی تھے وہ آنجناب کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ وہ کہنے لگے اس مسئلہ میں مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اصرار فرماتے ہوئے کہا کہ میں تجھے قسم دلاتا ہوں کہ تو یہ چیز ضرور بیان کر۔

پس ضرار رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرنا شروع کیے ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سن کر رونے لگے اتنا روئے کہ ان کی ریش تر ہوگئی۔

ضرار صدائی رحمہ اللہ کا یہ واقعہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے استیعاب[1] میں ذکر کیا ہے اور دیگر علماء نے بھی اسے لکھا ہے۔

((وكان ضرار من اصحابه (على) عليه السلام فدخل على معاوية بعد موته فقال: صف لى عليا فقال او تعفينى عن ذالك فقال والله لتفعلن فتكلم بهذا الفصل فبكى معاوية حتى اخضلت لحيته)) [2]

حاصل کلام یہ ہے کہ سابقہ سطور میں دونوں فریق کی جانب سے چند ایک چیزیں ذکر کی ہیں اور اس نوع کے واقعات مزید بھی تاریخ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام امور اس بات پر قرائن ہیں کہ ان ہر دو حضرات (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کے درمیان مذکورہ جنگ و جدال جو وقتی طور پر پیش آئے وہ بنا بر عناد نہ تھے اور فسادنیت پر مبنی نہ تھے بلکہ اجتہادِ فکر اور نظریاتی اختلاف کی بنا پر پیش آئے یہ ہنگامی مسائل کے درجہ میں تھے اور ختم ہو گئے۔ جیسا کہ اس بحث کی ابتدا میں ہم نے ذکر کیا ہے۔

البتہ صاحب عناد راویوں نے اور زیغ عن الحق کرنے والے ناقلین نے ان چیزوں کو دوامی کینہ اور عداوت کی صورت میں نقل کیا ہے۔

اس بحث کے آخر میں علمائے سیرت و حدیث اور مورخین کے وہ اقوال ذکر کیے جاتے ہیں جس سے اصل مسئلہ منقح ہو جاتا ہے اور وارد کردہ شبہ کا دفعیہ ہوتا ہے۔

① علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

---

[1] الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص۴۳ ج۳ تحت تذکرہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

[2] درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ ص۳۶۰ طبع قدیم ایران۔

شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص۲۷۶ جلد۵ طبع تہران

شرح نہج البلاغہ (حدیدی) ص۴۷۴-۴۷۵ جلد۴ طبع بیروت، تحت ذکر من خبر ضرار بن حمزہ الصدائی لمعاویہ عند دخولہ علیٰ معاویہ

((فیما کان بینهم من الفتن کما وقع بین علی و معاویة رضی اللہ عنہما احسن التاویلات والمحامل لانها امور وقعت باجتهاد منهم لا لاغراض النفسانیة ومطامع دنیویة کما یظنه الجهلة))[1]

''یعنی حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دور فتن میں جو واقعات پیش آئے ان کے لیے عمدہ تاویل اور بہترین محمل قائم کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات ان کے اجتہاد رائے کی بنا پر ان سے صادر ہوئے تھے کسی نفسانی اغراض کی خاطر اور دنیاوی طمع اور حرص کے لیے نہیں واقع ہوئے تھے جیسا کہ جاہل اور نادان لوگوں نے گمان کر رکھا ہے۔''

۲) مشہور مورخ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((کان طریقهم فیها الحق والاجتهاد ولم یکونوا فی محاربتهم لغرض دنیوی اولایثار باطل او لاستشعار حقد کما قد یتوهمه متوهم وینزع الیه ملحد))[2]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جب فتنہ واقع ہوا تو ان کا طریقہ اس معاملہ میں تلاش حق کی خاطر تھا اور بطور اجتہاد تھا کسی دنیاوی غرض کے لیے ان کے درمیان یہ محاربات نہیں تھے اور کسی باطل چیز کو ترجیح دینے کے لیے بھی نہیں تھے اور نہ کینہ وبغض کی بنا پر تھے جیسا کہ بعض لوگوں کو اس بات کا وہم ہوا ہے اور ملحد شخص اس کو باطل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔''

۳) ایک دیگر شبہ کا ازالہ

یہاں ایک اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جمل وصفین میں جو قتال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں واقع ہوئے بظاہر یہ قرآن مجید کی آیت کریمہ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے برخلاف ہیں۔ ان کا یہ عمل آیت مذکورہ کے مفہوم کے متعارض ہے۔ حالانکہ یہ حضرات بالیقین قرآن مجید کے عامل اور حامل تھے۔

اعتراض ہذا کو صاف کرنے کے لیے چند معروضات پیش کی جاتی ہیں ان پر بنظر انصاف غور کر لینے سے یہ اشکال رفع ہو سکتا ہے:

۱) اس مقام پر مسئلہ ہذا کی تفہیم کے لیے اہل علم ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی جماعت یا گروہ

---

۱ نسیم الریاض شرح الشفاء (شہاب الدین خفاجی) ص ۴۶۷ ج ۳ تحت فصل ومن توقیرہ وبرہ توقیر اصحابہ الخ، مطبوعہ مطبع عثمانیہ ترکی۔

۲ مقدمہ ابن خلدون ص ۳۶۴ تحت انقلاب الخلافۃ الی الملک، طبع بیروت

کی تعریف کی جائے یا ان کے اوصاف و احوال ذکر کیے جائیں تو ان کا بیان کرنا ایک مجموعی حیثیت سے ہوتا ہے اور وہاں غالب احوال کے اعتبار سے ان اوصاف کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور ان کا عمومی و اجتماعی طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔ خصوصی افراد کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔

پھر اگر وہاں اس کا جزوی طور پر خلاف پایا جائے یا اس جماعت کے بعض افراد سے بعض اوقات کوئی چیز اس کے متعارض صادر ہو جائے تو وہ اس حکم کلی اور قاعدہ عمومی کو نہیں توڑتی۔

مختصر یہ ہے کہ کسی امر جزوی کا کسی امر کلی کے خلاف پایا جانا اہل فہم کے نزدیک اس کلیہ میں قادح اور متعارض نہیں سمجھا جاتا۔

② دوسری یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ بعض اوقات ہر دو فریق میں اختلاف رونما ہوتے ہیں اور قتال تک نوبت پہنچتی ہے تاہم ان سے رحمت کی صفت بتمامہ مفقود نہیں ہوتی اور شان شفقت بالکلیہ مسلوب نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں بھی دونوں فریق نیک نیتی کے ساتھ اپنے فریق کو حق بجانب خیال کرتے ہوئے دوسرے فریق سے محارب ہوئے تھے لیکن ذاتی عداوتوں اور نفسانی اغراض کے لیے نبرد آزما نہیں ہوئے۔ اس چیز پر یہ قرائن موجود ہیں:

① ہر ایک فریق نے مخالف فریق کے ایمان کا انکار نہیں کیا اور ان کو بے دین قرار نہیں دیا۔ نیز ایک فریق نے متقابل فریق کے فضائل اور دینی کارناموں کا انکار نہیں کیا بلکہ اعتراف کیا۔

② اسی طرح کوئی فریق دوسرے فریق کو ذلیل اور رسوا کرنے کے درپے نہیں ہوا حتیٰ کہ اپنے مقابل کو قیدی نہیں بنایا، مال نہیں لوٹا، ان کی خواتین کی بے حرمتی نہیں کی اور ان کے کسی زخمی کو مزید زخمی نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

③ جمل و صفین کے واقعات میں ہر ایک فریق اپنے آپ کو حق پر خیال کرتا تھا اور اجتہاداً حق کے لیے دوسرے فریق سے مناقشہ قائم کیے ہوئے تھا۔ دوسرے لفظوں میں ایک شرعی حق کی خاطر فریق مخالف کے ساتھ قتال پر آمادہ تھا اور یہ چیز رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے مفہوم کے خلاف نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ایک امر دینی اور اپنے شرعی حق کو قائم رکھنے کے لیے بعض اوقات شدت اختیار کی جاتی ہے۔ جیسے اجرائے حدود اور کفارات کے واقعات دور نبوی میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں پیش آئے۔ باوجود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ''رحمت للعالمین'' ہیں اور مومنوں پر ''رؤف الرحیم''۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کی شان اخوت کی صفت موجود ہونے کے باوجود اجرائے حدود اور کفارات کے واقعات رونما ہوئے اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بعض دینی مسائل اور معاشرتی معاملات میں اختلافات پیش آتے رہے۔

پھر ان حضرات کے باہم قتال کی نوعیت اس قسم کی ہے جیسے اللہ جل شانہ کو مومنین کے بعض اعمال پر غصہ آتا ہے اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کے برے اعمال پر ناراض ہوتے ہیں یا ماں کو اپنی اولاد کے افعال بد پر بعض دفعہ ناراضی ہوتی ہے حالانکہ ان سب میں رحمت اور شفقت کی صفت موجود ہے اس کے باوجود غیظ وغضب بھی پایا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان متقابل صفات کا اپنے اپنے مقام پر پایا جانا مسلمات میں سے ہے ان میں کوئی تعارض وتدافع نہیں۔

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ نے موضح القرآن میں اس آیت کے تحت بہترین چیز ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''جو تندی اور نرمی اپنی خو ہو وہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آئے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ۔''

اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین مناقشات وقتال کا مسئلہ عمدہ طریقہ سے صاف ہو جاتا ہے کہ رحمت وشفقت کی صفات کا اپنا مقام ہے اور شدت اور سختی اپنی جگہ پر کی جاتی ہے۔

ان حضرات نے سختی کے مقام پر سختی اور شدت کا مظاہرہ کیا اور نرمی وشفقت کے موقع پر نرمی اور الفت کو اختیار کیا۔ پس اس طریقہ سے ان حضرات کے مذکورہ واقعات آیت کے خلاف نہیں پائے گئے اور نہ اس سے متعارض ہیں۔

علمائے عظام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو منازعات جاری ہوئے ان کا درجہ اس طور پر سمجھنا چاہیے جیسا کہ

① حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان ماجرا پیش آیا۔ اس بات کے باوجود یہ لوگ حد نبوت اور حد ولایت سے خارج نہیں ہوئے۔ اسی طرح جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلافی واقعات پیش آئے وہ بھی اسی درجہ میں ہیں۔

((قال ابن فورك و من اصحابنا من قال ان سبيل ما جرت بين الصحابة من المنازعات كسبيل ما جرى بين اخوة يوسف مع يوسف عليه السلام ثم انهم لم يخرجوا بذلك عن حد الولاية والنبوة فكذالك الامر فيما جرى بين الصحابة رضي الله عنهم))[1]

② اسی نوع کا ایک دوسرا واقعہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام

[1] تفسیر قرطبی ص۳۲۲ ج۲ اتحت الآیہ۔ وان طائفتان من المومنین...... الخ (الحجرات)

میں ایک مسئلہ پر اختلاف رائے ہوا اور اس پر تنازع پیش آیا حتیٰ کہ سر کے بال کھینچنے اور دست و گریبان ہونے تک نوبت پہنچی۔

یہ تنازع دشمنی کی بنا پر واقع نہیں ہوا اور اس واقعہ کو کوئی بھی عداوت پر محمول نہیں کرتا۔

③ اسی طرح باپ کا بیٹے کو تادیب و تنبیہ کے طور پر زد و کوب کرنے کے واقعات محبت و شفقت پدری کے خلاف نہیں سمجھے جاتے۔ نیز جراح اور سرجن (ڈاکٹر) کا نشتر لگانا حتیٰ کہ بعض اعضاء کا کاٹ دینا اور مریض کو تکلیف پہنچانا مریض کے حق میں رحمت اور شفقت کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تنازعات کے ان واقعات کو مذکورہ تمثیلات اور تشبیہات کی روشنی میں اہل فہم حضرات خوب سمجھ سکتے ہیں اور ان واقعات اور آیت رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ کے درمیان تطبیق پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں۔

مذکورہ بالا چند چیزیں ہم نے مسئلہ ہذا کو قریب الی الفہم کرنے کے لیے پیش کر دی ہیں ورنہ اہل علم و فکر حضرات پر یہ مسئلہ مخفی و پوشیدہ امر نہیں۔

④ اہل صفین کے ساتھ حسن معاملہ

صفین کے مقام پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے فریق مقابل سے بہترین سلوک روا رکھا گیا اور ان سے حسن معاملہ سے پیش آئے۔

اس سلسلہ میں کئی واقعات اس نوع کے دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے چند ایک مقام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

صفین میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے کچھ زخمی افراد کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے احباب نے اسیر بنا لیا پھر ان میں سے بعض کا جب انتقال ہوا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان لوگوں کے لیے غسل اور کفن دفن کا انتظام کیا گیا اور ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

ابن عساکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((قال عقبة بن علقمة اليشكري شهدت مع علي رضی اللہ عنہ يوم صفين فاتي بخمسة عشرا اسيرا من اصحاب معاوية رضی اللہ عنہ فكان من مات منهم غسله وكفنه وصلى عليه))[1]

''یعنی عقبہ بن علقمہ یشکری کہتے ہیں کہ صفین میں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے پندرہ عدد قیدی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے گئے

[1] تلخیص ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳۴۷ جلد ا، باب ما ورد من اقوال المنصفین فی من قتل من اہل الشام بصفین۔

پھر ان میں سے جو شخص فوت ہو گیا اس کو آپ نے غسل اور کفن دلایا اور خود اس پر نماز جنازہ پڑھی۔"

مقتولین صفین جنتی ہیں

سعید بن منصور رحمہ اللہ نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ نعیم بن ابی ہند رحمہ اللہ جو ایک بزرگ ہیں اپنے چچا سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل کرتے ہیں:

ان کے چچا کہتے تھے کہ میں صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ نماز کا وقت ہوا تو ہم نے نماز کے لیے اذان کہی اور فریق مقابل نے بھی اپنی جگہ پر اذان دی۔ ہم نے بھی جماعت کے لیے اقامت کہی اور انھوں نے بھی نماز کے لیے اقامت کہی پھر انھوں نے نماز ادا کی اور ہم نے بھی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ہم لوگوں کے سامنے یہ منظر تھا کہ ہمارے اور ان کے درمیان مقتولین پڑے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا:

① ((ما تقول فی قتلانا وقتلاھم؟ فقال من قتل منا ومنھم یرید وجه اللہ والدار الاخرہ دخل الجنة))[1]

"یعنی ہمارے مقتولین اور ہمارے فریق مقابل کے مقتولین کے حق میں جناب کا کیا ارشاد ہے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی رضا اور فکر آخرت کے ارادہ پر ہم دونوں فریق میں سے مقتول ہوا؟ وہ جنت میں جائے گا۔"

مطلب یہ ہے کہ دونوں فریق میں سے اخلاص کی بنا پر قتل ہونے والے شہید ہیں اور جنت میں جائیں گے کیونکہ یہ کفر و اسلام کی جنگ نہیں بلکہ اختلاف رائے پر ہوئی ہے اس میں غرض فاسد نہیں اور ہر فریق کو اپنا موقف اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

② اسی نوع کی ایک دیگر روایت کبار علماء نے نقل کی ہے اس میں بھی یہی مسئلہ درج ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صفین کے مقتولین کے متعلق حکم دریافت کیا گیا تو آنجناب نے واشگاف الفاظ میں فرمایا:

((قتلانا وقتلاھم فی الجنه))[2]

"یعنی ہمارے مقتولین اور ان کے مقتولین دونوں فریق جنت میں جائیں گے۔"

---

[1] سنن سعید بن منصور ص ۳۷۴ ج ۳ قسم ثانی روایت ۲۹۶۸ طبع مجلس علمی کراچی

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۳ ج ۱۵ باب ما ذکر فی الصفین روایت ۱۹۷۲۶

مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ باب ما جاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (بحوالہ طبرانی)

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۹۵ ج ۳ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۱۴۷ ج ۱۶ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۸۷ ج ۶ تحت وقعۃ الصفین طبع اول

تنبیہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مخالف فریق کے مقتولین کو بھی جنت کا مستحق فرمارہے ہیں۔

یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ انھوں نے ان مقتولین کو اپنے فعل میں ایک مجتہد کا مقلد قرار دیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مجتہد تھے اور ان کی مخالفت خطاء اجتہادی پر محمول تھی اور ان کے مقتولین اپنے مجتہد کی تقلید میں قتل ہوئے ہیں لہٰذا وہ بھی جنتی ہیں۔

مندرجات بالا کے ذریعے سے واضح ہوگیا کہ ان حضرات کے درمیان تحاسد وتعاند کی بنا پر یہ واقعات پیش نہیں آئے۔ جہاں باہم حسد وعناد پایا جائے وہاں اس نوع کے تبصرے نہیں ہوتے اور حسن معاملات کے سارے وجوہ مفقود ہوتے ہیں۔

③ اسی طرح اس مضمون کو عامر شعبی رحمہ اللہ نے اپنی عبارت میں بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((قال الشعبی هم اهل الجنة لقی بعضهم بعضا فلم یفر أحد من احد))[1]

''یعنی اہل صفین اہل جنت میں سے ہیں ان کے بعض کا بعض سے قتال ہوا لیکن کسی ایک نے بھی دوسرے سے فرار نہیں کیا۔''

اور چونکہ ان کا قتال اخلاص کی بنا پر تھا (اور دل میں عناد نہیں رکھتے تھے) اس وجہ سے یہ لوگ جنت کے مستحق ہیں۔

تنبیہ

مندرجہ بالا حوالہ جات میں سے بعض حوالے ہم اپنی کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۷۰ پر پیش کر چکے ہیں۔ یہاں اس مضمون میں مزید اضافہ کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں دونوں فریق کے مقتولین کی مغفرت کے متعلق چند ایک بشارات (بصورت خواب) بھی ان ابحاث کے آخر میں ہدیہ قارئین ہوں گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

چند فقہی احکام

جمل وصفین کے واقعات سے علمائے سلف نے بعض فقہی احکام مرتب کیے ہیں ان کی توضیح اس طرح کرتے ہیں کہ دور نبوت میں کفار اور مشرکین کے ساتھ جنگ اور قتال ہوا تو ان کے متعلقہ احکام اس دور میں معلوم ہوگئے چنانچہ بعد میں کفار سے جو قتال پیش آئے تو ان کے حق میں سابقاً احکام اور قواعد موجود تھے۔ لیکن جب اہل تاویل اور اہل بغی کے ساتھ یعنی اہل اسلام میں باہمی حروب وقتال واقع ہوئے تو ان کے متعلق فقہی احکام (مثلاً غسل، جنازہ، کفن دفن اور فراہم شدہ مال وغیرہ کے متعلق) صراحتاً معلوم نہ تھے اور نہ

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۷ ج ۷ تحت آخر قصہ صفین

مدون تھے اور ان کی کوئی مثال و نظیر بھی قبل ازیں سامنے نہ تھی۔

جمل و صفین پیش آنے کے بعد ان واقعات ۔ کو ذریعے سے اس صورت حال کے احکام معلوم ہوئے اور بعد کے علماء و فقہائے کرام نے باغیوں کے احکام یہیں سے حاصل کیے۔ گویا یہ جنگیں ان مسائل کی تشریح کے لیے ایک تکوینی مصلحت و حکمت کا درجہ رکھتی ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان

اور امام الائمہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس مقام میں یہ مسئلہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہ امور اختیار نہ کرتے تو اہل اسلام کے ساتھ قتال کے متعلقہ احکام کسی کو معلوم نہ ہوتے...... الخ [1]

چنانچہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے تطہیر الجنان میں ذکر کیا ہے:

((وقد مر عن الشافعی رحمہ اللہ انه قال اخذت احكام البغاة والخوارج من مقاتلة علی رضی اللہ عنہ لاهل الجمل وصفين والخوارج)) [2]

"یعنی امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باغیوں اور خارجیوں کے متعلقہ فقہی احکامات میں نے ان لوگوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتال کرنے سے حاصل کیے ہیں۔"

اور صاحب احکام القرآن فاضل قرطبی رحمہ اللہ نے درج ذیل عبارت میں اس مسئلہ کو نقل کیا ہے:

((ان حكمة الله تعالىٰ فی حرب الصحابة التعريف منهم لاحكام قتال اهل التاويل۔ اذ كان احكام قتال اهل الشرك قد عرفت علی لسان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وفعله)) [3]

"قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی حرب و جنگ کی (تکوینی) حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اہل شرک و کفر سے قتال کے احکامات قول و فعل نبوی کے ذریعے سے واضح ہو چکے تھے، لیکن اہل تاویل سے قتال کے احکام معلوم نہ تھے وہ صحابہ کی جنگوں کی وجہ سے معلوم ہوئے۔"

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان واقعات کے بعد متعدد فرمودات جاری کیے تھے۔ ذیل میں ان سے بعض فقہی احکام بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔ مثلاً

① جس شخص نے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کو ایذا نہ دی جائے اس کو امان ہے۔

---

1. کتاب المناقب، امام اعظم، موفق بن احمد مکی ج ۲ ص ۸۳ طبع دائرۃ المعارف دکن، باب ۲۴
2. تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) الصواعق المحرقہ ص ۱۳۱ فصل ثالث طبع مصر تحت تنبیہ۔
3. تفسیر قرطبی، ص ۳۱۹ ج ۱۶ تحت الآیہ فاصلحوا بینهما۔ الخ (سورۃ الحجرات)

② ہتھیار ڈالنے والے پر امان ہے۔ (پھر تعرض نہیں کیا جائے گا)
③ مدبر (پیٹھ پھیر کے جانے والے) کا تعاقب نہ کیا جائے۔
④ اسیر (قیدی) کو قتل نہ کیا جائے۔
⑤ زخمی کو مزید زخمی نہ کیا جائے۔
⑥ مقتولین سے ہتھیار ولباس سلب نہ کیے جائیں۔
⑦ مسلمان مرد کو غلام اور مسلمان عورت کو لونڈی نہ بنایا جائے۔
⑧ کسی عورت کی پردہ دری نہ کی جائے یعنی اسے بطور لونڈی کے حلال نہ کیا جائے۔
⑨ شکست خوردہ لوگوں کے اموال کو مال غنیمت کا حکم نہ دیا جائے۔
⑩ جس مال کا مالک متعین طریقہ سے معلوم ہو جائے اسے مالک کی طرف لوٹایا جائے۔

اسی طرح کے فقہی احکام کی اصل وہ فرمان نبوی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ''المغنی'' میں اسے نقل کیا ہے:

((عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه ان النبی ﷺ قال: یا ابن ام عبد: فقال ما حکم من بغی علی امتی؟ فقلت: الله و رسوله اعلم۔ فقال: لا یتبع مدبرهم ولا یجهز علی جریحهم ولا یقتل اسیرهم ولا یقسم فیئهم))[1]

''یعنی نبی کریم ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: جو میری امت پر بغاوت کرے اس کا کیا حکم ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آنجناب ﷺ نے فرمایا ان سے (جنگ سے) پشت دے کر جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے، ان کے زخمی کو مزید زخمی نہ کیا جائے اور ان کے قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور ان کے اموال کو فے کا حکم دے کر تقسیم نہ کیا جائے۔''

مندرجہ بالا فقہی احکامات کو محدثین وفقہاء ومورخین اور اکابر علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں بوضاحت نقل کیا ہے۔ یہ مسئلہ کوئی پوشیدہ امر نہیں اہل علم حضرات بخوبی واقف ہیں۔

واقعہ صفین کے متعلق خاص طور پر یہی احکام علماء نے ذکر کیے ہیں۔ مثلاً ابن ابی شیبہ اور ابن سعد رحمہما اللہ وغیرہ لکھتے ہیں کہ:

((عن ابی امامة رضي الله عنه قال: شهدت صفین فکانوا لا یجهزون علی جریح ولا یطلبون مولیا ولا یسلبون قتیلا))[2]

---

[1] المغنی (ابن قدامہ) ص ۵۳۲ ج ۸ تحت کتاب قتال اہل البغی۔
[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲۴ ج ۱۲ طبع کراچی تحت کتاب الجہاد، روایت ۱۵۱۲۵
طبقات ابن سعد ص ۱۳۲ ج ۷ ق ۲ تحت ابی امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ طبع اول

"یعنی ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں واقعہ صفین میں حاضر تھا اس موقع پر صورت حال یہ تھی کہ مجروح کو مزید مجروح نہیں کرتے تھے اور پشت دے کر جانے والے کا تعاقب نہیں کرتے تھے اور کسی مقتول کا لباس و ہتھیار سلب نہیں کرتے تھے۔"

ان مسائل کو فقہائے کرام اور اکابر علماء نے اپنی اپنی عبارت میں مفصل تحریر کیا ہے۔ ذیل میں چند ایک حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں، ارباب تحقیق وہاں رجوع فرما کر تسلی حاصل کر سکتے ہیں:

① المبسوط (سرخسی) ص ۱۲۶-۱۳۶ ج ۱۰ تحت باب الخوارج
② نصب الرایہ (زیلعی) ص ۴۶۳ ج ۳ کتاب السیر باب البغاۃ
③ فتح القدیر (ابن ہمام) ص ۴۱۲ ج ۴ باب البغاۃ، طبع مصر
④ فتح الباری (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۷-۴۸ ج ۱۳ باب قصۃ الجمل
⑤ کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۸۴ ج ۶ کتاب الفتن من قسم الافعال
⑥ الفتنۃ وقعۃ الجمل ص ۱۸۱ باب سیرۃ علی فیمن قاتل یوم الجمل
⑦ تاریخ ابن جریر طبری ص ۶ ج ۶ تحت سنہ ۳۷ھ

مذکورہ احکامات جو جمل و صفین کے متعلق ذکر کیے جاتے ہیں ان کو شیعہ کے کبار علماء نے بھی اسی نوعیت سے درج کیا ہے۔ ہم ذیل میں صرف حوالہ جات ذکر کرتے ہیں یہاں ان کتب کی عبارت درج کرنے میں طوالت ہوتی ہے۔ ناظرین کرام رجوع کر کے تسلی فرما سکتے ہیں:

① وقعۃ الصفین (نصر بن مزاحم منقری شیعی) ص ۲۳۰ تحت خطبہ علی فی التحریض علی القتال، طبع مصر
② الاخبار الطوال (ابو حنیفہ احمد بن داود دینوری شیعی) ص ۱۵۱ تحت وقعۃ الجمل، طبع مصر
③ علل الشرائع (ابن بابویہ قمی شیعی) ص ۲۰۳ باب ۳۸۵ نوادر العلل۔

مختصر یہ ہے کہ علمائے کرام کے فرمان کے مطابق ان جنگوں سے قبل اہل اسلام میں قتال ہونے کے متعلق بعض فقہی احکام مستور تھے ان کے "تکوینی مصالح" بھی معلوم نہ تھے جو ان کے وقوع کے بعد سامنے آئے۔ ان چیزوں کو مالک کریم جل شانہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس طرح کیوں ہوا؟ یہ چیزیں ہم لوگوں کے فہم و ادراک کی رسائی سے بالاتر ہیں۔

⑤ واقعات ہذا اکابرین امت کی نظروں میں

اہل علم فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جن ایام میں باہمی مشاجرات و محاربات وقتی طور پر پیش آئے وہ ابتلا کا دور تھا اور اسے "دور فتن" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دور کے احکام پر امن دور کے ایام سے مختلف ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ان مشاجرات کے مسائل میں دونوں فریق سے الگ

اور غیر جانبدار رہی اور کسی فریق کے ساتھ حمایت نہیں کی۔ ان حضرات کو ''قاعدین'' اور ''معتزلین'' کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((وکان من الصحابة فریق لم یدخلوا فی شیء من القتال))[1]

''یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو جدال وقتال کے ان واقعات میں کسی ایک فریق کے ساتھ بھی شامل نہیں ہوئی اور الگ رہی۔''

قاعدین حضرات کا موقف

① ان حضرات کا موقف تھا کہ بعض نصوص میں وارد ہے کہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ قتال کے ایام میں علیحدگی اختیار کرنا بہتر ہے۔

② نیز اہل اسلام کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر وعیدات وارد ہیں یہ بات ان کے پیش نظر تھی۔

③ دیگر یہ چیز بھی ان کے سامنے تھی کہ اس فتنہ کے مفاسد اس کے مصالح پر غالب آتے جا رہے ہیں اور ان کی اصلاح کی کوئی صورت سامنے نہیں آ رہی اس وجہ سے بھی ان امور سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

چنانچہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وکان ابومسعود رضی اللہ عنہ علی رأی ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ فی الکف عن القتال تمسکا بالاحادیث الواردة فی ذالك وما فی حمل السلاح عَلَی المسلم من الوعید))[2]

''یعنی کف عن القتال کے معاملہ میں مسلمانوں کا مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے مسئلہ میں وعید موجود ہونے کی وجہ سے ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا وہی خیال تھا جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا خیال تھا یعنی وہ ان امور میں عملاً حصہ لینے کے حق میں نہیں تھے۔''

اسی چیز کو شرح طحاویہ میں یہ عبارت ذیل بیان کیا گیا ہے:

((وقعد عن القتال اکثر الاکابر لما سمعوه من النصوص فی الامر بالقعود فی الفتنة ولما رأوه من الفتنة التی تربو مفسدتها عن مصلحتها))[3]

انتباہ

مقصد یہ ہے کہ ایک جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مشاجرات ہذا سے اجتناب کرنا اور غیر جانبدار رہنا یہ

---

[1] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۰۱، ۵۰۲ ج ۲ تحت ترجمہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

[2] فتح الباری شرح بخاری ص ۵۰ ج ۱۳ تحت باب قصۃ الجمل

[3] شرح الطحاویہ فی العقیدۃ السلفیہ ص ۴۳۱ تحت بحث ہذا مطبوعہ مکتبہ الریاض

اہل اسلام کے لیے عملی سبق اور خاموش نصیحت ہے کہ ان تنازعات میں حصہ نہ لیا جائے اور یہاں جواز و عدم جواز کی بحثیں قائم نہ کی جائیں۔ ایک فریق کی طرفداری کر کے دوسرے فریق پر الزامات عائد نہ کیے جائیں اور تنقیدات کا باب مفتوح نہ کیا جائے ان مسائل میں بحث و مباحثہ سے کف لسان کیا جائے اور زبان طعن دراز نہ کی جائے اور دشنام طرازی سے زبان کو بچایا جائے۔

اسی میں ایمان کی خیر اور دین کی سلامتی ہے اور یہی طریق کبار علمائے اسلام کے نزدیک اسلم ہے اور اہل دیانت کے ہاں یہ شیوہ مستحسن ہے۔

سلف صالحین کی ہدایات

مشاجرات بین الصحابہ کے مسئلہ پر اکابر تابعین اور دیگر علمائے امت کے بے شمار فرمودات بطور نصیحت کے کتابوں میں مرقوم ہیں ان میں سے بقدر ضرورت چند ایک ناظرین کی خدمت میں تحریر کیے جاتے ہیں ایک منصف مزاج اور دیندار شخص کے لیے یہ کافی و وافی ہیں۔

① جلیل القدر بزرگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (جو اپنے عدل اور انصاف میں مشہور ہیں) کی خدمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقشات اور اختلافات کا ذکر بعض افراد نے کیا (جیسا کہ لوگ اپنی مجالس میں گزشتہ واقعات کو تجزیہ و تبصرہ کی خاطر دہرایا کرتے ہیں) تو اس صورت کو دیکھ کر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

((قال (محمد بن النضر) ذكروا اختلاف اصحاب محمد ﷺ عند عمر بن عبدالعزيز فقال امر اخرج الله ايديكم منه ما تعملون السنتكم فيه؟))[1]

''یعنی یہ وہ معاملات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تمھارے ہاتھوں کو دور رکھا تو پھر تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں ملوث کرتے ہو؟''

مطلب یہ ہے کہ تمھیں زبان استعمال کر کے ان چیزوں میں حصہ نہیں لینا چاہیے اور آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔

② اسی نوعیت کی ایک دوسری روایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے صاحب طبقات ابن سعد نے نقل کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہما اور اہل جمل و صفین کے درمیان جو واقعات پیش آئے ان کے متعلق عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تو اس خلیفہ عادل نے معقول انداز میں بہترین جواب دیا کہ:

((سئل عمر بن عبدالعزيز عن علي و عثمان رضي الله عنهما والجمل وصفين وما كان بينهم فقال تلك دما كف الله يدي عنها وانا اكره ان اغمس لساني فيها))[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۸۴ ج ۵ تحت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

[2] طبقات ابن سعد ص ۲۹۱ ج ۵ تحت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (طبع لیڈن)

''فرمایا کہ یہ خوں ریزی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو دور رکھا تو میں اب اپنی زبان کو اس میں ملوث کرنا پسند نہیں کرتا (یعنی استعمال نہیں کرنا چاہتا اور کسی طرف حصہ نہیں لیتا)۔''

ان مشاجرات کے حق میں خلیفہ منصف کے یہ نصائح اور عملی ہدایات ہیں کہ ان واقعات میں کلمہ خیر کے بغیر زبان استعمال نہ کی جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات میں حرف شکایت زبان پر نہ لایا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور اس میں اپنی رائے زنی کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

③ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں مشاجرات بین الصحابہ کے مسئلہ کے متعلق اکابرین امت کی آرا اور ان کی ہدایات بہترین پیرائے میں درج کی ہیں۔ ایک بزرگ محاسبی رحمہ اللہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ ارشادات نقل کیے ہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وقد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال: قتال شهده اصحاب محمد ﷺ وغبنا وعلموا وجهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا قال المحاسبی رحمه الله نحن نقول کما قال الحسن ونعلم ان القوم کانوا اعلم بما دخلوا فیه منا و نبتدع ما اجتمعوا علیه ونقف عند ما اختلفوا فیه ولا تبتدع رایا منا۔ ونعلم انهم اجتهدوا وارادوا الله عزوجل اذ کانوا غیر متهمین فی الدین ونسأل الله التوفیق))[1]

''یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات اور قتال کے حق میں جناب حسن بصری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ یہ کیسے پیش آئے تھے؟ اور ان کا حکم کیا ہے؟ اور ہمیں ان میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ تو اس پر جناب حسن بصری رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ:

① نبی کریم علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان معاملات میں موجود اور حاضر تھے ہم لوگ موجود نہ تھے بلکہ غائب تھے۔

② (شرکائے واقعہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان امور کو ہم سے بہتر جانتے تھے، ہم نہیں جانتے (کہ یہ واقعات کیسے اور کس طرح پیش آئے؟)

③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن امور پر مجتمع اور متفق ہوئے ان میں ہم ان کی اتباع کرتے ہیں۔

④ اور جن چیزوں میں ان کا اختلاف اور تنازع واقع ہوا ہم ان چیزوں میں توقف اختیار کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے ان زریں فرمودات کے بعد جناب محاسبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی

[1] الجامع الاحکام القرآن (قرطبی) ص۳۲۲ ج۱۶ تحت وان طائفتان من المومنین سورۃ الحجرات

حضرت شیخ حسن بصری رحمہ اللہ کے فرمان کے موافق قول کرتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے ہدایت فرمائی اور ہمارا یقین ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ عالم تھے جن امور میں وہ داخل ہوئے پھر جن چیزوں پر ان کا اجتماع ہو گیا اس میں ہم ان کے پیروکار ہیں اور جن امور میں ان کا اختلاف ہو گیا ان میں ہم مداخلت نہیں کرتے بلکہ توقف اور اجتناب کرتے ہیں اور ہم اپنی طرف سے کوئی جداگانہ رائے قائم نہیں کرتے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ انھوں نے اخلاص کی بنا پر مجتہدانہ رائے قائم کی (پھر اس پر گامزن ہوئے) یہ لوگ دین کے معاملہ میں غیر متہم تھے اللہ تعالیٰ سے ہم خیر کی توفیق طلب کرتے ہیں اور ان کے بارے میں حسن ظن اور نیک گمان رکھتے ہیں۔''

④ سابقہ ہدایات کی طرح امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے اس مسئلہ میں یہ نصیحت منقول ہے:

((قال الشافعی رحمہ اللہ وغیرہ من السلف تلك دما طهر الله عنها ایدنا فلنطهر عنها السنتنا))[1]

''یعنی امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر سلف صالحین کا فرمان ہے کہ یہ وہ خون ریزیاں ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا پس ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں اور بچائے رکھیں۔''

یہ ان حضرات کی اس مسئلہ میں بڑی قیمتی ہدایات ہیں ان کو پیش نظر رکھنا ہمارا دینی و اخلاقی فرض ہے۔

⑤ مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسئلہ میں اکابرین کے فرامین ایک تسلسل کے ساتھ ہم ذکر کر رہے ہیں اسی طریقہ کے مطابق حضرت شیخ المشائخ جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا فرمان نقل کیا جاتا ہے اس میں حضرت شیخ نے اس مسئلہ پر نہایت عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات کے حق میں کف کرنے اور ان کے عیوب و نقائص بیان کرنے سے رکنے پر اور ان کے فضائل و محاسن کے اظہار پر اہل سنت والجماعت متفق ہیں ان کا معاملہ اللہ کریم کے سپرد ہے جس طریقہ پر بھی پیش آیا۔

حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، زبیر، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان جو اختلاف ہوا ان تمام چیزوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور ہر فضیلت والے کو اس کے موافق فضیلت دینا درکار ہے۔

---

[1] شرح مواقف ص ۳۷۴ ج ۸ طبع مصر تحت المقصد السابع انه یجب تعظیم الصحابه کلهم۔
الجامع لاحکام القرآن (قرطبی) ص ۳۲۱-۳۲۲، الجزء سادس عشر تحت وان طائفتان من المومنین　الخ (الحجرات)

((واتفق اهل السنة على وجوب الكف عما شجر بينهم والامساك عن مساويهم واظهار فضائلهم ومحاسنهم وتسليم امرهم الى الله عزوجل على ما كان وجرى من اختلاف على و طلحة و الزبير و عائشة ومعاوية رضی اللہ عنہم على ما قدمنا بيانه و اعطاء كل ذى فضل فضله...... الخ))[1]

⑥ نیز علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قتال کے متعلق نصیحت کی ہے اور ساتھ ہی دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان حضرات میں سے کسی ایک صحابی کے حق میں خطا کو متعین طور پر نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے ان افعال میں مجتہد کی حیثیت میں تھے اور اخلاص کی بنا پر ان سے یہ افعال صادر ہوئے۔ یہ تمام حضرات ہمارے لیے پیش رو اور مقتدر امام ہیں ہمیں ان کے باہمی مناقشات کے متعلق رکنے کے لیے حکم ہے اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کا ذکر خیر کے ساتھ کریں برائی کے ساتھ نہ کریں۔

① ایک وجہ تو یہ ہے کہ انھیں صحبت نبوی کا شرف حاصل ہے اور اس کا بہت بڑا احترام ہے۔

② دوسرا یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق سب اور طعن کرنے سے ہمیں منع فرمایا ہے۔

③ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خطائیں معاف فرما دی ہیں اور اس نے ہمیں ان کے حق میں رضامندی کی خبر دے رکھی ہے۔

قرطبی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((لا يجوز ان ينسب الى احد من الصحابة خطا فغلوه مقطوع به اذا كانوا كلهم اجتهدوا فيما فعلوه وارادوا الله عزوجل وهم كلهم لنا ائمة وقد تعبدنا بالكف عما شجر بينهم لا نذكرهم الا باحسن الذكر لحرمة الصحبة ونهى النبى صلی اللہ علیہ وسلم عن سبهم وان الله غفر لهم واخبر بالرضا عنهم))[2]

"یعنی یہ جائز نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو یقینی طور پر خطا پر کہا جائے کیونکہ وہ سب کے سب ان کاموں میں جو انھوں نے کیے مجتہد کے درجہ میں تھے اور ان سب کے پیش نظر اللہ کی رضا تھی صحابہ سب ہمارے لیے امام ہیں اور جو کچھ ان میں اختلافات ہوئے ان سے زبان کو روکے رکھنا ایک عبادت ہے اور ہم انھیں اچھے ذکر کے سوا اور کسی طرح یاد نہیں کرتے۔ یہ ان کی صحابیت کا احترام ہے اور اس لیے بھی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بے شک انھیں بخش دیا ہے اور اس نے اپنے ان سے راضی ہونے کی خبر بھی دے دی ہے۔"

---

[1] غنیۃ الطالبین ص ۱۴۰ (شیخ عبدالقادر جیلانی) تحت فصل ومعتقد اہل السنۃ طبع نول کشور لاہور

[2] الجامع لاحکام القرآن (قرطبی) ص ۳۲۱ ج ۱۶ تحت آیت وان طائفتان من المومنین الخ (الحجرات) طبع مصر۔

⑦ مشاجرات بین الصحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق جس طرح ہم نے سابقہ اکابرین امت کے اقوال ذکر کیے ہیں اسی طرح اب اس بحث کے اختتام پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ایک قول ذکر کرتے ہیں جو انھوں نے فتح الباری میں تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''صحابہ کرام میں جو تنازعات پیش آئے ان کی وجہ سے کسی ایک پر بھی طعن کرنے اور عیب لگانے سے اہل سنت والجماعت نے منع کیا ہے اور اس منع پر اہل السنۃ کا اتفاق ہے اگرچہ یہ جانا جائے کہ کون حق پر ہے وجہ یہ ہے کہ یہ باہمی حروب اجتہاد کی بنا پر تھیں (عناد اور نسلی عصبیت کی بنا پر نہ تھیں) اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں خطا کرنے والے کو معاف فرما دیا ہے۔ بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مجتہد مصیب کو دو اجر دیے جاتے ہیں اور مجتہد مخطی کو ایک اجر ملتا ہے۔''

((واتفق اهل السنة على وجوب منع الطعن على احد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذالك ولو عرف المحق منهم لانهم لم يقاتلوا فى تلك الحروب الا عن اجتهاد وقد عفا الله تعالىٰ عن المخطى فى الاجتهاد بل ثبت انه يوجر اجرا واحدا وان المصيب يوجر اجرين كما سياتى بيانه فى كتاب الاحكام))[1]

یہ تمام فرمودات اپنے اپنے مفہوم میں واضح ہیں ان پر مزید کسی تشریح کی حاجت نہیں۔

ہدایات کا ماخذ

گزشتہ صفحات میں سلف صالحین کی متعدد روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان کا اصل ماخذ بعض وہ روایات ہیں جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں مثلاً:

((عن حذيفة بن يمان رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ يكون بين ناس من اصحابى فتنة يغفرها الله لهم لصحبتهم اياى- يستن بهم فيها ناس بعدهم يدخلهم الله بها النار))[2]

''یعنی آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ میں فتنہ ہو گا میری صحبت کی وجہ سے ان کی مغفرت ہو جائے گی۔ ان کے طریقہ پر ان کے بعد بعض لوگ فتنہ میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں داخل کرے گا۔''

---

1. فتح الباری شرح بخاری ص ۲۸ ج ۱۳ کتاب الفتن باب اذ التقی المسلمین بسیفیھما
2. تفسیر احکام القرآن (قرطبی) ص ۳۹۱ ج ۷ تحت آیت واتقوا فتنہ لا تصیبن الذین ظلموا ... الخ
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۴، ۲۳۳ ج ۷ باب فیما کان فی الجمل والصفین وغیرہا۔

حاصل یہ ہے کہ ''جمل وصفین'' جیسے فتنوں میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مبتلا ہوئے احادیث کی روشنی میں ان کی مغفرت اور بخشش ہو جائے گی۔ لیکن بعد والے لوگ جو اس طرح کی جنگ کھڑی کریں گے وہ دوزخ میں جائیں گے۔

ان ارشادات نبوی کے پیش نظر اکابرین امت نے اہل اسلام کو مذکورہ ہدایات و نصائح فرمائے ہیں کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرنے اور نقد و جرح کرنے سے کلی اجتناب کیا جائے کیونکہ ان کی مغفرت فرما دی گئی ہے۔

① حاصل یہ ہے کہ تنازعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بطور نقد و تنقید حصہ لینے سے اکابرین امت نے منع فرمایا ہے اور کف لسان کرنے کی ہدایات کی ہیں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

② ان کے ان معاملات میں حسن ظن رکھنے کا فرمان دیا ہے۔

③ اسی چیز میں دنیا و عقبیٰ کی سلامتی مضمر ہے اور حفاظت دین و ایمان کے لیے اسلم اور محتاط طریق یہی ہے۔

آخر کلام

اس طویل سمع خراشی سے مقصد یہ ہے کہ جمل وصفین والوں کے حق میں ہمارے نظریات سلف صالحین رحمہم اللہ کے فرمودات کے موافق ہونے چاہئیں اور ہمارے تاثرات ان کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں اور جداگانہ رائے زنی سے اجتناب اور جدید تجزیہ و تبصرہ سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ ہمارا ایمان محفوظ رہے۔

اہل صفین کے حق میں رؤیائے صالحہ

اب ہم اہل صفین کے حق میں دو عدد بشارتیں بطریق خواب ذکر کرتے ہیں جو مسئلہ ہذا کی تائید میں پیش کرنے کے قابل ہیں امید ہیں ناظرین کرام انھیں بنظر استحسان دیکھیں گے۔

یہ رؤیائے صالحہ ہیں جن کو اکابر محدثین اور مورخین نے اپنی معتمد تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اہل صفین کے حق میں یہ ''بشارت عظمیٰ'' تصور کی جاتی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ دلائل شرعیہ اور تاریخی شواہد کی موجودگی میں اگرچہ اس کی چنداں حاجت نہیں تاہم فطری طور پر ''رؤیائے صالحہ'' اور ''مبشرات صادقہ'' سے ایک قسم کا اطمینان اور سکون نیک طبائع میں پیدا ہو جاتا ہے۔

بنا بریں ذیل میں اس واقعہ کے متعلق چند مبشرات صحیحہ درج کی جاتی ہیں جنھیں کبار علماء نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے اور ان کو رد نہیں کیا۔ یہ چیز عند العلماء قبولیت کی علامت ہے۔

ابو میسرہ کا خواب

تابعین میں ایک بزرگ عمرو بن شرحبیل رحمہ اللہ گزرے ہیں جن کی کنیت ابو میسرہ ہے۔ یہ حضرت عمر

فاروق، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشہور تلمیذ اور ان سے ثقہ راوی ہیں۔ آپ بڑے راست گو اور معتمد شخصیت تھے علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو میسرہ رحمہ اللہ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں شریک قتال تھے۔ ابو میسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اہل صفین کے معاملہ کے متعلق بڑے تردد اور پریشانی میں تھا اور میں ان دونوں فریق کے درمیان کوئی فیصلہ کن بات معلوم نہیں کر سکا تھا۔

پس اس حالت میں مجھے ایک خواب میں دکھایا گیا کہ میں جنت میں داخل ہو کر اہل صفین کے پاس پہنچا ہوں وہ ایک سرسبز باغ میں ہیں اور وہاں نہریں چل رہی ہیں پھر وہاں میں نے جنتیوں کے خیمے لگے ہوئے دیکھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کن لوگوں کے خیمے ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ خیمے ذوالکلاع اور حوشب کے لیے ہیں (یہ دونوں بزرگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے) اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھی کہاں ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ ان کا مقام اور قیام آگے ہے۔ میں نے کہا یہ کیسے ہوا حالانکہ بعض نے بعض کو قتل کیا تھا؟ جواب دیا گیا کہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کو واسع المغفرت پایا پس اس نے ان سب کی مغفرت فرما دی۔ پھر میں نے پوچھا کہ اہل نہروان کا کیا ہوا؟ تو اس کے متعلق جواب ملا کہ وہ شدت اور سختی میں ڈال دیے گئے ہیں۔

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن ابی وائل قال رای فی المنام ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل وکان افضل اصحاب عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) قال رأیت کانی ادخلت الجنة فرأیت قبابا مضروبة فقلت لمن ھذہ؟ فقیل ھذا لذی الکلاع وحوشب و کانا ممن قتل مع معاویة رضی اللہ عنہ یوم صفین۔ قال قلت و این عمار واصحابه ؟ قال امامك۔ قلت کیف وقد قتل بعضھم بعضا؟ قال فقیل انھم لقوا اللہ فوجدوہ واسع المغفرة قال قلت فما فعل اھل النھر؟ قال فقیل لقوا برحا))

ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل رحمہ اللہ کے اس واقعہ خواب کو مندرجہ ذیل محدثین اور مورخین نے بھی اپنی اپنی عبارات کے ساتھ اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ ذیل میں ہم صرف ان کے حوالہ جات نقل کرتے ہیں تا کہ اہل تحقیق رجوع فرما کر تسلی کر سکیں۔ عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ ان تمام حوالہ جات میں سب سے مفصل واقعہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔ اور مندرجہ بالا عبارت مصنف ابن ابی شیبہ کی ہے۔

① مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۰-۲۹۱ ج ۱۵ تحت باب ما ذکر فی صفین طبع کراچی

② کتاب السنن (سعید بن منصور خراسانی) ص ۳۶۹ ج ۳ باب جامع الشہادۃ طبع مجلس علمی

③ طبقات ابن سعد ص ۱۸۸، ۱۸۹ ج ۳ آخر ترجمہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما (طبع لیڈن)

④ کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۱۴ ج ۳ طبع بیروت

⑤ حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۴۳ ج ۴ تحت عمرو بن شرحبیل ابو میسرہ رحمہ اللہ

⑥ السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۷۴ ج ۸ تحت قتال اہل البغی، طبع حیدر آباد، دکن

⑦ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوط) ص ۳۷۹ ج ۵ تحت حوشب بن سیف

⑧ العبر (ذہبی) ص ۴۰ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ

⑨ مرآۃ الجنان (یافعی) ص ۱۰۳-۱۰۴ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ

⑩ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۳۸۲ ج ۱ تحت الحوشب ذو ظلیم

⑪ الناہیہ عن طعن معاویہ رضی اللہ عنہ (مولانا عبدالعزیز) ص ۷ طبع ملتان

تنبیہ

مذکورہ بالا قریباً دس عدد علمائے کرام کے حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں ان حضرات میں سے بعض نے ان اسناد کے صحیح ہونے کی تصریح فرما دی ہے۔ مثلاً حافظ ذہبی، بسوی، یافعی اور ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ نے اس روایت کی صحت کی تصریح کی ہے نیز ان حضرات نے واقعہ ہذا کے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید نہیں کی۔ پس یہ چیز اس کے قابل قبول ہونے کے لیے کافی ہے۔

(۲) بشارت ثانیہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خواب

صالح خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے دور کے اکابر تابعین میں مشہور ثقہ اور معتمد شخصیت ہیں۔ ان کا ایک خواب محدث ابوبکر بن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور دیکھتا ہوں کہ ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما جناب کی خدمت اقدس میں حاضر ہیں میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے۔ پھر ان دونوں کو ایک مکان میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جلد ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس مکان سے برآمد ہوئے اور کہنے لگے ''رب کعبہ کی قسم! اس معاملہ کا میرے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے۔'' پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مکان سے باہر آئے اور یوں کہہ رہے تھے کہ ''رب کعبہ کی قسم! میرے لیے مغفرت فرما دی گئی۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ تمام واقعہ نقل کیا ہے اصل عبارت اہل

علم کے اطمینان کے لیے تحریر کی جاتی ہے:

"((عن عمر بن عبدالعزیز رحمه الله قال رأیت رسول الله ﷺ فی المنام وابوبکر وعمر رضی الله عنهما جالسان عنده فسلمت علیه وجلست۔ فبینما انا جالس اذا اتی بعلی و معاویة رضی الله عنهما فادخلا بیتا واجیف الباب وانا انظر فما کان باسرع من ان خرج علی رضی الله عنه وهو یقول قضی لی و رب الکعبة۔ ثم ما کان باسرع ان خرج معاویة رضی الله عنه وهو یقول غفرلی ورب الکعبة))[1]

مندرجہ بالا رؤیائے صالحہ کو امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی اپنی مشہور تصنیف ''کیمیائے سعادت'' میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے۔ اہل علم کی تسلی کے لیے عبارت بعینہٖ درج کی جاتی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ:

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میگوید کہ رسول اللہ ﷺ را بخواب دیدم با ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) نشستہ چون با ایشان نشستم ناگاہ علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) را بیاوردند ودر خانہ فرستادند و در بہ بستند۔ در وقت علی (رضی اللہ عنہ) را دیدم کہ بیروں آمد وگفت قضی لی ورب الکعبہ یعنی حق مرا نہاند پس بزودی معاویہ (رضی اللہ عنہ) بیروں آمد وگفت غفرلی ورب الکعبہ مرا نیز عفو کردند و بیامرزیدند۔''[2]

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے خواب میں دیکھا۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں بھی آپ کی خدمت اقدس میں بیٹھ گیا تو ناگہاں حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو لایا گیا اور ایک مکان میں داخل کر کے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! میرے حق میں فیصلہ ہوا ہے اور پھر جلد ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور آ کر کہا کہ رب کعبہ کی قسم! مجھے معاف کر دیا گیا اور بخش دیا گیا ہے۔''

ان بشارات کی روشنی میں مسئلہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی نے صفین والے حضرات کے ساتھ عفو اور معافی کا معاملہ فرما دیا ہے اور ان کی باہمی آویزشوں سے درگزر فرما کر مغفرت فرما دی ہے۔ فلہٰذا ہم لوگوں کو بھی ان کے حق میں حسن ظن رکھنا لازم ہے اور ان کے متعلق بدگمانی اور سوء ظنی سے پرہیز کرنا ضروری ہے (جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر کیا گیا ہے)۔

---

[1] کتاب الروح (ابن قیم) ص ۳۱ تحت مسئلہ ثالثہ طبع حیدر آباد دکن۔
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۰ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (ماورد فی مناقبہ وفضائلہ) طبع مصر

[2] کیمیائے سعادت فارسی ص ۴۸۴ مطبع محمدی بمبئی تحت پیدا کردن احوال مردگان کہ مکشوف شدہ است بطریق خواب

تنبیہ

بحث ہذا کے آخر میں رفع شبہ کے طور پر چند کلمات درج کیے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خواب محض وہم اور گمان ہوتا ہے اس بنا پر اس پر کچھ اعتماد نہیں اور نہ اس سے کوئی صحیح تاثر لیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں چند امور تحریر کیے جاتے ہیں:

دراصل خواب کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ''رؤیائے صالحہ'' اور صحیح ہوتے ہیں اور بعض محض وہم اور پریشان خیالی ہوتی ہے جس کو ''اضغاث احلام'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صحیح خواب (رؤیائے صالحہ) کے متعلق قرآن مجید میں متعدد واقعات موجود ہیں مثلاً:

① حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے متعلق اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى..... الخ

② حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ (سورۃ یوسف)

③ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب مبارک جس کا ذکر لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ...... الخ (سورۃ فتح) میں فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح دیگر بھی کئی رؤیا کے واقعات صحیحہ پائے جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں بھی صحیح رؤیا کے متعلق متعدد روایات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

① جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد نبوت باقی نہیں ہے الا المبشرات۔ لوگوں نے عرض کیا کہ مبشرات کیا ہیں؟ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الرویا الصالحة یراها الرجل الصالح او تری له))[1]

''یعنی مبشرات کی تشریح فرماتے ہوئے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نیک خواب ہیں جو نیک انسان خود دیکھتا ہے یا اس کے حق میں کوئی دوسرا شخص دیکھتا ہے۔''

② نیز آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں مگر رؤیائے صالحہ ہے۔

((لیس یبقی بعدی من النبوة الا الرؤیا الصالحة))[2]

---

[1] موطا امام مالک ص ۳۸۷ باب ما جاء فی الرؤیا طبع مجتبائی دہلی
مسند دارمی ص ۲۷۲ کتاب الرؤیا باب فی قوله تعالیٰ لهم البشری...... الخ

[2] موطا امام مالک ص ۳۷۸ تحت باب ما جاء فی الرؤیا طبع دہلی۔

ان احادیث کی روشنی میں متعدد واقعات رویائے صالحہ کے متعلق پائے جاتے ہیں مثلاً:

① حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خواب موطا امام مالک میں مذکور ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند میرے حجرہ میں آ کر گرے ہیں۔ پس میں نے اس خواب کو اپنے والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیان کیا۔ پھر جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا اور میرے حجرے میں ہی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہوئے تو اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ:

((هذا احد اقمارك وهو خيرها))[1]

''یعنی یہ ان تین چاندوں میں سے ایک ہیں اور یہ ان سب سے بہتر ہیں۔''

② دوسرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خواب ہے جو آپ نے جمعہ کے روز خطبہ میں ذکر فرمایا:

((ايها الناس انی رايت ديكا احمر نقرنی نقرتين ولا اری ذالك الا حضور اجلی))[2]

''یعنی اے لوگو! میں نے ایک سرخ مرغ دیکھا ہے کہ اس نے دو چونچیں مجھ پر لگائیں، اور اس سے میں نے اپنے انتقال کو قریب سمجھا ہے۔''

اس نوع کے بہت سے رؤیائے صحیحہ دستیاب ہو سکتے ہیں لیکن تائید مسئلہ کے لیے مندرجہ بالا اشیاء کافی ہیں۔

مذکورہ امور کی روشنی میں یہ ہر دو خواب جو اہل صفین کے حق میں ہم نے ذکر کیے ہیں ان کو ''حجت اقناعی'' کے درجہ میں قبول کیا جاتا ہے اور ان کو محض وہم اور خیال قرار دے کر رد نہیں کیا جا سکتا۔ پس ان کی وہی حیثیت ہے جو ایک صحیح خواب کی ہوتی ہے اور ایک ایماندار شخص کے لیے قابل اطمینان ہے اور صالح طبائع کے لیے سکون قلبی کی خاطر مفید ہے۔

فلہٰذا اہل صفین کے حق میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ مالک کریم نے ان کی مغفرت کا سامان فرما کر ان کو نجات دے دی ہے۔ وما ذالك على الله بعزيز۔

چند واقعات

جنگ صفین کے بعد واقعہ تحکیم میں جب ناکامی ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے اپنے لیے خلافت کی بیعت لے لی، اور بیعت ہذا ذی القعدہ ۳۷ھ میں منعقد ہوئی۔ اس سے قبل آپ اپنے سابقہ منصب امیر شام ہونے کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور خلافت کے مدعی نہیں تھے۔

1. موطا امام مالک ص ۸۰ تحت باب ما جاء فی دفن المیت۔ طبع دہلی
2. مصنف ابن ابی شیبہ ص ۷۲-۷۳ ج ۱۱ بحث ما عبرہ عمر رضی اللہ عنہ (طبع کراچی)

((ثم لما كان من امر الحكمين ما كان واختلف اهل العراق علىٰ علی رضی اللہ عنہ و بايع اهل الشام معاوية رضی اللہ عنہ بالخلافة))[1]

''یعنی حکمین کا معاملہ (تحکیم کے مسئلہ میں) جو ہوا سو ہوا، اور اہل عراق بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر آپس میں مختلف ہو گئے تو اہل شام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کر لی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن عراق میں اب پہلی سی نہ رہی تھی اور حکمین کی اس رائے نے کہ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ رہیں نہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر رہیں نئے حالات پر اثر ڈالا۔

اسی مسئلہ کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((وقد كانوا استفحل امرهم حين انصرف علی رضی اللہ عنہ من صفين وحين كان من امر التحكيم ما كان و حين نكل اهل العراق عن قتال اهل الشام وقد كان اهل الشام حين انقضت الحكومة بدومة الجندل سلموا على معاوية رضی اللہ عنہ بالخلافة وقوى امرهم جدا))[2]

''یعنی جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صفین سے واپس ہوئے اور تحکیم کا معاملہ جو ہوا سو ہوا تو اس معاملہ کی اہمیت بڑھ گئی اور جب اہل عراق اہل شام کے قتال سے رجوع کرنے لگے اور حکومت کا نظام دومۃ الجندل پر جاتا رہا تو اہل شام نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور ان کا معاملہ بہت قوی ہو گیا۔''

مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا اور آپ اہل شام کے لیے خلیفہ اور امیر متعین ہو گئے۔

تحکیم میں ناکامی کے واقعہ سے لے کر جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح (۴۰ھ) تک کے درمیانی دور میں فریقین کے عمال اور فوجی قائدین کے درمیان جو تصادم و تعارض کے مختلف واقعات پیش آئے ان کی حیثیت مقامی اور وقتی طور پر عبوری دور کی جھڑپوں سے زیادہ نہیں خود حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین اس دور میں کوئی معرکہ قائم نہیں ہوا۔

اب اس دور کے چند ایک واقعات ذکر کیے جاتے ہیں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے کچھ قابل ذکر ہیں، تمام تفصیلات پیش کرنا یہاں مقصود نہیں۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون ص ۱۱۲۵ ج ۲ تحت ولایۃ عمرو بن العاص مصر
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۴ ج ۱ تحت وقعۃ الصفین ۳۷ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۳ ج ۷ تحت سنہ ۳۸ھ

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقام پر مصر کے بارے میں اپنے عمال و ولاۃ اور اہل الرائے سے مشورہ کیا کہ وہاں جانا چاہیے یا نہ؟ سب نے اس کا ہاں میں جواب دیا۔

((فعند ذالك جمع معاوية رضی اللہ عنہ امراءه عمرو بن العاص، شرحبيل بن السمط وعبدالرحمن ابن خالد بن الوليد والضحاك بن قيس و بسر بن ابى ارطاة واباالاعور السلمى، وحمزة بن سنان الهمدانى وغيرهم رضی اللہ عنہم، فاستشارهم فى المسيرة الى ديار مصر فاستجابوا له))[1]

''یعنی اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے امراء حضرت عمرو بن عاص، شرحبیل بن سمط، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، ضحاک بن قیس، بسر بن ابی ارطاۃ، ابوالاعور سلمی اور حمزہ بن سنان ہمدانی وغیرہم رضی اللہ عنہم سے دیار مصر کی طرف پیش قدمی کے لیے مشورہ طلب کیا تو انھوں نے اس اقدام کی تائید کی۔''

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ کے مطابق حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (جنھوں نے عہد فاروقی میں مصر کو فتح کیا تھا) کو مصر کی طرف روانہ کیا اور اس موقع پر انھیں چند نصائح اور ہدایات فرمائیں جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خشیت الٰہی، مومنانہ نرمی اور ان کی صلح و اتفاق کی پالیسی کا پتہ چلتا ہے۔

((واوماه بتقوى الله والرفق والمهل والتودة وان يقتل من قاتل ويعفو عن من ادبر وان يدعوا الناس الى الصلح والجماعة))[2]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اللہ سے خوف کرنے، نرمی اور حوصلہ مندی کی ہدایت فرمائی، مقابلہ کرنے والوں کے خلاف قتال کرنے اور پشت دے کر جانے والے کو معاف کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کو صلح اور جماعت کے ساتھ رہنے کی دعوت دیں۔''

دوسری جانب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما والی مصر کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو حاکم مصر بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

محمد بن ابی بکر ناتجربہ کار و نوخیز جوان تھے جب آپ مصر پہنچے تو اہل مصر نے آپ کو خفت کی نگاہ سے دیکھا نیز محمد بن ابی بکر بعض امور میں جلد باز ثابت ہوئے اور اہل مصر پر اقتدار قائم کرنے میں ناکام رہے خصوصاً خربتا کے علاقہ میں جو لوگ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے اور ان کی مظلومانہ شہادت سے خاصے متاثر تھے ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۳ ج ۷ تحت سنہ ۳۸ ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۳ ج ۷ تحت سنہ ۳۸ ھ

ان حالات کی اطلاع جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملی تو جناب نے اشتر نخعی کو محمد بن ابی بکر کی معاونت کے لیے روانہ فرمایا۔ اشتر نخعی ابھی مصر نہیں پہنچے تھے کہ راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور جب آنجناب کو اشتر کے انتقال کی خبر پہنچی تو آپ بہت مغموم اور متاسف ہوئے۔

ادھر جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ مصر پہنچے تو خربتا کے لوگ بھی آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان حضرات کا محمد بن ابی بکر سے معارضہ ہوا اور محمد بن ابی بکر مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ ان کا اثر وہاں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بہت کم تھا آخر کار محمد بن ابی بکر معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مقتول ہوئے اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کے تمام انتظامات کو سنبھال لیا۔ یاد رہے کہ محمد بن ابی بکر اور اشتر نخعی دونوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے میں حصہ لیا تھا اور حملہ آوروں میں بھی شامل تھے۔ گو محمد بن ابی بکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شرم دلانے سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔

تنبیہ

محمد بن ابی بکر کے قتل کے واقعہ کو دردناک اور المناک بنانے کے لیے رواۃ نے ایک بڑی داستان ذکر کی ہے جو بے اصل ہے۔ ہم نے اس کی وضاحت ''محمد بن ابی بکر کے قتل کے طعن'' کے تحت جوابات مطاعن میں پیش کر دی ہے۔ ناظرین کرام وہاں ملاحظہ فرما سکیں گے۔

(۴) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ کے علاقہ پر والی تھے۔ ایک موقع پر آپ زیاد بن ابیہ کو بصرہ پر اپنا نائب مقرر کر کے کوفہ تشریف لے گئے۔ اس دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو حضرمی اہل بصرہ کی طرف ایک مکتوب لے کر بنی تمیم کے ہاں پہنچے۔ اس مکتوب میں ان لوگوں کا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ عہد کا بیان تھا اور انھیں اس عہد کو ایفا کرنے کی دعوت دی گئی تھی چنانچہ بنی تمیم عبداللہ بن عمرو حضرمی کی حمایت میں ہو گئے اور انھیں اپنے ہاں پناہ دی۔

((وفی هذا الحين بعث معاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما كتابا مع عبدالله بن عمرو الحضرمی الی اهل البصرة يدعوهم الی الاقرار بما حكم له عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فلما قدمها نزل علی بنی تميم فاجاروه))[1]

اس واقعہ کی خبر جب زیاد بن ابیہ کو بصرہ میں پہنچی تو اس نے قبیلہ بنی تمیم کے حالات کو درست کرنے کے لیے اعین بن ضبیعہ کی نگرانی میں ایک دستہ فوج روانہ کیا مگر قبیلہ بنی تمیم سے معارضہ کے دوران میں امیر دستہ قتل ہو گیا۔

ان واقعات کی اطلاع جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملی تو آنجناب نے جوابی کارروائی کے لیے جاریہ بن

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۲ ج ۷ تحت واقعات سنہ ۳۸ھ

قدامہ تمیمی کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بصرہ روانہ کیا۔ جاریہ بن قدامہ نے عبداللہ بن عمرو حضرمی اور بنی تمیم کو اپنے موقف سے رجوع کرنے کی دعوت دی مگر انھوں نے رجوع نہیں کیا اور اپنے موقف پر قائم رہے۔ اس پر جاریہ بن قدامہ نے ان لوگوں کا محاصرہ کر لیا قتال کی نوبت آئی اور جاریہ نے ان کو شکست دی اور جلا ڈالا۔[1]

جب عبداللہ بن عمرو حضرمی اور اس کے ساتھیوں کے قتل اور پھر ان کو آگ میں جلا ڈالنے کی خبر ارض فارس وغیرہ میں پہنچی تو ان علاقہ جات کے لوگ سخت برہم ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کے جذبات اور بھڑک اٹھے یہاں تک کہ ان لوگوں نے خراج کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور مرکز سے برگشتہ ہو کر سرکشی اختیار کی اور اہل فارس نے علاقہ کے حاکم سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو نکال دیا......الخ

((وكانوا قد منعوا الخراج والطاعة وسبب ذالك حين قتل ابن الحضرمي واصحابه بالنار حين حرقهم جارية بن قدامة فى تلك الدار كما قدمنا فلما اشتهر هذا الصنيع فى البلاد تشوش قلوب كثير من الناس على على رضي الله عنه واختلفوا على على رضي الله عنه ووضع اكثر اهل تلك النواحى خراجهم ولا سيما اهل فارس فانهم تمردوا واخرجوا عاملهم سهل بن حنيف...... الخ))[2]

چنانچہ اس واقعہ کی بنا پر ارض فارس کے حالات کو درست کرنے کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو علاقہ فارس کا حاکم مقرر فرما کر روانہ کیا اور انھوں نے اپنی بصیرت اور کدو کاوش سے حالات کو درست کیا۔

(۳) مورخین نے ایک اور واقعہ بھی جو اس دوران میں پیش آیا یہاں ذکر کیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بسر بن ابی ارطاۃ جب علاقہ یمن میں پہنچے تو وہاں عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی یمن تھے۔ ان کا باہمی معارضہ ہوا مگر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان حالات میں بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہما کا مقابلہ نہ کر سکے اور کوفہ چلے گئے اور وہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حالات بیان کیے تو آنجناب نے بسر بن ابی ارطاۃ کے مقابلہ کے لیے جاریہ بن قدامہ نے ایک جمعیت کے ساتھ یمن کی طرف روانہ فرمایا جب بسر رضی اللہ عنہما کو جاریہ بن قدامہ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور جاریہ بن قدامہ نے حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حمایتیوں کو جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے اٹھے ہوئے تھے قتل کر دیا اور جلا ڈالا۔

((ولما بلغ عليا رضي الله عنه خبر بسر وجه جارية بن قدامة فى اليمن...... فسار

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۶ ج ۷ تحت واقعات سنہ ۳۸ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۰ ج ۷ تحت واقعات سنہ ۳۹ھ

جاریه (بن قدامة) حتی بلغ نجران فحرق بها وقتل ناسا من شیعة عثمان وهرب بسر واصحابه))[1]

تنبیہ

واقعہ ہذا کے تحت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو معصوم فرزندوں کے قتل کے واقعہ (کہ بسر بن ابی ارطاۃ نے یہ ظلم کیا تھا) کو مورخین نے ذکر کیا ہے۔ یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے مظالم کو نمایاں کرنے اور اس داستان کو حسرتناک بنانے کے لیے ہے ورنہ یہ واقعہ بے اصل ہے اس کو دلائل کے ساتھ ہم نے مطاعن کے جوابات میں بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مصالحت و مہادنت یعنی فریقین میں معاہدہ جنگ بندی

۳۸ھ-۳۹ھ کے درمیانی دور میں باہمی معارضات کے متعدد واقعات مختلف علاقہ جات میں پیش آئے۔ ان کی وجوہ اور اسباب مختلف تھے ان معاملات میں مورخین کے مختلف نوع کے نظریات پائے جاتے ہیں بہرکیف ان کے اسباب و علل جو کچھ بھی ہوں ان کی تفصیلات ذکر کرنا مطلوب نہیں۔ اتنی بات ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ ان حالات میں ایک قسم کی اضطرابی کیفیت تھی اور ملک میں باہمی انتشار کا دور دورہ تھا۔

اندریں حالات دونوں فریق (سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کے درمیان حرب و ضرب کے سلسلہ کو ختم کرنے کے لیے مراسلت اور مکاتبت ہوئی جس کے نتیجہ میں ۴۰ھ میں بین الفریقین صلح ہوگئی، جسے معاہدہ جنگ بندی سے تعبیر کرنا زیادہ موزوں ہے اور یہ صلح نامہ درج ذیل تفصیلات پر مشتمل تھا:

1. عراق کا ملک اور اس کے ملحقات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم کے تحت ہوں گے۔
2. ملک شام اور اس کے ملحقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت ہوں گے۔
3. کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے علاقہ پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کرے گا۔
4. ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال سے گریز کریں گے اور کسی ایک فریق کے علاقہ میں دوسرا فریق اپنی فوج نہیں بھیجے گا۔

((وفی هذه السنة (۴۰ھ) جرت بین علی و معاویة رضی اللہ عنہما "المهادنة" بعد مکاتبات یطول ذکرها علی وضع الحرب بینهما وان یکون ملك العراق لعلی ولمعاویة الشام ولا یدخل احدهما علی صاحبه فی عمله بجیش ولا غارة ولا غزوة...... و امسك كل واحد منهما عن قتال الاخر وبعث الجیوش

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۳۲۲ ج۷ تحت حالات سنہ ۴۰ھ

الی بلادہ واستقر الامر علی ذالک))[1]

اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ:

((وانہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) کان شاھدا للصلح))[2]

''یعنی اس صلح نامہ کے شاہدین اور گواہوں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔''

مختصر یہ ہے کہ انجام کار ان کشیدہ حالات کی اصلاح کے لیے فریقین میں باہمی مہادنت اور مصالحت ہوگئی۔ یہ ۴۰ھ میں واقع ہوئی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین یہ قیام امن کے حالات دشمنان اسلام کو کسی صورت میں گوارا نہ تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ آپس میں لڑتے نہیں اور پھر سے ایک دوسرے کے قریب ہونے لگے تو انھوں نے ان سب اکابر کو قتل کرنے کی سکیم تیار کر لی۔ چنانچہ انھوں نے اسی سال رمضان المبارک ۴۰ھ میں ایک خاص منصوبہ کے تحت حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ وحضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم تینوں حضرات پر حملہ کرایا اور اسلام سے اپنے بغض وعداوت کا پورا ثبوت دیا۔ اس پروگرام میں جو لوگ ان دشمنان اسلام (یہود ومجوس) کے کام آئے وہ خوارج تھے۔

اجتماعی قتل کا اہم منصوبہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

چنانچہ حرم کعبہ میں تین خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم الحمیری الکندی المرادی، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی جمع ہوئے اور انھوں نے قتل کا ایک اہم منصوبہ تیار کیا جسے پورا کرنے کے لیے اپنی جانوں کو فدا کرنے کا عہد کیا۔

خارجیوں کا خیال تھا کہ جب تک یہ تین شخص یعنی علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم زندہ ہیں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ ان لوگوں نے ہمارے بھائیوں (یعنی خوارج) کو قتل کیا ہے، لہٰذا ہم پر ان ہر تین اشخاص کو قتل کر کے اہل بلاد کو راحت پہنچانا لازم ہے۔

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۸۱ ج ۶ تحت سنہ ۴۰ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ
تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۱۹۳ ج ۳ تحت سنہ ۴۰ھ طبع مصر
کتاب التمہید (ابوالشکور سالمی) ص ۱۶۹ تحت القول الثامن فی قتل الحسین رضی اللہ عنہ طبع لاہور۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

((فلو شرينا انفسنا فاتينا ائمة الضلال فقتلناهم فارحنا منهم البلاد واخذنا منهم ثار اخواننا فقال ابن ملجم اما انا فاكفيكم على بن ابى طالب وقال البرك وانا اكفيكم معاوية وقال عمرو بن بكر وانا اكفيكم عمروبن العاص فتعاهدوا وتواثقوا ان لا ينكص رجل منهم عن صاحبه حتى يقتله او يموت دونه فاخذوا اسيافهم فسموها واتعدوا لسبع عشرة رمضان ان يبيت كل واحد منهم صاحبه فى بلده الذى هو فيه))[1]

''مطلب یہ ہے کہ ان تینوں نے آپس میں اس طور پر معاہدہ کیا کہ ابن ملجم مرادی نے کہا کہ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے قتل کا میں ذمہ لیتا ہوں اور برک بن عبداللہ نے کہا کہ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے کا میں عہد کرتا ہوں اور عمرو بن بکر (یا بکیر) نے کہا کہ عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کو ہلاک کرنے کے لیے میں کافی ہوں۔ اور سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ کی تاریخ طے کی کہ ان کے بلاد میں پہنچ کر صبح کی نماز میں حملہ کیا جائے۔ اس منصوبہ کو تمام کرنے کے لیے انھوں نے آپس میں پختہ عہد کیا کہ ہم ان کو قتل کریں گے یا خود اپنی جان دے دیں گے۔ اور اس عہد کے بعد یہ تینوں خارجی اپنے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے کوفہ، شام اور مصر کی طرف چل دیے۔''

اس پروگرام کے تحت عبدالرحمٰن بن ملجم کوفہ پہنچا اور مقررہ تاریخ سترہ رمضان المبارک کو صبح کی نماز سے قبل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ یہ ضرب شدید تھی اس سے حضرت جان بر نہ ہو سکے اور تین دن بعد بروز جمعہ ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو آپ شہید ہو گئے۔[2]

قبل ازیں شہادت علوی کا یہ واقعہ ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں بقدر ضرورت تفصیل سے درج کر دیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

برک بن عبداللہ خارجی اپنے طے شدہ منصوبہ کے تحت متعین تاریخ (سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ) کو ملک شام دمشق پہنچا۔ صبح کی نماز میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو اس نے ایک زہر آلود خنجر کے ساتھ وار کیا اور اس سے آپ کی سرین شدید زخمی ہو گئی۔ حملہ آور پکڑا گیا تو کہنے لگا کہ میں آپ کو ایک

---

1. البدایہ والنہایہ ص ۳۲۶ ج ۷ تحت صفۃ مقتلہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ
طبقات ابن سعد ص ۲۳ ج ۳ تحت عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی۔
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۳۹، ۱۴۰ ج ۹ باب احوال علی رضی اللہ عنہ

2. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۲ ج ۱ تحت سنہ ۴۰ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت صفۃ مقتل علی رضی اللہ عنہ ۴۰ھ

خوشخبری دیتا ہوں مجھے چھوڑ دو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو کہنے لگا کہ میرے ساتھی نے اسی تاریخ کو علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) پر حملہ کیا ہے اور اس کو ختم کر دیا ہوگا۔ بعدہ اس حملہ آور برک بن عبداللہ تمیمی کو شر کے سد باب کی خاطر قتل کر دیا گیا اور علاج معالجہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحت یاب ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد حفاظتی طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کے مقام پر مقصورہ تعمیر کرایا جس میں حفاظتی انتظامات کیے گئے۔

((واما صاحب معاوية وهو البرك فانه حمل عليه وهو خارج الى صلوة الفجر فى هذا اليوم فضربه بالسيف وقيل بخنجر مسموم فجاءت الضربة فى وركه فجرحت اليته ومسك الخارجى فقتل۔ وقد قال لمعاويه رضي الله عنه اتركنى فانى ابشرك ببشارة۔ فقال وما هى؟ فقال ان اخى قد قتل فى هذا اليوم على بن ابى بن طالب...... فامر به فقتل...... ومن حينئذ عملت المقصورة فى المسجد الجامع وجعل الحرس حولها فى حال السجود))[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

تیسرے خارجی عمرو بن بکر (بکیر) نے مصر پہنچ کر صبح کی نماز کے وقت امام نماز پر حملہ کر دیا۔ اس روز جناب عمرو بن عاص اتفاقاً بیمار ہو گئے تھے اور انھوں نے نماز پڑھانے کے لیے خارجہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا تھا خارجہ رضی اللہ عنہ آپ کے ایک پولیس افسر تھے اور قبیلہ بنی عامر بن لوی سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ اس خارجی کے قاتلانہ حملہ سے خارجہ موصوف رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور عمرو بن بکر خارجی کو پکڑ لیا گیا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا تو نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے خارجہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کی موت کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے بعد اس قاتل کو فساد کی جڑ کاٹنے کے لیے قتل کر دیا گیا۔

((واما عمرو بن بكر (بكير) فقعد لعمرو بن العاص رضي الله عنه فى تلك الليلة التى ضرب فيها معاوية رضي الله عنه فلم يخرج واشتكى فيها بطنه فامر خارجة بن حبيب و كان صاحب شرطة وكان من بنى عامر بن لؤى فخرج يصلى بالناس فشد عليه وهو يرى انه عمرو بن العاص رضي الله عنه فضربه بالسيف

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۹ ج ۷ تحت صفۃ مقتل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سنہ ۴۰ھ
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۴۲، ۱۴۳، ج ۹ تحت آخر باب احوال علی رضی اللہ عنہ۔
تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۱۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔

فقتله۔ قال عمرو رضی اللہ عنہ اردتني والله اراد خارجة وقدمه وقتله...... الخ))[1]

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اظہار تاسف اور مدح سرائی

گزشتہ سطور میں خوارج کے اجتماعی منصوبہ قتل کی قلیل سی وضاحت ذکر کی گئی ہے۔ اس سے خوارج کی اکابر اہل اسلام کے حق میں کینہ اور بغض و عداوت واضح ہوتی ہے۔

اس پروگرام کے تحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خوارج کے ہاتھوں شہادت واقع ہوگئی اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو قدرت کاملہ نے محفوظ رکھا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ بے ساختہ رونے لگے اور بار بار ''اِنا للہ وانا الیہ راجعون'' کہتے تھے اس وقت آپ اندرون خانہ تشریف فرما تھے آپ کی زوجہ نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ آپ اس خبر پر اس قدر رو رہے ہیں اور اظہار افسوس کر رہے ہیں حالانکہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے ساتھ آپ جنگ و جدال کرتے رہے؟ اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تمھیں معلوم نہیں ہے اور تم نہیں جانتی کہ کس قدر فضیلت فقہ اور علم سے لوگ محروم ہو گئے ہیں (اور یہ چیزیں لوگوں میں سے مفقود اور ختم ہو گئیں)۔

یعنی آنجناب کی شہادت اس دور کے لوگوں کے لیے عظیم خسارہ ہے۔

((عن جرير بن عبدالحميد عن مغيرة قال لما جاء قتل علي رضی اللہ عنہ الى معاوية رضی اللہ عنہ جعل يبكي ويسترجع۔ فقالت له امرأته تبكي عليه وقد كنت تقاتله فقال لها و يحك انك لا تدرين ما فقد الناس من الفضل والفقه والعلم......

وفي رواية انها قالت له بالامس تقاتلنه واليوم تبكينه؟))[2]

اسی طرح اس موقع پر ایک دوسری روایت ضرار صدائی رحمہ اللہ سے شیعہ و سنی علماء نے ذکر کی ہے۔ اس میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حالات سن کر رنج والم کا اظہار کرنا پایا جاتا ہے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ ضرار صدائی رحمہ اللہ (جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص حامی تھے) ایک دفعہ حضرت

---

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص۱۴۲-۱۴۴ ج۹ باب آخر احوال علی رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۳۲۹ ج۷ تحت مقتل علی رضی اللہ عنہ
کتاب المحبر (ابو جعفر بغدادی) ص۲۹۴ طبع حیدرآباد دکن۔

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص۷۱۵ ج۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۱۳۰ ج۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۱۵ ج۸ تحت عنوان خلافت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان ایام میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ضرار! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی توصیف ذکر کیجیے تو ضرار رحمہ اللہ نے پہلے تو عرض کیا اے امیر المومنین آپ مجھے اس چیز سے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں آپ ان کی توصیف ضرور بیان کریں تو وہ ذکر کرنے لگے:

((فکان واللہ بعید المدی شدید القوی یقول فصلا و یحکم عدلا یتفجر العلم من جوانبہ وتنطق الحکمۃ من نواحیہ ویستوحش من الدنیا وزھرتھا...... فبکی معاویۃ وقال رحم اللہ ابا الحسن کان واللہ کذالک۔ فکیف حزنک علیہ یا ضرار؟ قال حزن من ذبح ولدھا وھو فی حجرھا))[1]

''مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قسم! علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ معاملہ کی انتہا کو پہنچنے والے تھے اور مضبوط قویٰ رکھتے تھے آپ فیصلہ کن بات کہتے اور انصاف کے ساتھ حکم کرتے تھے ان کے جوانب سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے اور ان کے اطراف سے حکمت و دانائی کی باتیں صادر ہوتی تھیں دنیا اور اس کی تازگی سے وحشت پکڑتے تھے...... وغیرہ''

حضرت موصوف کے یہ اوصاف سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا اور کہتے تھے: اللہ کریم ان پر رحم فرمائے اللہ کی قسم! ابو الحسن (رضی اللہ عنہ) ایسے ہی تھے۔ پھر کہنے لگے کہ اے ضرار! تیرا ان پر غم کھانا کس نوعیت کا ہے؟ ضرار رحمہ اللہ نے کہا کہ میرا غمگین ہونا اس عورت کی طرح ہے جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے......الخ

شیعہ علماء کی طرف سے تائید

ضرار صدائی رحمہ اللہ کی روایت کو شیعہ کے بیشتر علماء نے اپنی تصانیف میں اپنے انداز میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

((وکان ضرار من اصحابہ (علی المرتضٰی) علیہ السلام فدخل علی معاویۃ بعد موتہ فقال صف لی علیا فقال او تعفینی عن ذالک فقال (معاویۃ) واللہ لتفعلن فتکلم بھذا الفصل فبکی معاویۃ حتی اخضلت لحیتہ))[2]

---

[1] الاستیعاب مع الاصابہ ص ۴۴-۴۵ ج ۳ تحت تذکرہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

[2] شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) ص ۴۷۴،۴۷۵ ج ۴ ذکر من خبر ضرار بن حمزہ الخ (طبع بیروت)

شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۲۷۶ ج ۵

درہ نجفیہ ص ۳۶۰ طبع قدیم ایران

المسماۃ بالروضہ فی فضائل علی مع معانی الاخبار وعلل الشرائع ص ۱۲۰ طبع قدیم۔

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ضرار صدائی رحمہ اللہ آنجناب کے انتقال کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے سامنے علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے اوصاف بیان کریں۔ پہلے تو ضرار رحمہ اللہ نے کہا کہ مجھے اس بات سے معاف رکھیے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم تجھے ضرور بیان کرنا چاہیے۔ پس انھوں نے توصیف علی رضی اللہ عنہ کا مضمون بیان کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سن کر رونے لگے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔''

سنی وشیعہ علماء کے مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال پر رنج وغم کا اظہار کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ ان حضرات کے درمیان سیاسی اختلاف اب بہت کچھ رو بہ اصلاح ہو رہے تھے اور ان میں کوئی ذاتی عناد نہیں تھا، وہ ایک دوسرے کے حق میں فضیلت کے قائل تھے اور ایک دوسرے کے علمی مقام کی عظمت کو تسلیم کرتے تھے۔

یہ چیزیں ان کی مومنانہ صفات کے مناسب ہیں اور صالحین کے طریقہ کار کے یہی شایان شان ہیں۔

انتباہ

① شہادت عثمانی سے لے کر شہادت علی تک کے دوران میں بیشتر واقعات مکرر طور پر ذکر ہوئے ہیں اور سیرت علوی میں ان کا ذکر ہو چکا ہے لیکن یہاں متعدد حوالہ جات اور بعض دیگر امور کا اضافہ کیا گیا، اور واقعات کے تسلسل کا لحاظ رکھنا بھی پیش نظر ہے۔

② نیز یہ چیز بھی مولف کے پیش نظر ہے کہ ناظرین کرام میں جس صاحب کے سامنے سیرت علوی نہیں آسکی اور صرف ''سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' دیکھنے کا اسے اتفاق ہوا تو وہ بھی ان معلومات مفیدہ سے مستفید ہوسکے محروم نہ رہ جائے۔ ان چیزوں کے پیش نظر ان مضامین کا تکرار مجبوراً ہوا ہے اور یہی معذرت ہم نے قبل ازیں ''مزار عثمان'' کے عنوان کے بعد ذکر کر دی تھی یہاں اس کی یاد دہانی کرائی ہے۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

بیعت خلافت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کے بعد انتقال سے قبل بعض لوگوں نے آں موصوف سے عرض کیا کہ جناب کے بعد کیا ہم آپ کے فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو حسن سے بیعت کا نہ حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں۔

چنانچہ اہل عراق نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جلد ہی سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلی کچھ قلیل عرصہ حالات حسب معمول پرسکون رہے۔ چند ماہ بعد سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعض امراء اور اہل جیش نے آپ کو اہل شام کے ساتھ قتال پر آمادہ کیا۔ اگرچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر قتال بین

المسلمین کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر حالات کے تقاضوں کے تحت مجبوراً ملک شام کے خلاف اقدام کرنے کے لیے مدائن کے عسکری مستقر میں تشریف لے گئے۔

اس موقع پر بقول بعض مورخین حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کے سر برآوردہ لوگوں کو مدائن کے ایک قصر (محل) میں جمع کیا اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمارے ساتھ اس شرط پر بیعت کی ہے کہ جس سے میں صلح کروں گا تمھاری بھی اس سے صلح ہوگی اور میں جس سے محاربت اور قتال کروں گا تم بھی اس سے قتال کرو گے۔ حالات کے پیش نظر میں نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کر لیا ہے پس تمھیں بھی ان کی اطاعت قبول کرنی ہوگی۔

((جمع الحسن رضی اللہ عنہ روس اهل العراق فی هذا القصر۔ قصر المدائن۔ فقال: انکم قد بایعتمونی علی ان تسالموا من سالمت وتحاربوا من حاربت، وانی قد بایعت معاویة فاسمعوا له واطیعوه))[1]

جب آپ کے ارادہ کی خبر آپ کی جماعت کے دیگر افراد اور اہل جیش کو ہوئی تو ان میں کئی قسم کے انتشار اور افتراق رونما ہوئے اور اہل عراق کی طرف سے اطاعت امیر سے روگردانی کے آثار پیدا ہو گئے چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان حالات کو دیکھ کر اپنی جماعت سے ہی دل برداشتہ اور رنجیدہ خاطر ہو گئے۔

اس موقع پر مورخین نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے انتشار و اختلاف کو بڑی رنگ آمیزی سے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں تاہم مورخین کے بیانات سے اتنی چیز ثابت ہوتی ہے کہ آپ کی جماعت کے بعض برگشتہ افراد نے آپ کے لیے ایذا رسانی کی اور برا سلوک اختیار کیا جس کی بنا پر آپ بہت ملول ہوئے اور اپنے سیاسی مقابلین کے ساتھ صلح کرنے کا ارادہ کر لیا۔

حضرت موصوف کی جماعت کی بدسلوکی کا صرف ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

((عن عمار الدهنی قال نزل الحسن بن علی المدائن وکان قیس بن سعد علی مقدمته ونزل الانبار فطعنوا حسنا رضی اللہ عنہ وانتهبوا سرادقه))[2]

''یعنی عمار دہنی کہتے ہیں کہ (حسب پروگرام) علاقہ مدائن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے آپ کے جیش کے مقدمہ پر قیس بن سعد رضی اللہ عنہما حاکم تھے پھر اس کے بعد انبار کے مقام پر پہنچے تو

---

[1] کتاب المعرفہ والتاریخ (یعقوب بسوی) ص ۳۱۷-۳۱۸ ج ۳ تحت العصر الاموی خلافت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۳۰ ج ۱ تحت تذکرہ امام حسن رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

[2] کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۷۵۵-۷۵۶ ج ۲ تحت ما جاء فی الکوفہ ... الخ۔
تاریخ بغداد ص ۱۷۸ ج ۱ تحت قیس بن سعد بن عبادۃ

وہاں ان کے اپنے لشکریوں نے آنجناب کو نیزوں سے زخمی کر ڈالا اور آپ کے خانگی اموال لوٹ لیے۔''

شیعہ کی طرف سے تائید

چنانچہ شیعہ علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں اس مقام پر اس مضمون کو بایں نوع ذکر کیا ہے کہ:

((عن يزيد بن وهب الجهني قال لما طعن الحسن بن علي رضي الله عنهما بالمدائن اتيته وهو متوجع فقلت ما ترى يا ابن رسول الله فان الناس متحيرون فقال ارى والله معاوية خير لي من هؤلاء يزعمون انهم لي شيعة ابتغوا قتلي وانتهبوا ثقلي واخذوا مالي ..... الخ))[1]

''مطلب یہ ہے کہ یزید بن وہب جہنی کہتا ہے کہ جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو مدائن میں نیزہ سے زخمی کیا گیا تو میں آپ کی خدمت میں پہنچا آپ درد کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ میں نے عرض کیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند! لوگ اس معاملہ میں (مجوزہ صلح میں) متحیر اور حیران ہیں، جناب کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ امام نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے تو معاویہ (رضی اللہ عنہ) میرے لیے بہتر ہیں۔ جو لوگ میرے شیعہ ہونے کے دعویدار ہیں انھوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرے مال اموال کو لوٹ لیا......الخ''

اور اس طرح اسی مضمون کو ملا باقر مجلسی نے اپنی مشہور تصنیف ''بحار الانوار'' میں لکھا ہے کہ:

((لما طعن الحسن بن علي بالمدائن اتيته وهو متوجع فقلت ما ترى يا ابن رسول الله فان الناس متحيرون فقال ما ارى والله معاوية خير لي من هؤلاء يزعمون انهم لي شيعة ابتغوا قتلي و نتهبوا ثقلي واخذوا مالي والله لان آخذ من معاوية عهدا احقن به دمي وامن به في اهلي خير من ان يقتلوني فتضيع اهل بيتي واهلي))[2]

ملا باقر مجلسی نے یہ بات طبری کی مذکورہ بالا روایت کے مطابق یہاں بیان کی ہے اور مزید برآں کہتے ہیں کہ:

امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے ایسا عہد لے لوں جس میں میری جان کی

[1] الاحتجاج (شیخ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی) ص ۱۴۸ تحت احتجاج حسن بن علی علی معاویہ فی امامۃ من یستحقھا، طبع قدیم ایران۔

[2] بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۱۰۱ ج ۱۰ تحت علت مصالحت مذکورہ طبع قدیم ایران۔

حفاظت ہو اور میرے اہل کی امان ہو، وہ میرے لیے اس چیز سے بہتر ہے کہ میرے شیعہ مجھے قتل کر ڈالیں اور میرے اہل بیت کو تباہ و برباد کر دیں۔

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے پر آمادہ تھے اور اس چیز کو بہتر خیال کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شیعوں سے بہتر قرار دیتے تھے۔

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح

واقعہ ہذا اسلام میں اپنے پس منظر میں ایک بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور مورخین نے یہاں بہت کچھ رطب و یابس چیزیں فراہم کی ہوئی ہیں۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ اس واقعہ کو محدثین کی روایات کی روشنی میں پیش کیا جائے تاکہ اصل حقیقت حال کے زیادہ قریب ہو۔ بعد ازاں تاریخی روایات درج کر دی جائیں۔

چنانچہ بخاری شریف کتاب الصلح میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت امام حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے پہاڑوں کے مانند لشکر اور جیوش باہم متقابل ہوئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لشکر اور عساکر ایک دوسرے کو قتل کیے بغیر پسپا ہونے والے نہ تھے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اللہ کی قسم ''خیر الرجلین'' تھے یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے۔ انھوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر ایک فریق دوسرے کو قتل کر ڈالے اور دوسرا فریق پہلے فریق کو قتل کر دے تو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ ان عورتوں اور بال بچوں اور کمزور لوگوں کی نگہداشت کون کرے گا؟ یعنی اس صورت میں یہ لوگ ضائع اور برباد ہو جائیں گے۔

تو ان حالات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنی عبد الشمس کے دو افراد عبد الرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر صلح نامہ پیش کیجیے اور انھیں صلح پر آمادہ کیجیے۔

یہ دونوں حضرات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور اس مسئلہ پر گفتگو کر کے صلح کی دعوت دی۔ اس پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو فرمایا کہ ہم بنو عبد المطلب ہیں (اپنے اہل و عیال، اقربا اور خدام پر بخشش، توسع اور کرم کرنا ہماری جبلت میں داخل ہے) اور اس مال سے ہم ان سب کو حقوق ادا کرتے ہیں اور اب اس امت میں بہت انتشار اور فساد واقع ہو گیا ہے۔

اس پر ان دونوں بزرگوں نے کہا کہ آپ کی ضروریات اور تقاضے پورے کیے جائیں گے اور مطالبات تسلیم کیے جائیں گے۔ جناب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان وعدوں کے ایفا کا ذمہ دار کون ہو گا؟ ان دونوں نے کہا ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد مسئلہ خلافت میں حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ صلح حضور نبی کریم ﷺ کی اس پیش گوئی کا مصداق ہے جو ابوبکرہ (نفیع بن حارث ثقفی) رضی اللہ عنہ سے میں نے سنی۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کو مدینہ منورہ میں منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا آپ کے پہلو میں منبر پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ (عالم طفولیت میں) بیٹھے تھے۔ آنجناب ﷺ خطبہ کے دوران میں کبھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ہم لوگوں کی طرف التفات فرماتے۔ اس خطبہ میں جناب نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ میرا بیٹا سردار ہے امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔''

اس موقع پر آپ نے ہر جماعت کو فئہ عظیمہ فرمایا، کسی ایک کو نہیں گرایا۔

((فصالحه قال الحسن (البصری) ولقد سمعت ابا بكره يقول رايت رسول الله ﷺ على المنبر والحسن بن على رضی اللہ عنہما الى جنبه وهو يقبل على الناس مرة وعليه اخرى ويقول اِنَّ ابنى هذا سيد ولعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين))[1]

فائدہ

اس مقام پر یہ چیز قابل التفات ہے کہ نبوت کی عظیم پیش گوئی جس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اقدام ہذا کی صورت میں تمام ہوئی جو ان کے حق میں اعلیٰ فضیلت پر مشتمل ہے، اسی طرح اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہایت خوش بختی ظاہر ہوئی کہ وہ اس بشارت عظیمہ کے پورے ہونے کا ذریعہ بنے اور اس کی تکمیل کا انھیں شرف نصیب ہوا اور اہل اسلام کے دو متحارب گروہوں کی مصالحت کا باعث ہوئے۔

واقعہ ہذا گزشتہ سطور میں محدثین کی روایات کی روشنی میں مذکور ہوا اور ایک حوالہ شیعہ کا بھی بطور تائید کے حاشیہ میں ذکر کر دیا ہے۔ اب اس واقعہ کو مورخین کی تاریخی روایات کی بنا پر ذکر کیا جاتا ہے تاکہ واقعہ کی مزید تفصیلات بھی سامنے آ سکیں۔

چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((ولما راى الحسن بن على رضی اللہ عنہما تفرق جيشه عليه مقتهم وكتب عند ذالك الى معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما و كان قد ركب فى اهل الشام فنزل مسكن

[1] بخاری شریف ص ۳۷۳ ج ۱ کتاب الصلح باب قول النبی ﷺ للحسن بن علیؓ ابنی ہذا ...... الخ
الفتح الربانی (ترتیب مسند احمد) ص ۱۶۵ ج ۲۳ تحت ابواب خلافۃ الحسن، الباب الاول فی خلافتہ
بحار الانوار از ملا باقر مجلسی شیعی ص ۸۷ ج ۱۰ تحت معالی امورہما ...... الخ

یراوضه علی الصلح بینهما۔ فبعث الیه معاویة رضی اللہ عنہ عبدالله بن عامر و عبدالرحمن بن سمرة۔ فقدما علیه الکوفة فبذلا له ما اراد من الاموال فاشترط ان یاخذ من بیت مال الکوفة خمسة الاف الف درهم، وان یکون خراج دار ابجرد له وان لا یسب علی رضی اللہ عنہ وهو یسمع، فاذا فعل ذالك فنزل عن الامرة لمعاویه و یحقن الدماء بین المسلمین۔ فاصطلحوا علی ذالك واجتمعت الکلمة علی معاویة رضی اللہ عنہ))[1]

((وهو (عبدالرحمن بن سمرة رضی اللہ عنہ) کان احد السفیرین بین معاویة والحسن رضی اللہ عنہما))[2]

''مطلب یہ ہے کہ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے جیش میں افتراق اور انتشار دیکھا تو انھیں سخت ناراضی ہوئی اور کبیدہ خاطر ہوئے۔ (اس روایت کی بنا پر) اس پر آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا۔ ادھر اہل شام آمادہ تھے پس اپنے مسکن پر ٹھہرے اور جانبین کے درمیان صلح کی کوشش کی گئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہما کو اس مقصد کے لیے بھیجا۔ وہ دونوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھوں نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کا ذمہ لیا۔ پس حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی کہ کوفہ کے بیت المال سے وہ پچاس لاکھ درہم حاصل کریں گے اور دار ابجرد کا خراج بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ہوگا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کی موجودگی میں ہتک آمیز کلام نہیں کیا جائے گا۔

ان شرائط پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ امر خلافت سے دست بردار ہوئے اور خلافت کا معاملہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اس صلح میں مسلمانوں کا خوں ریزی سے بچاؤ کرنا اور مسلمانوں کو کلمہ واحد پر جمع کرنا مقصود نظر تھا چنانچہ اس طور پر ان دونوں حضرات کے درمیان مصالحت ہوئی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر امر خلافت مجتمع ہو گیا۔

تنبیہ

علمائے کرام نے اس موقع پر تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے بہت سی شرائط پر مصالحت کی تھی اور جن امور کی انجام دہی کی ذمہ داری قبول کی ان کو ایفا کیا اور پورا کر دیا۔ چنانچہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ:

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴-۱۶ ج ۸ تحت خلافت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۷۴ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

((انه اشترط علیه شروطا کثیره فالتزمها ووفی له بها))[1]

شرائط صلح شیعہ کے بیانات کی روشنی میں

① شیعوں کے قدیم ترین مورخ دینوری نے سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح کے اس واقعہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور صلح کی شرائط کو مندرجہ ذیل عبارت میں تحریر کیا ہے:

((ولما رای الحسن من اصحابه الفشل ارسل الی عبدالله بن عامر بشرائط اشترطها علی معاویة علی ان یسلم له الخلافة وکانت الشرائط الا یاخذ احدا من اهل العراق باحنة وان یومن الاسود والاحمر، ویحتمل ما یکون من هفواتهم، ویجعل له خراج الاهواز مسلما فی کل عام ویحمل الی اخیه الحسین بن علی فی کل عام الفی الف ویفضل بنی هاشم فی العطاء والصلات علی بنی عبدالشمس))[2]

''یعنی قدیم شیعی مورخ دینوری تحریر کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو بزدلی کا شکار پایا تو عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی طرف صلح کے لیے چند شرائط ارسال کیں کہ ان پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دیں گے۔ وہ شرائط یہ تھیں:

(۱) اہل عراق پر دشمنی اور کینہ کی بنا پر گرفت نہیں کی جائے گی۔

(۲) ہر اسود و احمر کو امان دی جائے گی (یعنی عام رعایا کو امان ہو گی)۔

(۳) لوگوں کی یاوہ گوئی کو برداشت کیا جائے گا۔

(۴) علاقہ ''اہواز'' کا مکمل خراج ہر سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جائے گا۔

(۵) ان کے برادر حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو بیس لاکھ درہم سالانہ (وظیفہ) دیا جائے گا۔

(۶) عطایا اور صلہ جات میں بنی ہاشم کو بنی عبد الشمس پر فضیلت دی جائے گی اور ان کا حق فائق رکھا جائے گا۔''

اس مقام پر دینوری شیعی نے مزید لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی یہ شرائط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کر دیں اس طرح صلح بذا مکمل ہو گئی اور جانبین اس پر راضی ہو گئے۔

② مذکورہ واقعہ کو جو باہمی مصالحت کے دوران میں پیش آیا دیگر قدیم شیعہ مورخ یعقوبی نے بھی اپنے

---

[1] الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۱۷ تحت بیان اعتقادات اہل السنۃ والجماعۃ طبع ثانی مصر

[2] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۱۸ تحت مبایعہ معاویہ بالخلافہ طبع مصر

انداز کے مطابق مفصل تحریر کیا ہے چنانچہ یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف چند حضرات کو صلح کی غرض سے روانہ کیا۔ وہ حضرت مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عامر بن کریز اور عبدالرحمٰن بن ام الحکم رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس وقت مدائن کے جنگی حالات میں اقامت پذیر تھے ان لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر صلح کے متعلق گفتگو کی۔ اس کے بعد جب یہ حضرات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مجلس سے باہر آئے تو لوگوں کو سنا کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کے ذریعے سے مسلمانوں کو خون ریزی سے بچا لیا اور وہ فتنے کے فرو ہونے کا باعث ہوئے اور انھوں نے صلح منظور کر لی۔

جب یہ چیز سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے جیوش میں پہنچی تو وہاں ایک قسم کا اضطراب پیدا ہو گیا اور انھوں نے ان لوگوں کی صداقت میں کچھ شک نہ کیا اور جوش میں آ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کا جنگی سامان لوٹ لیا۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اندھیرے میں چل دیے مگر جراح بن سنان اسدی نے چھپ کر نیزہ مارا اور آنجناب کی ران کو زخمی کر دیا اور آپ کو نہایت بے آبرو کیا۔

اس کے بعد یعقوبی مزید ذکر کرتے ہیں کہ:

((وحمل الحسن الى المدائن وقد نزف نزفا شديدا واشتدت به العلة فافترق عنه الناس وقدم معاويه العراق فغلب على الامر والحسن عليل شديد العلة فلما راى الحسن ان لا قوة به وان اصحابه قد افترقوا عنه فلم يقوموا له۔ صالح معاوية، وصعد المنبر فحمد الله واثنى عليه وقال: ايها الناس! ان الله هداكم باولنا وحقن دماكم بأخرنا وقد سالمت معاوية...... الخ))[1]

''(بقول شیعی مورخ) مطلب یہ ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں مدائن کی طرف لے جایا گیا۔ آپ خون آلود تھے۔ آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی، لوگ آپ سے علیحدگی اختیار کرنے لگے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عراق میں جا پہنچے اور خلافت پر ان کا غلبہ ہونے لگا۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ شدید علیل تھے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے میں قوت نہ دیکھی اور ان کے ساتھی ان سے جدا ہو گئے اور تعاون سے کنارہ کش ہو گئے تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

(جب کچھ حالت بہتر ہوئی) تو منبر پر تشریف لائے اور حمد و ثنا کی اور فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اول کے ساتھ تمھیں ہدایت بخشی اور ہمارے آخر کے ساتھ تمھارے خون کی حفاظت کی

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۱۵ ج ۲ تحت خلافۃ الحسن بن علی طبع بیروت

(تمھیں خوں ریزی سے بچالیا) میں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی ہے یعنی امر خلافت ان کے سپرد کر دیا ہے۔''

یہ شیعہ مورخین کے بیانات ہیں جو انھوں نے اپنے نظریات کے مطابق درج کیے ہیں۔

③ نیز شیعہ کے مشاہیر علماء نے صلح ہذا کی شرائط میں مزید یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے میں دیگر شرائط کے علاوہ یہ شرط بھی لگائی تھی کہ

''کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرت خلفائے راشدین صالحین پر عمل درآمد کرنا ہوگا۔''

شیعہ کے فاضل اربلی لکھتے ہیں کہ:

((بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما صالح عليه الحسن بن على بن ابى طالب معاوية بن ابى سفيان صالحه على ان يسلم اليه ولاية امر المسلمين على ان يعمل فيهم بكتاب الله تعالىٰ و سنة رسوله ﷺ وسيرة الخلفاء الراشدين الصالحين...... الخ)) [1]

قبل ازیں یہ چیز شیعہ کی تصریحات کے مطابق درج کی جا چکی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح کی تمام شرائط کو منظور کر لیا تھا اور ان کی ایفا کی تھی۔

فائدہ

مندرجہ بالا صلح کی شرط سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت برحق اور صحیح تھی اور ان کی دینی وثاقت مسلم تھی اور ان حضرات کا عہد خلافت قابل تقلید تھا اسی بنا پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے وقت خلفائے راشدین کی سیرت پر عمل درآمد کی شرط لگائی۔

④ یہاں مزید اس چیز کو ذکر کر دینا ناظرین کرام کے لیے فائدہ بخش ہے کہ جس طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ باشرائط صلح و مصالحت کر کے بیعت کر لی تھی اور وہ اس پر رضامند اور مطمئن تھے اور اور کسی طرح بھی پشیمان اور پریشان نہیں تھے، اسی طرح آں موصوف کے برادر گرامی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بیعت ہذا میں شامل تھے اور اس معاہدہ کی تمام کارگزاری میں شریک کار تھے اور اس کو صحیح قرار دیتے تھے۔

لیکن اس دور میں بقول شیعہ مورخین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بعض لوگوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

---

[1] کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ (علی بن عیسیٰ الاربلی) ص ۱۴۵ ج ۲ تحت عنوان فی کلامہ علیہ السلام ومواعظہ وما یجری معہا مع ترجمہ فارسی ترجمۃ المناقب طبع تبریز، ایران

بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۱۲۳ ج ۱۰ کیفیۃ مصالحۃ الحسن...... الخ طبع قدیم ایران

بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۶۵ ج ۴۴ تحت باب کیفیۃ مصالحۃ الحسن بن علی...... الخ طبع جدید ایران

حبیب السیر ص ۶۳ از غیاث الدین المدعو بخواند میر۔

کو اس صلح و مصالحت کے خلاف برانگیختہ کرنے کی کوشش کی اور ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ کر ان کے خلاف جنگ و پیکار پر آمادہ کرنا چاہا، تو جناب سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما نے ان کی اس پیش کش کے جواب میں ارشاد فرمایا:

((فقال الحسین انا قد بایعنا وعاھدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا))[1]

''یعنی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے بیعت کر لی ہے اور ان سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اب بیعت ہذا کو توڑ ڈالنے کے لیے کوئی راستہ نہیں۔''

اسی مسئلہ کو شیعہ کے مجتہدین نے مزید وضاحت سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک بار عراق کے شیعان علی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مکتوبات ارسال کیے جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت اور باہمی معاہدہ کے نقض پر زور دیا اور اس عقد کو ختم کر دینے کا تقاضا کیا۔ شیخ مفید شیعی نے اس سلسلے میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے جواب کو بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے:

((ان بینه وبین معاویة عهدا وعقدا لا یجوز له نقضه حتی تمضی المده...... الخ))[2]

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے درمیان عہد اور عقد (بیعت) ہو چکا ہے اس کو توڑنا جائز نہیں تاوقتیکہ معاہدہ کی مدت (خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ) ختم ہو جائے۔''

مندرجات گزشتہ سے ثابت ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دونوں برادر حضرات کی بیعت درست تھی اور ان کے نزدیک عقد مصالحت بالکل صحیح تھا اور اس پر دونوں حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما مدۃ العمر قائم رہے۔

یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت کے لیے وزنی شہادت ہے اور ان کی حکومت عادلہ کی خاطر واضح دلیل ہے۔

تنبیہ

بعض لوگوں نے مقام شرائط میں ایک شرط یہ بھی ذکر کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ شرط عائد کی تھی کہ ''جناب معاویہ کے بعد حضرت حسن خلیفہ ہوں گے۔'' اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا دیا تھا تاکہ وہ امر خلافت پر بعد میں ہمیشہ مسلط رہیں۔

اس شرط کے متعلق درج ذیل چیزیں قابل غور ہیں ان پر توجہ کر لینے سے اس شرط کا سقم واضح ہو جائے گا:

① قدیم مورخین طبری وغیرہ اور خصوصا شیعہ کے قدیم تر مورخین دینوری، مسعودی اور یعقوبی وغیرہ نے

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۰ طبع مصر تحت بحث مبایعہ معاویہ بالخلافہ ...... الخ

[2] کتاب الارشاد (شیخ مفید شیعی) ص ۱۸۱-۱۸۲ طبع ایران۔

جہاں شرائط صلح ذکر کی ہیں ہماری معلومات کی حد تک ان میں شرط مذکورہ بالا کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے یہ عمدہ موقع تھا۔

نیز معلوم ہوتا ہے کہ ان مورخین کے دور تک شرائط میں یہ چیز شامل نہ تھی ایک مدت دراز کے بعد لوگوں نے اس شرط کا اضافہ کر لیا اور زہر خورانی کے طعن کے لیے اس کو زینہ بنایا۔

یہ چیز نقلی طور پر پیش کی گئی ہے۔

④ اب عقلی طور پر توجہ کریں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف یزید کا مسئلہ اس دور کے اکابر کے سامنے پیش کیا تو بعض اکابر نے اس چیز سے اختلاف کرتے ہوئے کلام کیا (جیسا کہ تواریخ میں منقول ہے) تو اس موقع پر ان لوگوں نے یہ چیز نہیں ذکر کی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں آپ کی خلافت تھی اب ان کی وفات کے بعد آپ کو خلافت کا حق نہیں اور صلح کی شرائط میں یہ مسئلہ داخل تھا۔

فلہٰذا اس بات کو اختلاف کرنے والے بزرگوں کا پیش نہ کرنا بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ صلح کی شرائط میں یہ شرط داخل نہ تھی ورنہ وہ حضرات اس موقع پر اس شرط کو ضرور پیش کرتے۔

مذکورہ بالا سطور میں صلح کے متعلق شیعہ کے متقدمین و متاخرین علماء کی چند توضیحات ذکر کی ہیں۔ اس کے قریب قریب ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے متعلق شیعہ علماء کے بیانات درج کیے ہیں اور بیشتر بطور الزام نقل کیے ہیں۔ اس میں بھی اس بات کی وضاحت آ گئی ہے کہ یہ صلح ''اصلاح امت'' کے لیے تھی اور فتنہ کو ختم کرنے کی خاطر کی گئی۔ عبارت نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ ناظرین کرام تسلی کے لیے درج ذیل مقام کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:

تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۸۱ باب ہفتم در امامت تحت عقیدۂ ششم، طبع لاہور

صلح و مصالحت کی تاریخ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف البدایہ والنہایہ میں ذکر کرتے ہیں کہ:

((وقال ابوالحسن علی بن المدینی: کان تسلیم الحسن الامر الی معاویة فی الخامس من ربیع الاول سنة احدی واربعین وقال غیره فی ربیع الاخر و یقال فی غرة جمادی الاولی۔ فالله اعلم))[1]

اور اسی مسئلہ کو دیگر محدثین و مورخین نے بھی بالوضاحت اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے مثلاً:

خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں یہ الفاظ ذکر کیے ہیں کہ:

((وفیها سنة الجماعة اجتمع الحسن بن علی بن ابی طالب و معاویة (بن ابی

---

[1] البدایہ والنہایہ، ص ۱۸ ج ۸، ص ۲۱ ج ۸ تحت سنہ ۴۱ھ فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

سفیان) رضی اللہ عنہما فاجتمعا بمسکن من ارض السواد ومن ناحیة الانبار فاصطلحا وسلم الحسن بن علی الی معاویة و ذالك فی شهر ربیع الاخر او فی جمادی الاولی سنة احدی واربعین))[1]

''مندرجات بالا کا مطلب یہ ہے کہ عام الجماعت ۴۱ھ میں حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما ''انبار'' کے نزدیک ارض سواد کے مسکن میں جمع ہوئے اور دونوں نے (خلافت کے معاملہ میں) باہم صلح کر لی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امر خلافت سپرد کر دیا اور کنارہ کش ہو گئے یہ واقعہ ربیع الاخریٰ یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں پیش آیا۔''

حاشیہ میں مزید چند ایک حوالہ جات اس مسئلہ پر درج کر دیے ہیں تا کہ اہل تحقیق حضرات رجوع کر کے تسلی کر سکیں۔

صلح کے بعد باہمی گفتگو کا ایک منظر

عامر شعبی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی تو میں بھی اس موقع پر حاضر تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس مصالحت کی لوگوں کو اطلاع کیجیے کہ آپ نے امر خلافت کو ترک کر دیا ہے اور اسے ہمارے سپرد کر دیا ہے۔ تو اس موقع پر حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے مقام سے اٹھے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''دانشمندوں میں سے زیادہ دانشمند وہ شخص ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اور عاجزوں میں سے وہ شخص زیادہ عاجز ہے جو فاجر ہے (پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا) یہ معاملہ جس میں امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اور ہم نے اختلاف کیا، یا تو میرا حق تھا جسے میں نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے ترک کر دیا اور یا یہ امر اس شخص کا حق تھا جو مجھ سے زیادہ حقدار ہے۔ (بہرکیف) میں نے لوگوں کو خوں ریزی سے بچانے کی خاطر یہ صورت (صلح) اختیار کی۔''

((قال الشعبی: فسمعته علی المنبر حمد الله واثنی علیه ثم قال: اما بعد: فان اکیس الکیس التقی، وان اعجز العجز الفجور، وان هذا الامر الذی

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۷ ج ۱ تحت سنہ ۴۱ھ عام الجماعہ
مستدرک حاکم ص ۱۷۴ ج ۳ تحت مصالحۃ الحسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما
تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) صفحہ ۲۱۰ ج ۱ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الاستیعاب (ابن عبدالبر) (مع الاصابہ) ص ۳۷۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۳ ج ۳ مع الاستیعاب تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۸۶ - ۳۸۷ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اختلفت فیه انا و معاویة حق کان لی فترکته لمعاویة۔ او حق کان لامرء احق به منی وانما فعلت هذا لحق دماءکم وان ادری لعله فتنة لکم ومتاع الی حین))[1]

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی بیعت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ (شیعہ کتب سے)

گزشتہ اوراق میں یہ چیز دلائل کے ساتھ واضح کر دی گئی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں صلح کر لی اور خلافت و امارت کا معاملہ بتمامہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور انھیں ''خلیفۃ المسلمین'' برحق تسلیم کر لیا۔

اب اس مقام پر اسی مسئلہ کی مزید تشریح بایں طور ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر گرامی جناب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ دونوں حضرات نے شرعی دستور کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت بھی کر دی تھی۔

چنانچہ یہ چیز اہل سنت والجماعت کی روایات کے اعتبار سے تو مسلم ہے لیکن شیعہ کے نزدیک بھی یہ مسئلہ مسلمات میں سے ہے اور بے شمار شیعہ علماء نے اپنی تصانیف میں بالوضاحت درج کیا ہے۔ ہم یہاں جناب سیدنا جعفر صادق رحمہ اللہ کے فرمان کی روشنی میں بعض حوالہ جات ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

① ((قال سمعت ابا عبدالله یقول ان معاویة کتب الی الحسن بن علی صلوت الله علیهما ان اقدم انت والحسین واصحاب علی فخرج معهم قیس بن سعد بن عبادة الانصاری فقدموا الشام فاذن لهم معاویة واعد لهم الخطباء فقال یا حسن! قم فبایع فقام فبایع ثم قال للحسین علیه السلام قم فبایع فقال فبایع ثم قال یا قیس قم فبایع فالتفت الی الحسین ینظر ما یأمره فقال یا قیس انه امامی یعنی الحسن))[2]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴۲ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء روایت ۱۰۷۴۷ طبع کراچی
حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۳۷ ج ۲ تحت تذکرہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما
السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۷۳ ج ۸ تحت کتاب قتال اہل البغی۔
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۸۱ ج ۳ تحت تذکرہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما
بحار الانوار (ملا باقر مجلسی شیعی) ص ۱۱۴ جلد ۱۰ طبع قدیم باب کیفیۃ مصالحۃ الحسن بن علی۔ الخ۔

[2] رجال کشی طبع قدیم بمبئی ص ۱۰۲ طبع تہران تحت قیس بن سعد بن عبادہ
کتاب بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۱۲۲-۱۲۴ ج ۱۰ تحت باب کیفیۃ مصالحۃ الحسن بن علی (طبع قدیم ایران)

''مطلب یہ ہے کہ جناب جعفر صادق فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کیا کہ آپ اور آپ کے برادر حسین اور حضرت علی المرتضٰی کے دیگر احباب ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ جب یہ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جانے کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ہمراہ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہما بھی روانہ ہوئے۔ یہ حضرات ملک شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اندر آنے کی اجازت دی وہاں اس مجلس میں کئی خطباء جمع کیے گئے تھے پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اٹھیے اور بیعت کیجیے پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اس کے بعد انھوں نے (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے) حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ بھی اٹھیں اور بیعت کریں پس حضرت حسین رضی اللہ عنہ اٹھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما سے کہا تم بھی اٹھو اور بیعت کرو۔ قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف التفات کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے قیس! وہ میرے امام ہیں (آپ بھی بیعت کرلیں)۔''

(۲) اور اسی مسئلہ کو شیخ ابو جعفر طوسی شیعی نے اپنی تصنیف ''امالی شیخ طوسی'' مجلس یازدہم ماہ صفر ۴۵۷ھ کے تحت بالفاظ ذیل درج کیا ہے۔

((الا و انی قد بایعت هذا و اشار بیده الی معاویة))[1]

''(یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے) اپنے ہاتھ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: خبردار! میں نے ان سے بیعت کر لی ہے۔''

شیعہ کے مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب امر خلافت میں صلح کی تھی تو اس وقت ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت بھی کر دی تھی۔ یہ چیز شیعہ کی معتبر روایات کی روشنی میں ثابت ہے کوئی مختلف فیہ امر نہیں۔

تنبیہ

شیعہ کے ہاں اس مقام پر مختلف روایات پائی جاتی ہیں مندرجہ بالا رجال کشی والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات (حضرت حسن و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) میں صلح و مصالحت تو پہلے ہو چکی تھی لیکن مزید توثیق و تصدیق کے طور پر ان حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بیعت خلافت لی گئی اور انھوں نے بیعت کر دی تاکہ اس معاملہ میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

---

[1] امالی شیخ طوسی ص ۱۷۹-۱۸۰ ج ۲ تحت مجلس یازدہم؛ امالی شیخ طوسی ص ۱۷۳ ج ۲

عام الجماعت

حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح کی اہل اسلام کے نزدیک بڑی اہمیت ہے اور اس کے ذریعے سے ایک بہت بڑے انتشار بین المسلمین کا خاتمہ ہوا اور افتراق کا فتنہ فرو ہو گیا۔ ایک مدت سے اعدائے اسلام پر غلبہ پانے اور انھیں فتح کرنے کے اقدامات رکے ہوئے تھے اور اہل اسلام کے مابین افتراق عظیم واقع ہو گیا تھا اور پھر اس دوران میں باہمی جدال وقتال کے مواقع بھی پیش آ چکے تھے لیکن آخر کار اللہ کریم جل مجدہ نے پھر اہل اسلام کو ایک کلمہ پر مجتمع ہونے کی توفیق بخشی اور اس دور کے تمام اہل اسلام فرقت کے بعد ایک مرکز پر متفق ہو گئے اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو اپنا متفقہ امیر اور خلیفہ تسلیم کر لیا اور جو حضرات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور سے بیعت خلافت سے اجتناب اور علیحدگی اختیار کیے ہوئے تھے ان حضرات نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق خلیفہ تسلیم کر لیا اور ان پر رضامند ہو گئے۔ اس بنا پر اس برس کو "عام الجماعۃ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ابن عساکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((واصلح الحسن بن علی معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم وسلم له الامر وبایعه الناس جمیعا فسمی عام الجماعة)) [1]

اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس چیز کو بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

((وسمی هذا العام عام الجماعة لاجتماع الکلمة فیه علی امیر واحد بعد الفرقة)) [2]

اور دوسرے مقام پر اس مسئلہ کو اس طرح درج کیا ہے:

((وحصل علی بیعة معاویة عامئذ الاجماع والاتفاق)) [3]

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں مسئلہ ہذا اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

((قال ابن بطال سلم الحسن رضی اللہ عنہ لمعاویة رضی اللہ عنہ الامر وبایعه علی اقامة کتاب اللہ وسنة نبیه ودخل معاویة رضی اللہ عنہ الکوفة وبایعه الناس فسمیت سنة الجماعة لاجتماع الناس وانقطاع الحرب وبایع معاویة رضی اللہ عنہ کل من کان معتزلا للقتال کابن عمر و سعد بن ابی وقاص و محمد بن مسلمة رضی اللہ عنہم)) [4]

---

[1] تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۷۰۴ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱ ج ۸ تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹ ج ۸ تحت سنہ ۴۱ھ

[4] فتح الباری شرح بخاری ص ۵۳ ج ۱۳ تحت قولہ سار الحسن بن علی الی معاویہ بالکتائب ...الخ

"مطلب یہ ہے کہ امر خلافت کو سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت نبوی پر عمل درآمد کرنے کی شرط لگا کر بیعت بھی کر دی۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے اور عام لوگوں نے ان سے بیعت خلافت کی۔ لوگوں کے ایک شخصیت پر مجتمع و متفق ہونے اور باہمی قتال کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس سال کا نام عام الجماعہ رکھا گیا۔ اور جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے دونوں متحارب فریقوں کے باہم حرب وقتال سے کنارہ کش تھے مثلاً عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص اور محمد بن مسلمہ انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم، ان لوگوں نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور ان پر رضامند ہو گئے اور کلمہ اسلام پر اتفاق و اجتماع ہو گیا۔"

صلح ہذا کے متعلقہ چند فوائد

اکابر علماء نے مصالحت ہذا کے متعلق چند توضیحات ذکر کی ہیں جن میں اس چیز کے مصالح اور فوائد ذکر کیے ہیں اور انھوں نے اس صلح کی دینی اہمیت اور افادیت واضح کی ہے۔

علماء کی طرف سے اس نوع کے متعدد بیانات متعدد کتب میں مذکور ہیں۔ ان میں سے چند ایک ناظرین کرام کی خدمت میں بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں اس مضمون کا استقصاء مقصود نہیں۔

① تراجم کے مشہور عالم ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجلی (جو امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصر ہیں) لکھتے ہیں کہ:

"حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد قریباً ستر ہزار افراد امت نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تھی۔ لیکن سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ایک تارک الدنیا اور زاہد شخص تھے۔ انھوں نے خلافت کے بارے میں زہد اختیار کیا اور اسے ترک کر کے یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور فرمایا کہ محجمہ (سینگی) کے برابر بھی خون میرے ہاتھوں نہ گرایا جائے۔"

((قال ثم بایع الحسن رضی اللہ عنہ بعد وفاة ابیہ سبعون الفا فزهد فی الخلافة فلم یردها وسلمها لمعاویة رضی اللہ عنہ وقال لا یهراق علی یدی محجمة من دم))[1]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جنگ کرنا چاہتے تو جنگ وقتال کے لیے ہزاروں افراد ان کے ہم نوا موجود تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ذاتی زہد و تقویٰ کی بنا پر خلافت اپنے فریق مقابل کے سپرد کی اور خود اس سے دستبردار ہوئے ان کا یہ عمل حالات کے کسی سیاسی دباؤ کے تحت نہ تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر فرمایا کہ میرے ہاتھوں اہل اسلام کی ادنیٰ سی خوں ریزی بھی مجھے پسند نہیں۔ یہ آپ کی کمال دیانت اور خدا خوفی کی واضح دلیل اور تقویٰ کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ درحقیقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار اور حوصلہ مندی قابل

[1] تاریخ الثقات (ابوالحسن عجلی) ص ۱۱۶ (المتوفی ۲۶۱ھ) تحت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما طبع بیروت

صد ستائش ہے۔

اسی طرح دیگر اکابر مورخین نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے اور بقول بعض کوفہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت بعض لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح پر نقد کرتے ہوئے یوں کہا:

السلام علیکم یا مذل المومنین (اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے! تم پر سلام ہو)

تو آنجناب نے جواب میں فرمایا کہ ایسا مت کہو، میں نے تو مومنوں کو ذلیل و رسوا نہیں کیا بلکہ میں نے ملک کی خاطر مومنوں کے قتال اور خوں ریزی کو پسند نہیں کیا (اور صلح کر دی)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا: میں نے اپنے والد گرامی سے سن رکھا ہے کہ ایک نہ ایک دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملک کے والی ہوں گے میں نے یقین کر لیا کہ یہ امر واقع ہو کر رہے گا۔ پس میں نے اپنے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان قتال اور مسلمانوں کی خوں ریزی کو مکروہ جانا۔

((فلما قدم الحسن بن علی رضی اللہ عنہما علی الکوفة قال له رجل منا یقال له ابوعامر سفیان بن لیلی۔ وقال ابن الفضل سفیان بن اللیل: السلام علیك یا مذل المؤمنین! قال لا تقل ذالك یا ابا عامر لست بمذل المؤمنین ولکنی کرهت ان اقتلهم علی الملك))[۱]

اور ابن عساکر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((حدثنی سفیان بن اللیل قال قلت للحسن بن علی رضی اللہ عنہما لما قدم من الکوفة الی المدینة یا مذل المؤمنین! قال لا تقل ذالك فانی سمعت ابی یقول: لا تذهب الایام واللیالی حتی یملك معاویة فعلمت ان امر الله واقع۔ فکرهت ان تهراق بینی و بینه دماء المسلمین))[۲]

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ کے اکابر مورخین اور مجتہدین نے اس واقعہ کی تائید بہ عبارت ذیل کی ہے۔

ابوحنیفہ دینوری شیعی نے اپنی مشہور تاریخ ''اخبار الطوال'' میں لکھا ہے:

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴ ج ۱۰ تحت کتاب الفتن (مخطوطہ)
کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۱۷ ج ۳ تحت العصر الاموی خلافۃ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۳۰۵-۳۰۶ ج ۱۰ تحت عبیداللہ بن خلیفہ

۲۔ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۲۰۷، ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

((فقلت: السلام علیکم یا مذل المومنین! قال وعلیك السلام، اجلس لست مذل المومنین، ولکنی معزهم۔ ما اردت بمصالحتی معاویة الا ان ادفع عنکم القتل عند ما رأیت من تباطو اصحابی عن الحرب ونکو لهم عن القتال)) [1]

''یعنی سفیان نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر کہا کہ اے مسلمانوں کو ذلت میں ڈالنے اور رسوا کرنے والے! آپ پر سلام ہو۔ تو جواب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وعلیک السلام کہا اور فرمایا بیٹھ جایئے! میں اہل اسلام کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں بلکہ مسلمانوں کو عزت دینے والا ہوں۔ جب میں نے اپنے ساتھیوں میں جنگ کرنے میں تاخیر اور قتال سے اعراض دیکھا تو میں نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے مصالحت کا ارادہ کر لیا تا کہ تم سے خوں ریزی کو دور رکھوں۔''

مزید برآں مضمون بالا کی نوعیت کی متعدد روایات عند الشیعہ دستیاب ہوتی ہیں جن میں مذکور ہے کہ

① حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جب اپنی جماعت کے لوگوں نے صلح ہذا پر ملامت کی اور عار دلائی تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ تمھیں کیا معلوم کہ جو کچھ میں نے عمل کیا؟ اللہ کی قسم! جو کچھ میں نے عمل کیا ہے (یعنی صلح اختیار کی ہے) یہ ہمارے شیعوں کے حق میں تمام دنیا سے بہتر ہے۔

((عن ابی سعید عقیصی قال لما صالح الحسن بن علی بن ابی طالب معاویة بن ابی سفیان دخل علیه الناس فلامه بعضهم علی بیعته فقال ویحکم ما تدرون وما عملت والله للذی عملت خیر لشیعتی مما طلعت علیه الشمس او غربت...... الخ)) [2]

اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے اسی فرمان کو ملا باقر مجلسی نے ''جلاء العیون'' میں یہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

''چوں حضرت امام حسنؑ با معاویہ صلح کرد مردم بخدمت آں حضرت آمدند بعضی ملامت کردند او را بہ بیعت معاویہ حضرت فرمود وای برشما نمیدانید کہ من چہ کار کردہ ام برائے شما بخدا سوگند کہ آنچہ من کردہ ام بہتر است از برائے شیعیان من از آنچہ آفتاب برآن طالع میگردد۔'' [3]

② نیز اسی مسئلہ کو امام محمد باقر رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''اللہ کی قسم! جو کچھ معاملہ (صلح) حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا وہ اس امت کے حق میں تمام دنیا و مافیہا

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۱ تحت زیاد بن ابیہ، طبع مصر

[2] کتاب الاحتجاج (طبرسی) ص ۱۴۸ تحت احتجاج حسن بن علیؓ معاویہ فی امامہ من یستحقھا طبع قدیم ایران
بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ج ۱۰ تحت علت مصالحت مذکورہ طبع قدیم ایران۔

[3] جلاء العیون از ملا باقر ص ۲۹۰ تحت در بیان سبب صلح کردن امام حسنؑ با معاویہ

سے بہتر ہے۔"

((عن ابی جعفر علیہ السلام قال واللہ للذی صنعہ الحسن بن علی کان خیرا لھذا الامۃ مما طلعت علیہ الشمس))[1]

اور ملا باقر مجلسی نے امام محمد باقر رحمہ اللہ کے اس فرمان کو اس طرح ذکر کیا ہے:

"کلینی بسند معتبر از حضرت امام محمد باقر علیہ السلام روایت کردہ است کہ صلح کہ حضرت امام حسن علیہ السلام با معاویہ کرد برائے این امت بہتر بود از دنیا و ما فیہا۔"[2]

مختصر یہ ہے کہ شیعہ کے ائمہ کی معتبر روایات کثیرہ کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کر لینا تمام دنیا سے بہتر تھا اور امت اسلامیہ کے حق میں بھی یہ صلح خیر تھی اور دینی مصلحت اسی سے وابستہ تھی۔ اگر یہ صورت اختیار نہ کی جاتی تو اہل اسلام میں قتال و جدال کا ایک باب مفتوح ہو جاتا اور قوم خوں ریزی سے دوچار ہو جاتی۔ اس صلح کی بنا پر ایک عظیم فساد سے امت محفوظ ہو گئی۔

④ جانبین میں جو صلح ہوئی وہ اس بشارت نبوی کا مصداق ہے جس میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا:

((ان ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین))[3]

"یعنی یہ میرا فرزند سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔"

اکابر علمائے کرام نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مصالحت ہوئی وہ کئی فوائد پر مشتمل اور متعدد مصالح کی حامل تھی مثلاً:

① یہ صلح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت نبوت کے دلائل و براہین میں سے ہے اور پھر جس طرح آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا واقع میں اسی طرح پایا گیا۔

② اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اس میں عظیم منقبت ہے اس وجہ سے کہ انھوں نے حکومت و امارت کو کسی

---

[1] الروضہ من الکافی ص ۲۵۲ ج ۲ مع شرح فارسی روایت ۵۰۶ طبع تہران

[2] جلاء العیون از ملا باقر مجلسی ص ۲۹۲ تحت بیان صلح امام دوم با معاویہ طبع تہران۔

[3] بخاری شریف ص ۲۷۲، ۳۷۲، ۵۳۰ ج ۱ کتاب الصلح تحت باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی: ابنی ھذا سید...... الخ طبع نور محمدی دہلی

قلت، ذلت یا علت کی بنا پر نہیں چھوڑا بلکہ عند اللہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کرنے میں آپ نے رغبت فرمائی اپنے منصب خلافت کو ترک کیا اور انھوں نے امر دین کی رعایت کرتے ہوئے امت کی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔

④ اس واقعہ صلح میں ان خوارج کا رد ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کی نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی کفر کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شہادت کے اعتبار سے یہ دونوں طائفے مسلمانوں میں سے ہیں چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ:

((وفی هذه القصة من الفوائد علم من اعلام النبوة ومنقبة للحسن بن علی رضی اللہ عنہما۔ فانه ترك الملك لا لقلة ولا لذلة ولا لعلة بل لرغبته فیما عند الله لما راه من حقن دماء المسلمین فراعی امر الدین ومصلحة الامة وفیها رد علی الخوارج الذین كانوا یكفرون علیا رضی اللہ عنہ و من معه ومعاویة رضی اللہ عنہ ومن معه بشهادة النبی صلی اللہ علیہ وسلم للطائفتین بانهم من المسلمین))[1]

اس نوع کے مضمون کو مشہور شارح حدیث ابن العربی مالکی رحمہ اللہ نے اپنی شرح ترمذی میں مذکورہ حدیث شریف کے تحت درج کیا ہے۔[2] بخوف طوالت عبارت ذکر نہیں کی مندرجہ بالا حوالہ کی طرف اہل علم رجوع کر سکتے ہیں۔

تنبیہ

یہ صلح اور مصالحت جہاں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے زہد و تقویٰ اور خیر خواہی امت کا عمدہ نمونہ ہے وہاں ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصلحت بینی اور مسلمانوں کے درمیان خون ریزی سے بچاؤ کرنے کی ایک بہترین پیش کش ہے۔ دراصل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صلح بین المسلمین کی طرف بدل و جان راغب تھے اسی بنا پر انھوں نے قریش کے دو مشاہیر (عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما) کو حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بڑے اہتمام کے ساتھ بھیجا اور فرمایا کہ:

((فقال (معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما) اذهبا الی هذا الرجل فاعرضا علیه وقولا له وطلبا الیه فاتیاه فدخلا علیه فتكلما وقالا له وطلبا الیه...... الخ))[3]

---

[1] فتح الباری شرح بخاری (ابن حجر) ص ۵۶، جلد ۱۳ تحت الحدیث ابنی هذا سید...... الخ

[2] شرح ترمذی (ابن العربی مالکی) ص ۲۲۹، ۲۳۱ جلد ۱۳ تحت الحدیث ابنی هذا سید...... الخ

[3] بخاری شریف ص ۳۷۳ ج ۱ کتاب الصلح باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی رضی اللہ عنہما

''یعنی تم دونوں حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے پاس جاؤ اور ان پر صلح کا مسئلہ پیش کرو اور ان سے صلح کی بات کرو۔ اس کے بعد وہ دونوں حضرات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انھوں نے اس معاملہ پر گفتگو کی اور صلح کو طلب کیا...... الخ (پھر مصالحت فریقین میں ہوگئی جیسا کہ اوپر روایت گزر چکی ہے)۔''

(۳) ایک اہم فیصلہ

بعض لوگوں کی طرف سے اہل اسلام میں یہ چیز نشر کی جاتی ہے کہ خلافت و امامت ایک مخصوص منصب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے مخصوص افراد کے لیے مختص ہے ان حضرات کے ماسوا کسی شخص کو امامت اور خلافت کا یہ حق نہ پہنچے گا اور کسی کا شرعاً اس پر حق نہیں۔ اور وہ لوگ اپنے زعم میں اس پر کئی دلائل قائم کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ نظریہ درست نہیں۔ اس قول اور نظریہ کے خلاف جہاں دیگر چیزیں پیش کی جاتی ہیں ان میں سیدنا امام حسن اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مصالحت کا یہ واقعہ ایک ''اہم فیصلہ'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امر خلافت سپرد کر دینا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ مذکورہ بالا عقیدہ امامت صحیح نہیں اور امامت و خلافت کا منصب دیگر افراد امت کے لیے بھی درست اور صحیح ہے۔

اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہرگز امر خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے پر رضامند نہ ہوتے۔ چنانچہ جس طرح نبوت ایک منصوص منصب ہے اور کوئی نبی کسی غیر نبی کو یہ منصب سپرد نہیں کرتا اسی طرح اگر امامت و خلافت کا منصب بھی کسی دیگر شخص کے سپرد کرنے کے قابل نہیں تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امامت و خلافت کا منصب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیسے کر دیا؟

ایک اشتباہ

اس مقام پر ایک اشتباہ کا ازالہ کر دینا مفید معلوم ہوتا ہے اشتباہ یہ ہے کہ بعض روایات میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں میں مذکور ہے کہ ایک صلح ''ہدنہ علیٰ دخن'' ہوگی یعنی اس صلح کی بنیاد دھوکا دہی پر ہوگی اور وہ کدورت پر مبنی ہوگی۔

بعض لوگوں نے مذکورہ روایت کا محمل اور مصداق حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح کو قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ مصالحت نیک نیتی پر مبنی نہیں تھی اس میں دھوکا دہی مقصد تھا اور دلوں میں کدورت تھی بلکہ یہ ایک قسم کا غدر تھا۔

ازالہ

اشتباہ مذکور کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر توجہ کر لینے سے مذکورہ اشتباہ زائل ہو سکے گا:

① پہلی یہ چیز قابل غور ہے کہ روایت مذکورہ بالا "ہدنہ علیٰ دخن" او کما ذکر فی الروایہ میں فریقین میں سے کسی شخص کا نام مذکور نہیں اور نہ کسی مقام اور موقع کا وہاں ذکر کیا گیا ہے اور نہ کسی عہد اور زمانے کی تعیین اس میں پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم! یہ کن لوگوں، کس دور اور کس صلح کی طرف اشارہ ہے؟ ان چیزوں کے تعین سے یہ روایت خاموش ہے۔

اب ایسی مجمل پیش گوئی کا مصداق اور محمل حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح قرار دینا بغیر دلیل کے ہے اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا نمونہ ہے۔

② اور دیگر صحیح حدیث میں وارد ہے:

((ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین))

جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر ہوا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ صلح اور مصالحت مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہوگی اور مفید و منفعت بخش ہوگی۔ یعنی اس میں دھوکا بازی کا معاملہ ہرگز نہیں ہوگا۔ نیز وہ صلح صحیح صلح ہوگی، کسی کدورت پر مبنی نہیں ہوگی۔

اس حدیث کا یہ مضمون جمہور علمائے امت کے نزدیک اپنے مقام پر واضح ہے۔

دوسری روایت (ھدنہ علیٰ دخن) کا محمل اگر حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی اس صلح کو بنایا جائے تو یہ روایت مذکورہ بالا صحیح حدیث کے مضمون اور مفہوم کے خلاف ہوگی، کیونکہ حدیث شریف میں "لعل اللہ ان یصلح بہ" کے الفاظ مذکور ہیں۔ ان میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کی بہتر امید وابستہ کی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امید امر حق کے موافق ہوتی ہے پس آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ترجی (امید وابستہ کرنا) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت ترک کرنا صحیح ہے اور اس میں کسی جانب سے کوئی "دخن" یعنی خدیعت و خیانت نہیں اور مبنی بر کدورت بھی نہیں اس میں کوئی غدر نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ اپنی مشہور تصنیف الصواعق المحرقہ میں ذکر کرتے ہیں کہ:

((فانظر الی ترجیہ صلی اللہ علیہ وسلم الاصلاح بہ وھو صلی اللہ علیہ وسلم لا یرجوا الا الامر الحق۔ الموافق لواقع فترجیہ للاصلاح من الحسن رضی اللہ عنہ یدل علی صحۃ نزولہ

لمعاویة رضی اللہ عنہ عن الخلافه))[1]

حاصل یہ ہے کہ ان دونوں حضرات (سیدنا امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کے مابین مشہور ''صلح و مصالحت'' ایک بار ہی ہوئی ہے اور وہ صلح آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا صحیح مصداق تھی۔ اسی کے متعلق ترجی یعنی امید وابستہ کرنا مذکور ہے اور وہ امر حق کے موافق تھی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ صلح کی تکمیل تھی۔

اب اس واقعہ میں ایک فریق کے حق میں خدیعت اور خیانت و کدورت و غدر کی نسبت کرنا بالکل بے جا اور ناروا ہے کیونکہ اس طرح تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس صلح میں دھوکا کھایا اور خسارہ اٹھایا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بہتر امید وابستہ تھی وہ معاذ اللہ پوری نہ ہو سکی۔ وجہ یہ ہے کہ جس صلح میں دھوکا دہی اور فساد نیت اور غدر ہو وہ صلح ہی کیسے ہوئی؟

یہاں سے معلوم ہوا کہ ہدنہ علیٰ دخن والی روایت کا مصداق اگر یہ مصالحت و صلح قرار دی جائے تو ان دونوں روایات کے مفہوم میں تعارض و تخالف واقع ہوتا ہے۔ فلہٰذا ہدنہ علی دخن والی روایت کا مصداق کوئی دوسرا واقعہ ہے یہ مصالحت مذکورہ محمل نہیں۔

③ نیز اس مقام پر یہ چیز نہایت قابل لحاظ ہے کہ اس صلح میں بنی ہاشم حضرات اور بہت سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہوئے تھے اور ان حضرات کے عمل و تعامل نے اس صلح کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس پر رضامند ہو گئے۔

اگر اس صلح کو کدورت اور غدر پر محمول کیا جائے تو کیا ان حضرات کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ دھوکا اور فریب کاری کی جا رہی ہے؟ اور کیا یہ حضرات اتنے سادہ لوح غافل اور سطحی فکر کے حامل تھے کہ فریق مقابل کی فریب دہی کو نہ سمجھ سکے؟

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان تمام اکابر بنی ہاشم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدت العمر تعلقات اور روابط درست رہے اور ان کے باہمی تمام معاملات صحیح تھے فلہٰذا یہ چیز بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مصالحت مذکورہ میں کسی قسم کی کدورت نہیں تھی اور نہ وہ بطور خدیعت اور غدر کے واقع ہوئی تھی، ورنہ یہ معاملات کیسے درست رہ سکتے تھے؟

④ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب صلح ہو گئی اور ان تمام حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تو اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق قرار پائے اور مسلمانوں کے امیر المومنین ٹھہرے اور امام صادق کے لقب کے مستحق ہوئے۔

[1] الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۱۸ (طبع ثانی مصر) تحت الخاتمہ فی بیان اعتقاد اہل السنہ فی حقیقۃ خلافۃ معاویہ بعد نزول الحسن لہ

اس چیز کو اکابر علماء نے اپنی تصنیفات میں واضح الفاظ سے ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ الصواعق المحرقہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

((وعلى ان تلك الفوائد الشرعية وهى صحة خلافة معاوية رضي الله عنه و قيامه بامور المسلمين وتصرفه فيها بسائر ما تقتضيه الخلافة مترتبة على ذالك الصلح فالحق ثبوت الخلافة لمعاوية رضي الله عنه من حينئذ وانه بعد ذالك خليفة حق وامام صدق))[1]

اور شرح طحاویہ میں قاضی صدر الدین کہتے ہیں کہ:

((انما صار اماما حقا لما فوض اليه الحسن بن على الخلافة...... الخ))[2]

اکابرین امت کی جانب سے تائید

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح ہذا کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا برحق خلیفہ ہونا اس دور کے تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ کیونکہ اس دور کے اہل حل وعقد کا اجتماع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر منعقد ہو گیا تھا اور اس مسئلہ خلافت میں دیگر کوئی شخص اس وقت مشارک اور مدافع بھی موجود نہیں تھا اس بنا پر حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت ہذا کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ٹھہرے اور اکابرین امت میں سے علی العموم کسی نے اختلاف نہیں کھڑا کیا اور اگر بعض افراد نے انفرادی طور پر اختلاف کیا ہے تو وہ کثیر امت اور اہل حل وعقد کے مقابلہ میں قلیل وشاذ کا حکم رکھتا ہے جس کا کوئی وزن اور اعتبار نہیں (للاکثر حکم الکل)

چنانچہ ہم تابعین میں سے امام اوزاعی رحمہ اللہ کا اس مسئلہ میں ایک تائیدی بیان ذکر کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((عن الاوزاعى قال ادركت خلافة معاوية عدة من اصحاب رسول الله ﷺ منهم سعد واسامة وجابر وابن عمر و زيد بن ثابت و مسلمه بن مخلد و ابوسعيد ورافع بن خديج و ابوامامة وانس بن مالك (رضي الله عنهم) و رجال اكثر من سمينا باضعاف مضاعفة كانوا مصابيح الهدى و اوعية العلم حضروا من الكتاب تنزيله واخذوا عن رسول الله ﷺ تاويله ومن التابعين لهم باحسان ان شاء الله منهم المسور بن مخرمة وعبدالرحمن بن الاسود ابن

---

[1] الصواعق المحرقہ (ابن حجر مکی) ص ۲۱۸ ج ۲ (شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی متوفی ۹۷۳ھ) تحت الخاتمہ بیان اعتقاد اہل السنہ... الخ

[2] شرح الطحاویہ فی عقیدۃ السلفیہ (قاضی صدر الدین ابن ابی العز حنفی) ص ۴۳۰ تحت قولہ ثم لعلی بن ابی طالب، مکتبہ ریاض

عبدیغوث و سعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر و عبداللہ بن محیریز فی اشباہ لھم لم ینزعوا یدا من جماعۃ فی امۃ محمد ﷺ))[1]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے مثلاً سعد بن ابی وقاص، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید خدری، رافع بن خدیج، ابوامامہ، انس بن مالک وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ جن اشخاص کا ہم نے نام ذکر کیا ہے اس سے بھی دو گنے بلکہ زیادہ افراد موجود تھے۔ یہ حضرات اپنے مقام پر ہدایت کے چراغ تھے، اور علم دین کے محفوظ رکھنے والے تھے، کتاب اللہ کے نزول کے وقت حاضر تھے اور آنجناب ﷺ سے کتاب اللہ کے معانی اور مفاہیم انھوں نے حاصل کیے۔ اور تابعین میں سے اکابر حضرات مثلاً مسور بن مخرمہ، عبدالرحمٰن بن اسود، سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن محیریز وغیرہم رحمہم اللہ موجود تھے۔ ان تمام اکابرین نے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں) امت محمدیہ کی جماعت سے اپنے ہاتھ کو نہیں کھینچا (یعنی اہل اسلام کی جماعت سے متفق اور متعاون رہے اور وحدت اسلامی کو ملحوظ رکھا۔)''

بیان بالا سے واضح ہوا کہ صلح مذکور کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور میں مسلم خلیفۃ المسلمین تھے اور ان کی خلافت برحق تھی اور حکومت عادلہ تھی اس دور کے اکابر نے ان کی بیعت سے ہاتھ نہیں کھینچا بلکہ انھیں صحیح خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ان حضرات کا یہ عملی تعاون صحت خلافت کے لیے واضح ثبوت ہے۔

اس مقام پر صحابہ کے مخالف لوگوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی خلافت کے حق میں درج ذیل تاثرات ذکر کیے ہیں کہ:

- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت حقیقتاً خلافت نہ تھی بلکہ صورتاً خلافت تھی اور جابرانہ و ظالمانہ حکومت تھی۔
- اور معاویہ رضی اللہ عنہ لڑ کر خلافت حاصل کرنا چاہتے تھے، ان کی خلافت کا انحصار مسلمانوں کی رضامندی پر نہیں تھا، لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے تھے۔ وغیرہ وغیرہ

مندرجات بالا کی روشنی میں ان لوگوں کے یہ نظریات ہرگز درست نہیں اور واقعات کے برخلاف ہونے کے ساتھ ساتھ امت کے اکابرین کے فرمودات بالا اور بیانات سابقہ کے سراسر منافی اور معارض ہیں فلہٰذا یہ نظریات قطعاً ناقابل قبول ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بے جا تعصب و عناد پر مبنی ہیں۔

---

[1] تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) ص ۷۴۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)
کتاب الاباطیل (جوزقانی) ص ۲۰۷-۲۰۸ روایت ۱۹۲

الحاصل

سیدنا حسن اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں بقدر ضرورت کیا گیا ہے۔ اس تاریخی صلح کے بعد اہل اسلام میں ایک عظیم انتشار ختم ہو گیا اور دونوں حضرات اپنے اپنے مراکز کی طرف واپس ہو گئے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مراجعت کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((ترحل الحسن ابن علی رضی اللہ عنہما و معه اخوه الحسین رضی اللہ عنہما وبقیه اخوتهم وابن عمهم عبدالله بن جعفر رضی اللہ عنہ من ارض العراق الی ارض المدینة النبویة علی ساکنها افضل الصلاة والسلام وجعل کلما مربحی من شیعتهم یبکتونه علی ما صنع من نزوله عن الامر لمعاویة، وهو فی ذلك هو البار الراشد الممدوح، ولیس یجد فی صدره حرجا ولا تلوما ولا ندما بل هو راض بذالك مستبشر به))[1]

"یعنی حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے برادر مکرم سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سمیت اپنے دیگر بھائیوں اور چچا زاد برادر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی معیت میں ارض عراق سے مدینۃ النبی کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں جب یہ حضرات اپنے شیعوں اور حامی قبائل کے پاس سے گزرتے تھے تو بعض لوگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کو ترک کر دینے پر عار دلاتے، ملامت کرتے اور سخت الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ حالانکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ درست معاملہ کرنے والے نیک طینت شخص تھے اور وہ ان لوگوں کے اس برے رویہ سے اپنے اندر کوئی کمزوری محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنے اس مصالحت کے فعل پر بشرح صدر خوش اور مطمئن تھے اور انھوں نے وقتی تقاضوں کے تحت درست فیصلہ کر کے یہ صورت اختیار کی تھی۔"

بہر حال یہ حضرات ایک افتراق عظیم ختم کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں اقامت پذیر ہو گئے۔

o

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ مصالحت کے بعد علاقہ ہذا کے انتظامات کی طرف توجہ مبذول کی۔ کوفہ کے علاقہ پر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو والی اور حاکم مقرر کیا، بصرہ کے علاقہ پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حاکم متعین فرمایا اور اس کے بعد آپ دمشق کی طرف واپس تشریف لائے۔

چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں تحریر کیا ہے کہ:

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹ ج ۸ تحت ۴۱ھ طبع اول مصر

((وولی معاویة رضی اللہ عنہ الکوفه المغیره بن شعبة رضی اللہ عنہ و البصره عبدالله بن عامر رضی اللہ عنہ و رجع الی دمشق))[1]

اس واقعہ مصالحت پر سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تیسرا دور ختم ہوا۔ اب اس کے بعد آپ کی سیرت کا چوتھا دور شروع ہوگا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اختتامی کلمات برائے دور سوم

اس دور میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری ایام خلافت سے لے کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت تک کے حالات و واقعات کو ایک ترتیب سے مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً:

- شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل حفاظتی تدابیر اور محاصرہ دار عثمانؓ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی۔
- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دیگر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت بیعت علوی سے توقف۔
- واقعہ صفین کے متعلقات۔
- واقعہ تحکیم اور اس میں ناکامی۔
- مقتولین صفین کے متعلق فریقین کے تاثرات
- فریقین میں مصالحت اور معاہدہ جنگ بندی۔
- خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تاثرات۔
- سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت وغیرہ وغیرہ۔

اس دور میں مذکورہ بالا اہم عنوانات کے واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے متعدد دیگر متعلقہ تفصیلات کو بھی زیر بحث لایا گیا خصوصاً اس دور کے مشاجرات صحابہ کو حتی المقدور صاف کرنے کی کوشش کی گئی۔

[1] فتح الباری شرح بخاری ص۵۳، ج۱۳ تحت روایت ابنی هذا سید لعل الله ان یصلح...... الخ

دور چہارم

عہد خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ خلافت راشدہ کے مبارک دور کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ''عہد خلافت'' اسلام میں بڑا اہم دور ہے۔ اس دور میں اسلام کو کامل فروغ حاصل ہوا، دین و شریعت کے تمام شعبوں میں ترقی ہوئی اور اس عہد کے باقی مخالف ادیان یہود و نصاریٰ وغیرہ پر اسلام غالب آ گیا اور اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ عظیم سلطنتوں کا زور ٹوٹ گیا۔

چنانچہ اس زریں عہد کے حالات اور واقعات لاتعداد پائے جاتے ہیں لیکن حسب مقدور انھیں کم و بیش بارہ فصول کی شکل میں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، ان پر نظر غائر کرنے سے اس دور کی قدر و منزلت اور اہمیت واضح ہو سکے گی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملی خدمات کا اندازہ ہو سکے گا، اور ان کی حکومت عادلہ کا بہترین نقشہ سامنے آ سکے گا۔

لیکن شرط یہ ہے کہ عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمام مندرجات پر ناظرین با تمکین ایک منصفانہ نظر فرمائیں اور دور ہذا کے مخالف دوستوں کے پروپیگنڈے پر بھی نگاہ ڈالیں، پھر بہ تقاضائے انصاف خود موازنہ کریں۔ اس طریقہ سے امید ہے کہ صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

فصل اول

مسئلہ خوارج، بغاوتیں، شرقی ممالک کی فتوحات

عہد مرتضوی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت تک کے درمیانی عرصہ میں اسلامی فتوحات کے سلسلے میں کچھ پیش رفت نہ ہو سکی۔ یہ ایک گونہ ابتلا کا دور تھا[1] جو تقریباً ساڑھے پانچ سال تک رہا۔

اب موجودہ حالات کے اعتبار سے اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے گویا دور جدید کا آغاز ہوا۔ اس وقت بے شمار حل طلب مسائل درپیش تھے، لیکن جناب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وقت کے تقاضوں کے پیش نظر دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ اولاً خارجیوں کی سرکوبی اور مفتوحہ علاقوں میں امن و امان قائم کرنے اور بغاوتوں کو فرو کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائی، اور کامل التفات کیا۔

بنا بریں پہلے خوارج کے متعلقہ چیزیں پھر باغیوں کی شورشوں کو فرو کرنے کی کوششیں ذکر ہوں گی، اس کے بعد فتوحات وغزوات کے واقعات ایک ترتیب سے بیان کیے جائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

خوارج

جن جماعتوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حصہ لیا وہی لوگ اس واقعہ کے بعد مختلف نظریاتی طبقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے کچھ طبقات ایسے تھے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بظاہر حضرت موصوف کے معاون و موافق رہے، لیکن واقعہ تحکیم کے بعد علی الاعلان پوری مخالفت پر اتر آئے۔ اپنی شدت طبع اور کج فہمی کی بنا پر آنجناب کے شدید معاند ثابت ہوئے۔ حتیٰ کہ یہ لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا اصحابہ رضی اللہ عنہم کو تحکیم قبول کر لینے کی وجہ سے ایمان سے خارج تصور کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کو برحق تسلیم کرنے والے اشخاص کو نیز حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما وغیرہم کو ایمان سے برگشتہ قرار دیتے تھے۔ اور ان کا نظریہ یہ بھی تھا کہ جو شخص بھی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہو جاتا ہے۔[1]

ان باطل نظریات کی بنا پر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے خلاف قتال کیا

---

1. المنتقیٰ (ذہبی) ص ۲۵۱

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۳-۲۵۶ ج ۷ تحت مسیر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ من المدینۃ الی البصرۃ

اور متعدد جنگی معارضے ہوئے۔ ان لوگوں کو خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (جیسا کہ اس مقام کے حالات میں مورخین نے ذکر کیا ہے اور ہم نے بھی قبل ازیں ان خوارج کے مختصر حالات ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں صفحہ ۳۱۲ اور ۳۸۲ اور ۳۸۷ پر ذکر کیے ہیں)۔ یہ فرقہ نہایت تشدد پسند تھا۔ ذیل میں ایک واقعہ بطور نمونہ پیش خدمت ہے جس سے اس فرقہ باطلہ کا تشدد عیاں ہوتا ہے اور ان لوگوں کی فسادی فطرت واضح ہوتی ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ ایک بار عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر میں تھے، اسی دوران میں چند خارجیوں نے انھیں پکڑ لیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ جواباً عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں عبداللہ بن خباب صحابی رسول ہوں اور میرے ساتھ میری اہلیہ ہے جو پُر امید ہے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ تو آپ نے کہا کہ میں ان حضرات کو ثنائے خیر سے یاد کرتا ہوں اور بہتر جانتا ہوں۔ اس بات پر خوارج نے انھیں ذبح کر ڈالا اور ان کی اہلیہ کا پیٹ چاک کر کے قتل کر دیا حالانکہ وہ حاملہ تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ میں عورت ہوں اور کیا تم اللہ سے خوف نہیں کرتے؟

اس واقعہ کو ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے یہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

((وقتل عبدالله بن خباب رضي الله عنه الخوارج كان طائفة منهم اقبلوا من البصرة الى اخوانهم من اهل الكوفة، فلقوا عبدالله بن خباب رضي الله عنه و معه امراته، فقالوا له: من انت؟ قال انا عبدالله بن خباب صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألوا عن ابى بكر و وعمر و عثمان وعلى فاثنى عليهم خيرا فذبحوه فسأل دمه فى الماء قتلوا لامرأة وهى حامل متم منه فقالت انا امرأة الا تتقون الله فبقروا بطنها))[1]

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت کے ابتدائی دور میں اس متشدد فرقہ خوارج کی طرف خاص توجہ کی۔

اب ذیل میں خوارج کے خلاف معارضات کے چند ایک واقعات پیش خدمت ہیں:

خروج علی الخوارج

① حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب کوفہ کے علاقہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ کوفہ کے مضافات میں ''نخیلہ'' کے مقام پر خارجیوں کا ایک گروہ عبداللہ بن ابی الحوساء خارجی کی سرکردگی میں مرکزی خلافت کے خلاف

[1] اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۱۵۰ ج ۳ تحت عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۹۳ ج ۲ تحت عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ مع الاستیعاب

شورش برپا کیے ہوئے ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شورش کو فرو کرنے کے لیے خالد بن عرفطہ عذری رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ انھوں نے خارجیوں کا مقابلہ کیا اور ان کے رئیس ابن ابی الحوساء کو جمادی الاولی ۴۱ھ میں قتل کر کے اس بغاوت کو فرو کیا۔[1]

(۲) عبداللہ بن ابی الحوساء خارجی کے قتل کے قلیل عرصہ بعد خارجیوں کا ایک دوسرا گروہ رونما ہوا جس کا رئیس حوثرہ بن ذراع تھا۔ ان خوارج کی سرکوبی کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عوف ابن احمر کو ایک ہزار لشکریوں کے ساتھ روانہ فرمایا اور انھوں نے جمادی الاخری ۴۱ھ میں حوثرہ بن ذواع مذکور کو قتل کر کے اس شورش کو ختم کر دیا۔[2]

(۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ ایام کوفہ میں قیام فرمایا، اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو امیر کوفہ مقرر فرما کر ملک شام کی طرف چلے آئے۔ اس دوران میں کوفہ میں خارجیوں کی ایک دیگر جماعت خلیفہ اسلام کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی جس کا قائد بقول بعض مورخین فروہ بن نوفل اشجعی تھا۔

اس موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کے اس گروہ کی سرکوبی کے لیے شبث بن ربعی اور بقول بعض معقل بن قیس کی قیادت میں مجاہدین کی ایک جماعت روانہ فرمائی۔ انھوں نے خارجیوں سے مقابلہ کیا اور ان کے رئیس فروہ بن نوفل کو قتل کر کے اس فتنہ انگیز آتش کو فرو کیا۔[3]

(۴) بصرہ کے قریب ایک مشہور پل تھا، اس کے نواح میں خارجیوں کے ایک گروہ نے سہم بن غالب ہجیمی اور خطیم باہلی کی سرکردگی میں صحابی رسول عبادہ بن قرص لیثی رضی اللہ عنہ کو معارضہ کر کے شہید کر دیا، اس وقت بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ ان خارجیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ جب ان کے ہاں پہنچے تو خارجیوں سے معارضہ ہوا، خارجیوں کے بعض شریر عناصر قتل ہو گئے مگر سہم اور خطیم مذکور نے امان طلب کر لی۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ان کو امان دے دی اور اس طرح اس فتنہ کو ناکام کر دیا۔[4]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اپنے تاریخ اسلام جز ثانی میں ۴۱ھ کے تحت لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں عبداللہ بن ابی الحوساء سہم بن غالب ہجیمی اور خطیم باہلی نے خروج کیا۔ پھر ان خوارج کی سرکوبی کے

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۸ ج ا تحت سنہ ۴۱ھ

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۸ ج ا تحت سنہ ۴۱ھ

[3] تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۰۶ ج ۳ تحت سنہ ۴۱ھ تذکرہ خروج فروہ بن نوفل

[4] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۸ ج ا تحت سنہ ۴۱ھ
تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۰۹ ج ۳ تحت سنہ ۴۱ھ

لیے مساعی کی گئیں اور ان کی شورشوں کو فرو کیا گیا۔ مزید تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔[1]

۴۳ھ میں واقعہ خوارج

اس سال خوارج اور جنود کوفہ کے مابین ایک اہم واقعہ پیش آیا۔ مستورد بن علقمہ خارجی کی سرکردگی میں اپنے پروگرام کے مطابق بہت سے خوارج اپنے مقام پر جمع ہوئے، (یہ لوگ نظریاتی طور پر اسلامی مرکزیت اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف تھے، اپنے مجوزہ امیر کے ماسوا کسی کو امیر اور خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے امیر اور اپنی جماعت کے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے اور خلیفۃ المسلمین کو اسلام سے خارج قرار دیتے تھے۔

انھوں نے مستورد کو امیر المومنین قرار دیا اور اس کی بیعت کر لی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس سال ۴۳ھ میں علاقہ کوفہ کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم اور والی تھے۔ انھوں نے ان خوارج کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے تیاری کی اور ایک لشکر تجویز کیا اور اس کا امیر معقل بن قیس کو بنایا، اور لشکر کے مقدمۃ الجیش کا امیر ابو الرواغ مقرر کیا۔ ان لوگوں کا خوارج کے ساتھ شدید مقابلہ و معارضہ ہوا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو فتح عطا فرمائی۔[2] خوارج نے بری طرح شکست کھائی اس طرح اپنے پروگرام میں ناکام ہو کر خائب و خاسر ہوئے۔

مختصر یہ ہے کہ مختلف مواقع پر خوارج نے اس دور میں فتنے برپا کرنے کی کوششیں کیں اور مرکز کے خلاف شورشیں کھڑی کرنے کی حرکتیں کیں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حکام نے نظم و ضبط قائم رکھنے کی خاطر ان لوگوں کو دبا دیا اور ان کی مفسدانہ حرکات کو ناکام بنا دیا۔

بغاوتیں

قبل ازیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دور میں خوارج کی طرف سے بعض شورشیں رونما ہونے کا کچھ مختصر تذکرہ ہم کر آئے ہیں۔

اب اس کے بعد جن مقامات پر فتوحات کے بعد بغاوتیں کھڑی ہوئیں، ان کو فرو کرنے کے لیے جو کوششیں کی گئیں اجمالاً ان کا حال درج کیا جاتا ہے۔

ہرات، بلخ، بوشنج اور بادغیس وغیرہ کے علاقہ جات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح ہو کر اہل اسلام کے زیر نگیں تھے، پھر ۴۱ھ میں ان علاقوں میں بغاوتیں رونما ہوئیں۔ ان مشرقی ممالک پر حضرت امیر

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۰۹ ج ۲ تحت سنہ ۴۱ھ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۴-۲۵ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ طبع اول مصر
تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۲-۲۱۳ ج ۳ تحت سنہ ۴۳ھ طبع مصر۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی اور حاکم تھے۔ انھوں نے بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے عمدہ تدابیر اختیار کیں اور قیس بن الہیثم سلمی کو خراسان کے علاقے کا والی مقرر کیا تاکہ وہ ان بغاوتوں کو فرو کریں۔ چنانچہ قیس بن الہیثم ان علاقہ جات کو دوبارہ فتح کرتے ہوئے بلخ تک پہنچے اور وہاں کے آتش کدہ کو ختم کر دیا۔ اس مہم میں عطاء بن سائب (مولیٰ بنی لیث) ان کے خصوصی معاون اور کارکن تھے۔ ہرات کا شہر بھی اس مہم میں فتح ہوا۔ ان علاقوں میں پلوں کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ تین عدد مشہور پل وہاں تعمیر کرائے گئے۔ اس کے بعد اہل بلخ نے قیس بن الہیثم مذکور سے صلح کا تقاضا کیا اور زیر اطاعت رہنے کا اقرار کیا تو قیس نے ان کی گزارش منظور کرتے ہوئے صلح کر لی۔[1]

بعض مورخین نے ان مہمات کے سر کرنے میں عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن خازم سلمی رضی اللہ عنہما کا بھی ذکر کیا ہے، ان تمام حضرات نے مقامات مذکورہ کو دوبارہ فتح کر کے ان پر اسلام کا پرچم بلند کیا۔[2]

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کابل اور اس کے ملحقہ علاقہ جات فتح ہو چکے تھے لیکن بعد میں ان مقامات کے باشندوں نے خلیفہ اسلام کے خلاف بغاوت کر دی تو عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جو ان ممالک کے لیے مرکزی حاکم تھے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو بجستان کا حاکم مقرر کیا تاکہ وہ ان بغاوتوں کو فرو کریں، اور ان کے ساتھ عباد بن حصین حبطی اور عمرو بن عبیداللہ بن معمر وغیرہ معاونین روانہ کیے۔

یہ لوگ باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل تک پہنچے، وہاں پہنچ کر کابل شہر کا محاصرہ کر لیا اور اطراف میں منجنیقیں نصب کر دیں اور اس طرح شہر کی پوری ناکہ بندی کر کے اہل شہر کے ساتھ معارضہ اور مقابلہ کیا اور زوردار معارضہ کے بعد ان کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

اسی سلسلہ میں اس علاقہ کے باقی مشہور مقامات بست، رخج، زراں، خشک، زابلستان، غزنہ وغیرہ کو ان حضرات نے فتح کر کے اہل اسلام کے زیر نگیں کیا، اب یہ تمام علاقہ جات مسلمانوں کے ماتحت ہو گئے۔[3]

باغیوں کی شورشوں کو فرو کرنا خلافت اسلامیہ کی مرکزیت کو مستحکم کرنے، اس کی کماحقہ حفاظت کرنے اور

---

1. فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۱۶ تحت واقعات خراسان
الکامل (ابن اثیر) ص ۲۰۸-۲۰۹ ج ۳ تحت ذکر ولایہ قیس
البدایہ ص ۲۴ ج ۸ طبع اول تحت ۴۲ھ
2. کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۴۴-۵۷ طبع قدیم نجف
3. تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۷ ج ۳ تحت سنہ ۴۳ھ ذکر عود عبدالرحمٰن الی ولدیہ بجستان طبع مصر۔
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۱۷ ج ۲ تحت ایام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع بیروت
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۰ ج ۱ تحت سنہ ۴۳ھ
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۰۳-۴۰۴ تحت بجستان و کابل۔

امن وامان قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا، چنانچہ ان مقاصد کے حصول کے لیے یہ مساعی کی گئیں جو بارآور ہوئیں۔

فتوحات

ماقبل میں بغاوتوں کو فرو کرنے کے چند ایک واقعات مختصراً ذکر کیے گئے ہیں، اس کے بعد اب یہاں فتوحات کا سلسلہ ایک ترتیب سے اختصاراً ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشرقی ممالک میں بغاوتوں کو فرو کرنے کی جس طرح کوششیں کیں، اسی طرح ان ممالک میں فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس دور میں بصرہ کو انتظامی امور کے لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم اور والی عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے جو صغار صحابہ میں سے تھے اور اپنی قابلیت وصلاحیت کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے حاکم بصرہ چلے آرہے تھے پھر ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ولایت بصرہ کے منصب پر بحال رکھا گیا۔

چنانچہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی امارت کے دور میں سجستان کے علاقہ میں جہاد کے لیے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو والی بنایا، اور ان کے ساتھ اس غزوہ میں متعدد حضرات مثلاً مہلب بن ابی صفرہ اور حسن بصری رحمہما اللہ وغیرہ کو شامل کیا۔ پھر انھوں نے مقام زرنج، اہواز اور کابل وغیرہ کے علاقہ جات فتح کیے اور سجستان کے علاقہ میں رخج وغیرہ مقامات کو بھی فتح کیا۔[1]

مورخین کے بیانات کے مطابق اس دور میں کئی مقامات مثلاً زراں، خشک رخج زابلستان وغیرہ کے لوگوں نے نقض عہد کیا اور ان سے معارضے ہوئے اور پھر دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا گیا۔[2]

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۵ھ میں حارث بن عبداللہ ازدی کو بصرہ کا والی بنایا لیکن چار مہینے کے بعد ان کو وہاں سے ہٹا دیا اور زیاد کو بصرہ کا والی بنایا، چنانچہ زیاد اپنے منصب کو سنبھالنے کے لیے جمادی الاولیٰ ۴۵ھ میں بصرہ میں داخل ہوا۔ اس دوران میں زیاد نے صحابہ کی ایک جماعت سے تعاون حاصل کیا، چنانچہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بصرہ میں منصب قضا کا والی بنایا اور حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو خراسان کے علاقے پر نائب بنایا اور ساتھ غزوات کے کچھ معاملات بھی ان کے سپرد کیے، چنانچہ اس سال حکم رضی اللہ عنہ نے جبل الاسل کے علاقے میں جہاد شروع کیا، مقابلہ میں دشمن کے بہت سے لوگ مارے گئے اور بعض لوگوں کو قیدی بنا لیا

---

1. تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۰۹، ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۲-۴۳ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۷ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ
2. فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۰۴ تحت عنوان سجستان وکابل۔

گیا اور اموال کثیرہ غنائم کے طور پر حاصل ہوئے اس سے اہل اسلام کو بہت نفع ہوا۔[1] اسی طرح سمرہ بن جندب، عبدالرحمن بن سمرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم زیاد کے دور میں بطور نیابت اسلامی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد ۴۶ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو سجستان کی امارت سے بدل کر ان کی جگہ ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ کو والی بنایا۔ پھر اس دور میں سجستان کے علاقے میں ترکوں نے جوش دکھلایا لیکن آخرکار کابل، زابلستان اور رخج کے علاقوں پر ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ نے ان کی سرکوبی کی اور مخالفین کو شکست فاش ہوئی۔[2]

بعض مورخین نے اس مقام پر تحریر کیا ہے کہ خراسان پر حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ زیاد کی طرف سے والی اور حاکم تھے، ان کے انتقال کے بعد زیاد بن ابی سفیان نے ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ کو خراسان کا والی بنایا۔ انھوں نے بلخ کو صلحاً فتح کیا اور کوہستان کے علاقہ کو فریق مخالف سے مقابلہ کر کے فتح کیا۔ قریب ہی ترک آباد تھے۔ انھوں نے معارضہ کیا تو ترک طرخان کے علاوہ سب کو قتل کر دیا گیا۔ ترک طرخان بعد میں قتیبہ بن مسلم کے ہاتھوں قتل ہوا۔[3]

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ ماوراء النہر کے علاقہ میں ۵۱ھ میں ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا۔ ان سے قبل حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ اس علاقے میں پہنچے تھے اور انھوں نے پہلی مرتبہ اس نہر (دریائے جیحون) کو عبور کیا، آپ کے غلام نے اس دریا سے خود بھی پانی پیا اور اپنے سردار کو بھی پلایا۔ پھر حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس دریا کے پانی سے وضو کیا اور دو رکعت نوافل شکرانہ ادا کیے، اور بعد میں اس علاقہ سے واپس چلے آئے۔ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بعد ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ اس علاقے میں پہنچے اور دریا کے پار (ماوراء النہر) جہاد کیا۔ بہت سا مال غنیمت حاصل کیا اور پھر سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے۔[4]

خراسان، ترکستان، سجستان، سمرقند و بخارا وغیرہ کی فتوحات

۵۳ھ میں زیاد بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ ان کے فرزند عبیداللہ بن زیاد کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ اس نے بخارا کے کوہستانی علاقہ میں اونٹوں پر سفر کیا اور بخارا کے علاقہ میں متعدد مقامات رامنی، نسف اور بیکند وغیرہ علاقوں کو فتح کر کے اسلام کا پرچم بلند کیا۔ اس دور میں یہ

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۹ ج ۸ تحت سنہ ۴۵ھ

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۲-۱۹۳ ج ا تحت سنہ ۴۶ھ

[3] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۰۴ تحت عنوان سجستان و کابل

[4] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۶ ج ۸ تحت تذکرہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ

علاقہ ترکوں کے ماتحت تھا۔ ابن زیاد نے ان کو شکست دی۔ ترکوں کے بادشاہ کے ساتھ اس کی ملکہ بھی تھی، ترکوں کے ساتھ یہ شدید ترین قتال تھا۔ ابن زیاد نے خراسان کے علاقہ میں اس دوران میں قریباً دو سال تک قیام کیا، اور مفتوحہ مقامات کے انتظامی امور کو درست کیا۔[1]

عبیداللہ بن زیاد کے بعد خراسان کے علاقہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کیا۔ انھوں نے دریائے جیحون کو اپنے لشکر سمیت عبور کیا، اور پیش قدمی کر کے ان علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔

اس علاقے کی والی ایک خاتون تھی جب اسے ان کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے صلح کی پیش کش کی اور اہل صغد اور ترک اور اہل کش وغیرہ کے باشندوں نے سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ سے صلح کی خواہش ظاہر کی اور ایک لاکھ بیس ہزار درہم ادا کرنا منظور کیا۔

بخارا کے مضافات اور علاقہ جات فتح ہونے کے بعد سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بخارا کے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر بخارا کی فتح کے بعد سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ نے سمرقند کی طرف اقدام کیا۔ اہل سمرقند سے زبردست مقابلہ ہوا اور یہ قتال تین دن تک جاری رہا۔ مشہور قول کے مطابق دوران جنگ میں سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک جرنیل مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ دونوں کی ایک ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔

افواج اسلام نے مخالفین کے ساتھ شدید معارضہ کیا اور سمرقند شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب اہل شہر کو اپنی ہلاکت کا خطرہ ہوا تو انھوں نے اہل اسلام سے صلح کی پیش کش کی۔ سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر صلح کی کہ اہل سمرقند سات لاکھ درہم سالانہ ادا کریں گے اور مسلمان شہر سمرقند کے ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے سرے کے دروازہ سے نکل جائیں گے۔[2]

اور اس مقام پر شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بخارا فتح ہوا، اس مہم میں سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ والی اور نگران تھے۔[3] جرجان کے علاقہ کی فتح بھی سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔[4]

نیز مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بلخ اور مدائن وغیرہ کو اہل اسلام نے جب فتح کیا تو عبدالرحمٰن بن سمرہ

---

1. تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ج ۳ ص ۲۴۷ تحت استعمال عبیداللہ بن زیاد علیٰ خراسان
2. کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۱۷، ۴۱۸ تحت حالات خراسان
   تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۲ ج ۱ غزوہ سمرقند ۵۶ھ
3. کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۵۰-۵۴ طبع قدیم نجف اشرف
4. کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۵۱ طبع قدیم نجف اشرف۔

رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں یہ فتوحات ہوئی تھیں۔[1]

ایک اہم واقعہ

خراسان کے علاقہ میں بے شمار جنگی مہمات پیش آئیں اور اہل اسلام نے ان جنگوں میں اسلام کے فروغ اور ترقی کے لیے بے شمار کوششیں کیں۔ اس دور میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مساعی میں پیش پیش رہے اور بنی ہاشم کے اکابر میں سے بھی بعض حضرات ان مہمات میں شامل ہوئے اور شریک ثواب رہے۔ چنانچہ سمرقند کی فتوحات میں ایک ہاشمی بزرگ کی شرکت اہل سیرت و تاریخ نے ذکر کی ہے۔

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے:

((قال ابن سعد غزا قثم بن عباس خراسان وعليها سعيد بن عثمان بن عفان فقال له اضرب لك بالف سهم! فقال: لا بل خمس، ثم اعط الناس حقوقهم ثم اعطني بعد ما شئت))[2]

اور بلاذری نے اس طرح ذکر کیا ہے:

((قدم قثم رضي الله عنه على سعيد بن عثمان رضي الله عنه بخراسان فقال له سعيد اعطيك من المغنم الف سهم فقال لا ولكن اعطني سهما لي وسهما لفرسي))[3]

''یعنی ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما خراسان کے غزوات میں شامل ہوئے اور اس وقت ان غازیوں کے امیر سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے حضرت سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ نے خصوصی رعایت دیتے ہوئے قثم بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں آپ کے لیے غنائم میں سے ایک ہزار حصہ دینا چاہتا ہوں تو قثم بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ اس طرح نہ کریں، بلکہ حسب قاعدہ غنائم سے خمس نکالیے اور باقی غازیوں کو ان کے حقوق کے مطابق عطا کیجیے اور مجھے اور میرے گھوڑے کے لیے حسب قاعدہ ایک ایک حصہ دے دیں۔ پھر اس کے بعد اگر آپ کوئی زائد چیز دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔''

علماء فرماتے ہیں کہ قثم رضی اللہ عنہ سمرقند کے غزوات میں شامل تھے۔ سمرقند میں ہی شہید ہوئے اور آپ کا مزار بھی سمرقند کے علاقہ میں ہے۔

---

[1] کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۵۰ طبع قدیم نجف اشرف

[2] طبقات ابن سعد، ص ۱۰۱ ج ۷ قسم ثانی تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

[3] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۱۹ تحت حالات خراسان

تنبیہ

یہاں قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک مختصری تشریح کر دینی مناسب سمجھی گئی ہے۔ قثم رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے فرزندوں میں سے مشہور صاحبزادے ہیں انھیں صحبت نبوی کا شرف حاصل ہے۔ آپ حضرت سیدنا حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے رضائی برادر بھی ہیں۔ روایت میں ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ آپ کو اپنے پیچھے اپنی سواری پر سوار کیا۔ اور علمائے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ:

((كان يشبه النبي صلى الله عليه وسلم واخر الناس به عهدا))[1]

((وكان قثم رضي الله عنه سيد ورعا فاضلا...... الخ))[2]

"یعنی قثم بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہری مشابہت رکھتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں اترنے والوں میں قثم بن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے اور سب سے آخر میں قبر مبارک سے باہر نکلے تھے۔"

"قثم بن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں علماء فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خاندان میں سردار متقی اور علم وفضل میں فائق تھے۔"

اور شیعہ کے اکابر علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قثم بن عباس رضی اللہ عنہما مکہ پر ہمیشہ والی رہے، حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خارجیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ نیز لکھا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سمرقند کے علاقہ میں حضرت قثم رضی اللہ عنہ اہل اسلام کی فوج میں شامل تھے اور آپ وہیں (سمرقند میں) شہید ہوئے۔ شیعہ فاضل ابن میثم بحرانی نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں مندرجہ بالا چیز بہ عبارت ذیل نقل کی ہے:

((هو قثم بن العباس بن عبد المطلب لم يزل واليا على مكة لعلي عليه السلام حتى قتل (علي) واستشهد بسمرقند في زمن معاوية))[3]

---

1. اسد الغابہ ص ۱۹۷ ج ۴ تحت باب القاف ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
2. طبقات ابن سعد ص ۱۰۱ ج ۷ قسم ثانی تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما
3. شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۲۰۷ ج ۵ تحت عنوان من کتاب لہ علیہ السلام الی قثم بن عباس وہو عاملہ علی مکہ طبع تہران۔
تاریخ یعقوبی ص ۲۳۷ ج ۲ تحت حالات امیر معاویہ طبع بیروت۔

فائدہ

① اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بنو ہاشم حضرات جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی جنگی مہمات میں بخوشی شامل ہوئے اور اس کار خیر میں شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔

② ان حضرات میں قبائلی تعصب نہیں تھا بلکہ احیائے دین کی خاطر ایک دوسرے کے مددگار و متعاون رہتے تھے۔

③ نیز خلافت و ولایت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برحق تھی اور ان کے تعرفات اسلام کے مطابق صحیح تھے، اور یہ چیز بنو ہاشم کے تعامل سے ثابت ہو رہی ہے۔ مسائل ہذا میں ان حضرات کا تعامل و تعاون مستقل شاہد کی حیثیت رکھتا ہے۔

طبرستان کی مہم

طبرستان اور اس کے نواحی علاقہ جات کی فتوحات کے سلسلے میں مورخین کی تاریخی روایات مختلف پائی جاتی ہیں۔ بعض مورخین کے بقول سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی مساعی سے یہ علاقہ فتح ہوا۔ اور بعض دیگر روایات کے مطابق عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس علاقہ میں مہم جاری رکھی اور ان علاقوں کو فتح کرنے کی کوششیں کیں۔

اور یہ بھی روایات میں پایا جاتا ہے کہ ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ امیر کوفہ نے مصقلہ بن ہبیرہ رحمہ اللہ کو طبرستان کے علاقہ جات پر حاکم بنا کر روانہ کیا۔ انھوں نے دشمن کی افواج سے مقابلہ کیا اور فتوح البلدان (بلاذری) کے بیان کے مطابق وہ اس مہم میں دشمن کی حیلہ گری کا شکار ہو کر اپنے فوجی دستہ سمیت شہید ہو گیا۔ اور بعض دیگر مورخین مثلاً خلیفہ ابن خیاط اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے بیانات کے مطابق مصقلہ رحمہ اللہ اس مہم میں کامیاب ہوئے اور انھوں نے اہل طبرستان کو اپنی شرائط پر صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔

بہر کیف طبرستان کے علاقہ جات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مفتوح ہو کر اہل اسلام کے زیر نگیں ہو گئے تھے۔

سندھ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں اہل اسلام کی طرف سے سندھ کی طرف پیش قدمی ہو چکی تھی اور اس دور میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جو بصرہ کے والی تھے، ان کی طرف سے راشد بن عمرو جدیدی کو ثغر ہند (ہندوستان کے علاقے) کا حاکم مقرر کیا گیا۔ انھوں نے سندھ کی طرف پیش قدمی کی اور ان علاقوں میں اقامت پذیر رہے اور یکے بعد دیگرے بلاد سندھ پر حملے کیے اور دور تک اندر چلے گئے۔[1]

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۰ ج ا تحت ۴۲-۴۳ھ

کچھ ایام کے بعد مکران کے علاقہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار عبدی کو والی مقرر فرمایا، اور انھوں نے وہاں فتوحات میں پوری کوششیں کیں۔[1]

اسی دور میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مساعی سے کابل فتح ہوا اور وہاں ابو قتادہ عدوی شہید ہوئے۔ مخالفین کے کئی لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا جن میں سے بعض بہت مشہور ہوئے۔ مثلاً مکحول، سالم بن عجلان، نافع مولیٰ ابن عمر وغیرہم رحمہم اللہ۔[2]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ نے ارض ہند کی طرف اقدام کر کے خوب جہاد کیا اور قندابیل (اس دور کا ایک مشہور مقام تھا) تک جا پہنچے، اور پھر وہاں سے بنہ اور اہواز کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ مقامات کابل اور ملتان کے درمیان واقع تھے۔ مخالفین اسلام کے ساتھ مقابلے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کو شکست دی اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو مال و زر سے پر کر دیا اور پھر یہ لوگ غنائم حاصل کر کے سلامتی سے لوٹے۔[3]

کچھ ایام کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ثغر ہند (سرزمین ہندوستان) کی طرف عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار عبدی رحمہ اللہ کو بھیجا۔ انھوں نے جہاد کر کے قیقان کے علاقے کو فتح کیا اور وہاں سے مسلمانوں کو بہت سے غنائم حاصل ہوئے جن میں اس علاقہ کے خاص نسل کے قیقانی گھوڑے بھی شامل تھے۔ عبداللہ بن سوار نے یہ گھوڑے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد جب یہ قیقان کے علاقہ میں واپس آئے تو اس علاقہ کے ترک خلاف ہو گئے۔ مقابلہ ہوا اور مخالفین کے ہاتھوں عبداللہ بن سوار شہید ہو گئے۔[4]

ان ایام میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے بعد زیاد بن ابی سفیان بصرہ کے والی بنائے گئے تو زیاد نے سندھ

---

1. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۱ ج ۱ تحت سنہ ۴۴ھ
2. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۱ ج ۱ تحت سنہ ۴۴ھ
   فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۳۸ تحت فتوح السند
3. الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۲۱ ج ۳ تحت ذکر غزو المہلب السند
   تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۴ھ
4. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۲ ج ۱ تحت سنہ ۴۵ھ
   فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۳۹ تحت فتوح السند
   الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت ذکرہ غزوۃ السند
   تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۵ھ

کے علاقوں پر سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو حاکم بنایا۔ وہ ایک باصلاحیت شخص تھے۔ انھوں نے مکران کو فتح کیا اور وہاں آبادیاں قائم کیں اور شہروں کا نظم قائم کیا اور کچھ مدت وہیں مقیم رہے۔[1]

اس مقام کی بعض روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ زیاد نے سرحدوں پر راشد بن عمرو جدیدی کو عامل بنایا اور وہ مکران پہنچے۔ قیقان کے علاقہ میں جہاد کر کے اسے فتح کیا اور رعایا کے انتظامی معاملات کے لیے سنان بن مسلمہ کو مقرر کیا اور سرحدوں کے معاملات بھی انھی کے سپرد ہوئے۔[2]

پھر کچھ ایام کے بعد زیاد نے منذر بن جارود کو ہندوستان کی سرحد کا والی بنایا تو انھوں نے بوقان اور قیقان کے علاقوں میں جہاد کیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس سے پہلے ان علاقوں کو سنان بن مسلمہ نے فتح کیا تھا، لیکن بعد میں وہ لوگ اسلامی سلطنت کے طے شدہ معاہدے سے انحراف کر گئے تھے۔ اس بنا پر ان کے ساتھ منذر بن جارود نے دوبارہ جہاد کر کے ان علاقوں کو زیر نگین اسلام کیا۔[3]

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۳۹ تحت فتوح السند، طبع مصر
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۴ تحت ثغر الہند طبع بیروت

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۳۹ تحت فتوح السند

[3] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۴۰ تحت فتوح السند۔

فصل دوم

بلاد روم کی فتوحات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مختلف اطراف میں فتوحات کی مہمات کا سلسلہ جاری رہا اور مسلمانوں کا وہ سلسلہ غزوات جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر رک گیا تھا پھر سے جاری ہو گیا جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر کیا ہے۔

بلاد شرق مثلاً خراسان، ترکستان، کابل، بخارا، سمرقند، بلخ اور طبرستان وغیرہ میں ایک سلسلہ غزوات جاری رہا۔ بلاد ہند اور بلاد سندھ کی طرف فتوحات کا ایک دوسرا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسا کہ اس چیز کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح بلاد روم وغیرہ کی طرف فتوحات کا سلسلہ آنجناب نے الگ چلایا ہوا تھا، اور بلاد روم کی مہمات میں صیفی اور شتوی غزوات مستقل طور پر جاری رہتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ بحری غزوات کا سلسلہ اپنی جگہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خصوصی توجہات کا مرکز تھا۔

ذیل میں ہم بلاد روم کے صیفی اور شتوی غزوات اور بحری غزوات کو مختصراً ذکر کرتے ہیں تا کہ ناظرین کی معلومات میں اضافہ ہو اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں احیائے دین اور اشاعت اسلام کے لیے مساعی کا اندازہ ہو سکے۔ چونکہ ان چیزوں کو ان کی پوری تفصیلات کے ساتھ ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے اس لیے انھیں بقدر ضرورت ہی ذکر کرنا مناسب ہے۔ مقولہ ما لا یدرك كله لا يترك كله کے مطابق اس کو اپنے ہاں جگہ دی جائے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے تحت غزوات روم کے سلسلے میں مسلمانوں نے بلاد روم کی طرف خاص توجہ کی اور رومیوں کے ساتھ اہل اسلام کا مقابلہ بہت سخت ہوا اور رومیوں کے مذہبی راہنماؤں (بطریق) کی جماعتوں نے بھی اہل اسلام کے خلاف معارضہ میں بھرپور حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو شکست فاش دی اور رومی بطریقوں یعنی (مذہبی راہنماؤں) کی ایک بڑی جماعت مقتول ہوئی۔[1]

رومیوں کے ساتھ غزوات کا سلسلہ چونکہ بہت وسیع تھا اور بار بار بلاد روم پر مسلمان حملہ آور ہوئے تو

---

[1] الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۰ ج ۳ تحت سنہ ۴۲ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۴ ج ۸ تحت سنہ ۴۲ھ

اس کے متعلق اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ ۴۳ھ میں بسر بن ارطاۃ نے بلاد روم میں غزا اور جہاد کیا اور دور تک چلے گئے حتیٰ کہ قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔

بقول بعض مورخین پھر سردیوں میں بھی بسر بن ارطاۃ نے جہاد جاری رکھا اور ارض روم میں قیام کیا۔[1]

پھر ان کے بعد ۴۴ھ اور ۴۵ھ میں اہل تاریخ کی روایات کے مطابق عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے تحت بلاد روم میں جہاد کیا آپ کے ساتھ اہل اسلام کی ایک کثیر فوج تھی۔ مجاہدین سردیوں میں بھی جہاد جاری رکھتے تھے اور بلاد روم میں ہی قیام کرتے تھے۔ شتوی غزوات کا سلسلہ ان کے ذریعے سے جاری رہتا، اور انھوں نے بلاد روم کے بہت سے علاقے فتح کیے۔[2]

مورخین نے لکھا ہے کہ صیفی یعنی موسم گرما اور شتوی یعنی موسم گرما کے غزوات میں مختلف امرا اور حکام کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بلاد روم میں روانہ کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں درج ذیل حضرات کے اسماء مورخین عموماً ذکر کرتے ہیں:

مالک بن عبداللہ ابوحکیم کو ارض روم میں ۴۶ھ کے دوران میں ان غزوات کے لیے امیر بنا کر روانہ کیا گیا، اور بقول بعض مورخین مالک بن ہبیرہ فزاری کو ارسال کیا گیا تھا۔ پھر اس کے بعد اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ ارض روم میں مالک بن ہبیرہ کو بھیجا گیا تھا اور سردیوں میں ابوعبدالرحمٰن قینی کو انطاکیہ کے علاقہ میں شتوی غزوات کے سلسلہ میں امیر مقرر کیا گیا۔[3]

۴۹ھ میں مورخین نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ ارض روم میں شتوی یعنی سردیوں کے غزوات میں مالک بن ہبیرہ فزاری کو بھیجا گیا، اور بقول بعض فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کو ان ایام میں امیر مقرر کر کے روانہ کیا گیا تھا۔[4]

اس طرح سردیوں اور گرمیوں میں اہل اسلام کی جانب سے مخالفین کے علاقہ میں جہاد جاری رہتا تھا۔

---

1. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۴ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۳ھ
2. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۴۴ھ
الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت سنہ ۴۴ھ
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۱ ج ۱ تحت سنہ ۴۴ھ
3. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۳ ج ۱ تحت سنہ ۴۶-۴۷ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۸ھ
4. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۴ ج ۱ تحت سنہ ۴۹ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ

چنانچہ ابن کثیر اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے سردیوں اور گرمیوں کے ان غزوات کی تفصیلات کو مختصر الفاظ میں اس عبارت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

((فاغزا معاوية رضي الله عنه ارض الروم ست عشرة غزوة تذهب سرية فى الصيف ويشتوا بارض الروم ثم تقفل وتعقبها اخرى))[1]

''یعنی روم کے علاقہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریباً سولہ غزوات کیے آپ گرمیوں میں ایک فوج کو بھیجتے تھے جو سردیوں میں بھی اس علاقہ میں مقیم رہتی تھی پھر وہ فوج واپس آ جاتی اور ان کی جگہ ایک دیگر فوجی دستہ بھیج دیا جاتا۔''

اس طرح روم کے علاقہ میں سردیوں اور گرمیوں کا جہاد جاری رہا اور بے شمار علاقے مفتوح ہوئے اور سلطنت اسلامی کا دائرہ نہایت وسیع ہوا اور اسلام کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

ایک اہم واقعہ

ارض روم کے واقعات کے سلسلے میں ایک اہم واقعہ پیش آیا جس کو محدثین نے اپنی اسانید کے ساتھ درج کیا ہے، پہلے اس واقعہ کو نقل کیا جا رہا ہے، بعد میں اس کے کچھ فوائد بھی ناظرین کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

ایک بار موسم سرما میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سریہ مشہور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ارض روم کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو اس موقع پر شدید سردی شروع ہو گئی جو ان کے لیے ناقابل برداشت تھی تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو واپس ہونے کا حکم دیا اور واپس آ گئے۔

اس موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ ان فوجیوں کو بغیر اجازت کے واپس کیوں لائے؟ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان سنا ہوا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا (اس موقع پر وہاں قیام کرنا شفقت انسانی کے خلاف تھا اور سردی کی وجہ سے جان کی ہلاکت کا خوف تھا اس بنا پر ہم واپس آ گئے ہیں۔)

یہ جواب سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے جریر! یہ فرمان نبوی تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے یہ فرمان خود سنا ہے۔

اس واقعہ کو محدث حمیدی رحمہ اللہ مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

---

[1] البدایہ ص ۱۳۳ ج ۸ تحت تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۲۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

((ثنا عمرو بن دینار عن نافع بن جبیر قال استعمل معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ علی سریة فاصابهم برد شدید فاقفلهم جریر رضی اللہ عنہ فقال له معاویة رضی اللہ عنہ لم اقفلتهم قال جریر رضی اللہ عنہ انی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول من لا یرحم الناس لا یرحمه الله، فقال له معاویة رضی اللہ عنہ انت سمعت هذا من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال نعم))[1]

فائدہ

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فوجی دستہ واپس لانے پر اس لیے گرفت کی تاکہ باقی فوجوں کے کمانڈر خلیفہ کی اجازت کے بغیر واپس ہونے کی جرأت نہ کر سکیں۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گرفت کے جواب میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جب حدیث نبوی پیش کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مواخذہ ترک کر دیا اور گرفت نہیں کی۔

③ نیز معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پوری قدردانی اور اطاعت کرتے تھے اور آنجناب کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھتے تھے۔ مطلب یہ کہ فوجی معاملات اور جنگی امور میں بھی شرعی اصول اور اسلامی قواعد کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ عام حکمرانوں کی طرح خودسری اور خود روی اختیار کرنے والے نہیں تھے۔

سلسلہ فتوحات

اسی طرح جنگی مہمات کا یہ طویل سلسلہ جاری رہا۔ موسم سرما اور موسم گرما میں جنگیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جاری رکھیں۔ بعض دفعہ بسر بن ارطاۃ کو ارض روم میں جہاد کے لیے بھیجا گیا۔ ۵۲ھ میں سفیان بن عوف ازدی بھی آپ کے ہمراہ تھے اور سفیان بن عوف کا ارض روم میں ہی انتقال ہوا۔ اور ان کے بعد عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو لشکر کا امیر بنایا گیا۔[2]

اور بعض مورخین نے بسر بن ارطاۃ کا سفیان بن عوف ازدی کے ہمراہ ارض روم میں جہاد کرنا ۵۰ھ میں ذکر کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ۵۳ھ میں عبدالرحمٰن بن ام الحکم کو، ۵۴ھ میں محمد بن مالک کو، ۵۶ھ میں مسعود بن ابی مسعود کو، ۵۷ھ میں عبداللہ بن قیس کو، ۵۸ھ میں مالک بن عبداللہ بن سنان خثعمی کو، اور ۵۹ھ میں عمرو بن مرہ مہری کو صیفی و شتوی غزوات کے سلسلے میں بلاد روم کی طرف امیر جیش مقرر کر کے روانہ کیا جاتا رہا، اور انھوں نے اپنے اپنے ایام میں عظیم کارنامے سرانجام دیے۔[3]

---

[1] مسند الحمیدی ص۳۵۲ ج۲ تحت احادیث جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ طبع مجلس علمی۔

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص۵۸ ج۸ تحت سنہ ۵۲ھ — تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص۲۰۵ ج۱ تحت سنہ ۵۲ھ

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط تحت سنہ ۵۳ھ تا ۵۹ھ

اہل تاریخ اور محدثین کرام نے مالک بن عبداللہ بن سنان خثعمی کے متعلق مزید چیزیں بھی ذکر کی ہیں اور لکھا ہے کہ موسم گرما کے غزوات میں خاص طور پر ان کے کارنامے بڑے مشہور ہیں اور انھوں نے مدت دراز تک صیفی غزوات میں بطور امیر جیش حصہ لیا حتیٰ کہ آپ کو "مالک الصوائف" کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔[1]

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں بے شمار ملی کارنامے سرانجام دیے اور اسلام کے فروغ کا باعث ہوئے۔

بحری غزوات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی غیر فانی مساعی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جس طرح بری غزوات کا سلسلہ جاری تھا اسی طرح بحری غزوات کی مہم بھی جاری رہتی تھی۔ اہل تاریخ کے بیان کے مطابق عثمانی دور خلافت کے بعد ۴۴ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو بحری غزوات کا امیر مقرر کیا اور انھوں نے اپنے فرائض نہایت مستعدی سے سرانجام دیے۔[2]

اس کے بعد ۵۰-۵۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ نے اسلامی بحری افواج کی قیادت کی اور اس معاملہ میں پیہم کوششیں جاری رہیں جن سے بہتر نتائج برآمد ہوئے۔[3]

ان ہی بحری فتوحات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسلام میں اولین امیر البحر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

غزوہ قسطنطنیہ (مدینہ قیصر)

بلاد روم کے غزوات میں قسطنطنیہ پر اہل اسلام کا حملہ اور اس کو فتح کرنا تاریخ و سیر کی کتب میں مفصل طور پر پایا جاتا ہے۔ اسلامی فتوحات میں قسطنطنیہ کی فتح بڑی اہمیت کی حامل ہے اور کئی اہم واقعات کو متضمن

---

[1] تعجیل المنفعہ ص ۵۸۷ تحت حرف المیم
اسد الغابہ ص ۲۸۴ ج ۴ تحت مالک بن عبداللہ بن سنان رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۲۷ ج ۳ تحت مالک بن عبداللہ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۴۴ھ
تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۸-۲۱۹، ج ۳ تحت سنہ ۴۴ھ

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۰۵ ج اتحت سنہ ۵۱ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ
تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۲۸ ج ۳ تحت سنہ ۵۰ھ

ہے۔

روایات پر نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قسطنطنیہ پر اہل اسلام کی طرف سے متعدد بار حملے ہوئے اور اس کی فتح کے لیے بار بار کوششیں کی گئیں۔

مورخین ان غزوات کو ۴۹ھ، ۵۱ھ اور ۵۲ھ وغیرہ میں ذکر کیا کرتے ہیں۔

ان اقوال کی روشنی میں علماء فرمایا کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ پر اہل اسلام کی طرف سے متعدد بار حملے ہوئے۔ اختلاف سنین کے سلسلے میں اس توجیہ کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

اور اس غزوہ کے متعلق بعض بشارات نبوی بھی ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک بشارت الاصابہ لابن حجر عسقلانی میں عبداللہ بن بشر خثعمی سے بہ عبارت ذیل منقول ہے۔ اور نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد جلد سادس باب فتح القسطنطینیہ میں اس بشارت کو اس طرح درج کیا ہے:

① ((قال الخثعمی عن ابیه انه سمع النبی ﷺ یقول لتفتحن القسطنطینیة ولنعم الامیر امیرها ونعم الجیش ذاك الجیش، قال فدعانی مسلمة بن عبدالملك فسألنی فحدثته بهذا الحدیث فغزا القسطنطینیة (قلت) القائل ذالك هو عبدالله بن بشر و رواه ابن السكن من هذا الوجه فقال بشر بن ربیعة الخثعمی))[1]

''یعنی عبداللہ بن بشر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے جناب نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آنجناب نے فرمایا قسطنطنیہ یقیناً فتح ہوگا۔ اس کو فتح کرنے والا لشکر عمدہ اور اس کا امیر عمدہ امیر ہوگا......الخ''

اس روایت کی روشنی میں قسطنطنیہ کی فتح کی اہمیت واضح طور پر پائی گئی اور اس کے جیش کی عظمت اور امیر جیش کی فضیلت عمدہ طریقہ سے ثابت ہوئی۔

② نیز اسی طرح بعض دیگر روایات میں ایک دوسری بشارت نبوی منقول ہے۔ اس میں جناب نبی کریم ﷺ نے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) کے متعلق غزا اور جہاد کرنے والوں کے لیے مغفرت کا ارشاد فرمایا ہے:

((ثم قال النبی ﷺ: اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم))[2]

---

[1] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۶۱ ج ا تحت ۶۸۵ بشر الغنوی الخثعمی
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۱۸، ۲۱۹ ج ۶ باب فتح القسطنطینیہ عن بشر الخثعمی بحوالہ احمد و بزار و طبرانی طبع اول مصر

[2] بخاری شریف ص ۴۱۰ ج ا کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم
البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویہ

"یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر غزا اور جہاد کرے گا وہ مغفور ہے۔"

اس روایت کی تشریح میں اکابر علماء نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں (علی اختلاف الاقوال) ۵۲ھ میں پیش آیا تھا اور اس غزوہ کا امیر جیش یزید بن معاویہ تھا۔ نیز فرماتے ہیں کہ بعض اکابر صحابہ کرام مذکورہ بشارت نبوی کے پیش نظر اس غزوہ میں شامل ہوئے تھے مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم اور بعض علماء نے حضرت حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی بھی اس غزوہ میں شرکت ذکر کی ہے۔[1]

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بیماری اور وفات

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ غزوہ قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور انھوں نے وصیت فرمائی کہ اگر میں یہاں فوت ہو جاؤں تو مجھے باب قسطنطنیہ کے پاس جہاں غازی لڑ رہے ہیں ان کے قدموں میں دفن کیا جائے۔[2]

چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اسی غزوہ کے دوران میں انتقال ہو گیا۔ یزید بن معاویہ امیر جیش نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قلعہ قسطنطنیہ کے دامن میں دفن کیا گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اہل روم ان کے مزار مبارک کو محفوظ کیے ہوئے ہیں اور جب کبھی قحط سالی وغیرہ کے آثار پیدا ہوتے ہیں تو ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسی چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وکانت غزوة یزید المذکورة (غزوة قسطنطینیة) فی سنة اثنتین وخمسین من الهجرة و فی تلك الغزاة مات ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ فاوصی ان یدفن عند باب القسطنطینیة وان یعفی قبره ففعل به ذالك فیقال ان الروم صاروا بعد ذالك یستسقون به وفی الحدیث ایضا الترغیب فی سکنی الشام))[3]

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۸ تحت تذکرہ قصہ حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما
مختصر تاریخ ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳۱۱ ج ۴ تحت تذکرہ امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۰ ج ۵ کتاب الجہاد
مستدرک حاکم ص ۴۸۵ ج ۳

[3] فتح الباری شرح بخاری ص ۸۷ ج ۶ تحت باب ما قیل فی قتال الروم۔

ناظرین کرام مندرجہ بالا مضمون مقامات ذیل میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

① طبقات ابن سعد ص ۴۹-۵۰ ج ۳ قسم ثانی تحت خالد بن زید بن کلیب ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

② مسند ابی عوانہ ص ۱۲ ج اطبع حیدر آباد دکن

③ مختصر تاریخ ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳۱۱ ج ۴ تحت تذکرہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما

④ حسن المحاضرہ (سیوطی) ص ۱۰۰ ج ۱

ایک کرامت

اس مقام پر مشہور فقیہ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''شرح السیر الکبیر'' میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے غزوہ قسطنطنیہ میں یزید بن معاویہ کی ماتحتی میں غزا اور جہاد کیا۔ اتفاقاً ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس موقع پر بیمار ہو گئے۔ یزید بن معاویہ ان کے پاس عیادت کے لیے آیا اور کہا کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت اور حاجت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! میری خواہش ہے کہ اگر میں یہاں فوت ہو جاؤں تو مجھے غسل دو اور پھر مجھے کفن دو اور اس کے بعد مجھے اٹھا لو حتیٰ کہ دشمن کے شہر کے قریب مجھے دفن کر دو...... چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان لوگوں نے اسی طرح کیا اور رات کو وہاں جا کر قلعہ قسطنطنیہ کی دیوار کے دامن میں دفن کر دیا۔ پھر اس کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر سے ایک روشنی آسمان کی طرف بلند ہوتی ہوئی نمودار ہوئی اور یہ منظر آس پاس کے کفار نے دیکھا۔ رات گزرنے کے بعد صبح کفار کی طرف سے آدمی آئے اور کہنے لگے کہ گزشتہ رات تم نے کس شخص کی میت کو دفن کیا ہے؟ اہل اسلام نے جواب دیا کہ وہ ہمارے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے۔ پس اس منظر کو دیکھ کر اطراف کے کئی کافر مسلمان ہو گئے۔

ان لوگوں نے واقعہ ہذا سے یہ تاثر لیا کہ جس پیغمبر کے یہ پیروکار ہیں وہ نبی برحق ہیں اور ان کا مذہب صحیح ہے اور یہ دین صادق ہے۔

((فاتاه يزيدبن معاوية يعوده، فقال الك حاجة؟ قال نعم! اذا انا مت فاغسلوني وكفنوني ثم احملوني حتى تاتوا بلاد العدو۔ فيدفنوني۔ انهم فعلوا ذالك به ودفنوه ليلا فصعد نور من قبره الى السماء و راى ذالك من كان بالقرب من ذالك الموضع من المشركين۔ فجاء رسولهم من الغد فقال من كان هذا الميت فيكم فقالوا صاحب لنبينا فاسلموا بما رأوا))[1]

بخاری شریف کی عمیر بن اسود عنسی سے مرفوع روایت، جس میں فرمان نبوی ہے کہ اول جیش من

[1] کتاب شرح السیر الکبیر (شمس الائمہ سرخسی) ص ۱۵۷ ج ۱ باب الشہید وما یصنع بہ طبع دکن۔

امتی یغزون مدینہ قیصر مغفور لھم...... الخ کے متعلق اس دور کے بعض لوگوں نے بے جا نقد شروع کر دیا ہے اور روایت ہذا کی صحت سے انکار کے درپے ہوئے ہیں۔

ان کا قول ہے کہ عمیر بن اسود عنسی کے بغیر اس روایت کو کسی دوسرے راوی نے نقل نہیں کیا، لہٰذا ان کے قول کے مطابق یہ حدیث نبوی نہیں ہے بلکہ سند کے راویوں میں سے ایک راوی عمیر بن اسود کی وضع کردہ ہے اور آنحضور ﷺ نے اول جیش، اوجبوا، مدینہ قیصر اور مغفور لھم کے الفاظ نہیں ذکر کیے۔

ان شبہات کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں مختصراً پیش کی جاتی ہیں:

① اہل فن کے نزدیک ایک مسلم قاعدہ ہے کہ اگر ایک روایت صرف ایک صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے اور وہ کسی نص قطعی، دیگر احادیث صحیحہ اور واقعات کے برخلاف بھی نہ ہو تو وہ محدثین کے نزدیک قابل قبول اور لائق تسلیم ہو گی۔

اسی قاعدہ کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ کی ''مدینہ قیصر'' والی روایت اگرچہ صرف ایک صحیح سند سے ثابت ہے تب بھی یہ روایت اہل فن کے نزدیک مقبول ہے اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔

② دیگر یہ چیز ہے کہ مشہور محدث محی السنہ امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی معروف تصنیف ''شرح السنۃ'' میں بخاری کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ حکم لگایا ہے کہ ''وھذا حدیث صحیح'' یعنی اہل فن کے نزدیک یہ حدیث نبوی صحیح ہے۔[1]

③ نیز یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی اس روایت کو امت کے بے شمار علمائے فن، محدثین اور مشہور مصنفین نے اپنی اپنی تصنیفات میں بغیر نقد و جرح کے قبول کیا ہے۔ کسی ایک محدث نے بھی اس پر جرح کر کے اس روایت کو رد نہیں کیا۔

یہ چیز اس روایت کی قبولیت پر قوی قرینہ ہے۔ اسی طرح متاخرین علماء مثلاً ابن تیمیہ، حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی اس روایت کو صحیح تسلیم کر کے بغیر نقد و جرح کے نقل کیا ہے۔[2] گویا روایت کو تلقی امت حاصل ہے۔ سو بخاری کی اس روایت کو رد کرنا قواعد کے اعتبار سے ہرگز درست نہیں۔

اس کے برعکس آج کے دور میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ حدیث نبوی ہی نہیں اول جیش اوجبوا مغفور لھم وغیرہ الفاظ جناب نبی کریم ﷺ نے نہیں فرمائے بلکہ ایک راوی کا خود ساختہ قول ہے، سو فیصد

---

[1] شرح السنۃ (محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی ۵۱۸ھ) ص ۳۱۲-۳۱۳ ج ۱۳ حدیث ۳۱ ۳۷ طبع جدید

[2] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۲۴۵ ج ۲
المنتقی (ذہبی) ص ۲۸۸
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲، ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویہ، طبع اول

غلط اور بے جا ادعا ہے اور اس کا عند العلماء کوئی وزن نہیں بلکہ ایک قول رسول کی بے جا توہین ہے۔

یہاں یہ چیز مزید ذکر کی جاتی ہے کہ معترض لوگوں نے روایت ہذا کو ایک راوی (عمیر بن اسود عنسی یا بقول بعض عمرو بن اسود عنسی) کا خود ساختہ قول کہا ہے۔ حالانکہ علمائے رجال وتراجم کے نزدیک یہ شخص تابعی اور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں اور متعدد صحابہ کرام (حضرت عمر، عبادہ بن صامت، ابودرداء، ام حرام اور معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ رضی اللہ عنہم) سے روایات کے براہِ راست ناقل ہیں۔ اور ان پر علمائے فن نے کوئی خاص جرح وتنقید ذکر نہیں کی بلکہ انھیں معتمد علیہ قرار دیا ہے۔[1] لہٰذا اس شخص کو ''روایت ہذا کا وضع کرنے والا'' قرار دینا نہایت دریدہ دہنی ہے، راوی پر بہتان عظیم ہے اور اس کے ساتھ سخت ناانصافی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

نیز ان لوگوں نے روایت ہذا پر نقد وجرح کرتے ہوئے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ عمرو بن اسود عنسی اور عمیر بن اسود عنسی کے دو الگ الگ اشخاص ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور علمائے رجال اس راوی کا حدود اربعہ پوری طرح متعین نہیں کر سکے۔

مطلب یہ ہے کہ واضح نہیں ہو سکا کہ عمرو بن اسود اور عمیر بن اسود دو الگ الگ شخصیتیں ہیں یا ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں؟

ہمارے قارئین اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تصنیفات تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب کی طرف رجوع فرمائیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی دونوں تصنیفات مذکورہ بالا میں یہ چیز واضح کر دی ہے کہ عمرو بن اسود عنسی اور عمیر بن اسود عنسی ایک ہی شخصیت ہے جس کو بعض دفعہ عمرو بن اسود اور بعض دفعہ عمیر بن اسود (تصغیر کے ساتھ) ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ دو الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: تقریب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) تحت عمرو بن اسود عنسی، اور تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) تحت عمیر بن اسود عنسی

④ نیز ان ناقدین نے روایت میں "اول جیش" کے الفاظ پر سخت اعتراض کیا ہے، اور کہتے ہیں کہ غزوہ قسطنطنیہ کے جس جیش میں یزید بن معاویہ امیر تھا، وہ اول جیش نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ الفاظ واقعہ کے

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل (ابن ابی حاتم رازی) ص ۲۷۵ ج ۳ قسم اول
تاریخ کبیر (امام بخاریؒ) ص ۳۱۵ ج ۳ قسم ثانی
تاریخ الثقات (حافظ احمد بن عبداللہ عجلی) ص ۳۶۴ تحت عمرو بن الاسود العنسی
تقریب التہذیب (عسقلانی) ص ۳۸۸ تحت عمرو بن الاسود عنسی طبع لکھنؤ
تہذیب التہذیب (عسقلانی) ص ۴ ج ۸ تحت عمرو بن الاسود العنسی، طبع دکن۔

اعتبار سے درست نہیں ہیں۔

تو اس کے متعلق اتنی وضاحت درکار ہے کہ مورخین کے اقوال کے مطابق اہل اسلام کے جیوش نے بلاد روم کے اس علاقہ پر متعدد بار حملے کیے تھے۔ ان میں سے ایک حملے کے متعلق یہ الفاظ وارد ہیں۔ گویا کہ اولیت حقیقی مراد نہیں بلکہ اضافی اولیت مراد ہے یعنی یہ غزوہ مدینہ قیصر کے لحاظ سے پہلا حملہ تھا۔ اس علاقہ میں دیگر پیش قدمیوں کے لحاظ سے اول جیش نہیں تھا۔

⑤ نیز معترض لوگوں نے اس روایت کا انکار اس بنا پر کیا ہے کہ اس غزوہ میں امیر لشکر یزید بن معاویہ تھا اور معترض لوگ یزید کو مغفور لهم میں داخل قرار دینے میں بڑی مشکلات محسوس کرتے ہیں۔ فلہٰذا انھوں نے صحت روایت کا ہی انکار کر دیا ہے۔ مثل مشہور ہے ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری''

معترض لوگوں کا روایت ہذا کی صحت سے انکار کرنے کا یہ طریقہ غلط ہے۔ دیگر محدثین نے روایت ہذا کی صحت تسلیم کرتے ہوئے جو تشریحات ذکر کی ہیں وہ درست ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس جیش کے غازیوں کے متعلق "مغفور لهم" کی جو بشارت دی گئی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے اگر ان میں یزید بن معاویہ بھی داخل ہو تو وہ بھی اس بشارت کا مستحق ہے مگر اس کے ساتھ محدثین کرام رحمہم اللہ نے ایک وضاحت ذکر کر دی ہے، اسے کیوں نہیں پڑھتے؟

((قوله ﷺ مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذالك لم يدخل فى ذالك العموم اتفاقا۔ فدل على ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم))[1]

''یعنی جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد "مغفور لهم" اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ اس غزوہ کے غازی اہل مغفرت میں سے ہوں (یعنی مغفرت کے لائق ہوں) حتیٰ کہ بالفرض اگر کوئی شخص ان غازیوں میں سے ہو اور اس کے بعد وہ اسلام سے پھر جائے تو وہ شخص اس عموم (مغفرت) میں داخل نہ ہوگا۔''

مطلب یہ ہے کہ یزید بن معاویہ سے اس غزوہ کے بعد ایسے افعال اور امور سرزد ہوئے ہوں جن کی وجہ سے وہ مستحق مغفرت نہ رہا تو وہ اس عموم (مغفرت) سے خارج ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو معافی دے دیں گے اور اگر چاہیں گے تو گرفت فرمائیں گے جیسے کہ دیگر اہل معاصی کے حق میں قاعدہ ہے۔

پس اس حدیث شریف کی تشریح میں جو کچھ علماء نے نقل کیا ہے اور یزید بن معاویہ کے متعلق مغفور

---

[1] فتح الباری شرح بخاری ص ۷۸ ج ۶ تحت حاشیہ باب ما قیل فی قتال الروم۔
عمدۃ القاری شرح بخاری (عینی) ص ۱۹۹ ج ۱۴ تحت باب ما قیل فی قتال الروم۔

ہونے یا مغفور نہ ہونے کی تشریح ذکر کر دی ہے وہ کافی ہے اور صحیح ہے۔ فلہٰذا انکار روایت کی راہ اختیار کرنا قطعاً درست نہیں۔

روایت ہٰذا کی مزید وضاحت کے لیے اہل علم مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع فرما کر تسلی کر سکتے ہیں:

① شرح الابواب والتراجم للبخاری از شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تحت الروایہ

② حواشی لامع الدراری از شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ ص ۴۸۵-۴۸۶ ج ۲ طبع ہند

مختصر یہ ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ بلاد روم کے غزوات میں سے ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے جس کی تفصیلات تاریخی کتب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس غزوہ کا کچھ مختصر اور اجمالی حال ہم نے سطور بالا میں بیان کر دیا ہے قابل توجہ یہاں یہ چیز ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ قیصر وغیرہ کے متعلق جو بشارتیں بیان فرمائی ہوئی تھیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں اور ان کے عہد میں پوری ہوئیں۔ یہ ان کی بہت بڑی خوش نصیبی ہے ان کی خوش بختی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

فتح روڈس

مورخین نے لکھا ہے کہ ۵۳ھ میں بحری غزوات کے سلسلے میں جزیرہ روڈس کو فتح کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس وقت بحری افواج کے امیر جنادہ بن ابی امیہ ازدی رضی اللہ عنہ تھے۔ جنادہ بن ابی امیہ ازدی رضی اللہ عنہ وہ بزرگ شخصیت ہیں جن سے بہت سی احادیث نبویہ منقول ہیں۔ حضرات شیخین اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے ان کی ملاقات ہوتی رہی، اور آپ کا انتقال اہل تراجم نے ۸۰ھ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے تحت اسلامی افواج نے جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جزیرہ روڈس بڑی جدوجہد کے بعد فتح کیا اور وہاں آپ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو مستقل طور پر آباد کیا۔ ان کے ساتھ کفار کا سخت تقابل اور تعارض رہتا تھا۔ مسلمان سمندر میں ان کی طرف پیش قدمی کرتے تھے اور ان کے راستوں کو منقطع کرتے اور ان کی کشتیوں کو اپنی تحویل میں لے لیتے تھے اس وجہ سے کفار پر ان مسلمانوں کا جزیرہ میں قیام نہایت گراں تھا۔ تاہم مسلمان ان سنگین حالات میں بھی نہایت استقامت سے وہاں مقیم تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جزیرہ کے ان مقیمین کے لیے بہت کچھ وظائف اور عطایا ارسال فرماتے رہتے تھے کیونکہ یہ مسلمان وہاں مخالفین کی طرف سے شدید خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔[1]

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جزیرہ روڈس قریباً ساٹھ میل طویل ایک سرسبز و شاداب جزیرہ تھا اس میں

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۳ھ
تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۴۴ ج ۳ تحت سنہ ۵۳ھ

کثرت سے درخت اور باغات تھے، زیتون انگور اور دیگر فواکہ کثرت سے پیدا ہوتے تھے اور پانی نہایت شیریں تھا۔[1]

۵۴ھ کے تحت مورخین ذکر کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ کے نزدیک جزیرہ ارواد تھا اسے مسلمانوں نے فتح کیا۔ ان کے امیر جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے ساتھ ان کارگزاریوں میں مجاہد بن جبر بھی شریک تھے۔ جب یہ جزیرہ فتح ہو چکا تو مسلمانوں نے بطور نو آبادی کے وہاں پر سات سال تک اقامت اختیار کی۔[2]

۵۶ھ میں بھی جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے ارض روم میں جہاد جاری رکھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سمندر میں جہاد کرنے والے یزید بن شجرہ اور خشکی میں جہاد کرنے والے عیاض بن حارث تھے۔[3] اس مقام پر کبار مورخین نے اور اہل تراجم نے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ یزید بن شجرہ رہاوی رضی اللہ عنہ ایک مقتدر صحابی ہیں اور انھوں نے شام میں سکونت اختیار کر رکھی تھی رومیوں کے مقابلہ میں بحری غزوات میں ان کی نمایاں جنگی خدمات پائی جاتی ہیں۔ اور اس سلسلے میں ۵۸ھ میں امیر جیش کی حیثیت سے رومیوں کے خلاف ایک بحری جہاد میں اقدام کیا۔ فریق مقابل کے ساتھ سخت مقاتلہ پیش آیا اور اسی غزوہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رومیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

((قتل هو واصحابه في البحر سنة ثمان و خمسين في خلافة معاوية بن ابي سفيان رضي الله عنهما)) [4]

((واستشهد ببلاد الروم وهو امير على جيش سنة ثمان و خمسين يزيد بن شجرة الرهاوي هذا من ساكني الشام)) [5]

((وفيها غزا يزيد بن شجرة الرهاوي فاصيب هو واصحابه)) [6]

اور ۵۸ھ میں بھی ارض روم میں جہاد جاری رہا۔ عمرو بن یزید جہنی کی نگرانی میں بحری غزوات ہوئے اور بقول بعض جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ امیر البحر تھے۔[7]

۵۹ھ میں بھی بقول بعض مورخین سمندر میں جہاد جاری رہا اور جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ اس کے نگران اعلیٰ

1. فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۴۴ تحت فتح جزائر فی البحر
2. تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۴۶ ج ۳ تحت غزوۃ الروم وفتح جزیرہ ارواد
3. تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۴۹ ج ۳ تحت سنہ ۵۶ھ
4. طبقات ابن سعد ص ۱۵۶ ج ۷ قسم ثانی تحت یزید بن شجرہ الرہاوی رضی اللہ عنہ
5. تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۲۹۸ ج ۱۸ تحت یزید بن شجرہ
6. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۴ ج ۱ تحت ۵۸ھ
7. تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۵۴ ج ۳ تحت سنہ ۵۸ھ

تھے۔[1]

جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بحری غزوات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر یزید بن امیر معاویہ کے دور تک جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے بڑی جانفشانی سے کام کیا۔ مگر درمیان میں فتنہ کے دور (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مشاجرات کے ایام میں) علیحدگی اختیار کیے رکھی۔ اور پھر ۵۹ھ کے شتوی بحری غزوات میں بھی شامل رہے اور اپنے فرائض منصبی بطریق احسن سرانجام دیے۔ بقول مورخین جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۸۰ھ میں ملک شام میں ہوا۔[2]

قلعہ کمخ کی فتح

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں اہل اسلام نے بلاد روم میں کئی قلعے فتح کیے ان میں سے قلعہ کمخ کی فتح بہت اہمیت کی حامل ہے۔

اس موقع پر اسلامی فوج میں ایک بزرگ عمیر بن حباب سلمی نہایت جرأت مند فوجی جوان تھے۔ وہ بڑی عقلمندی سے اقدام کرتے ہوئے قلعہ کمخ کی فصیل پر چڑھ گئے اور مخالفین کے خلاف تنہا مقابلہ کرتے رہے حتیٰ کہ انھوں نے رومیوں کو اپنے مقام سے ہٹا ڈالا۔ اس کے بعد باقی فوج بھی قلعہ ہذا میں داخل ہوگئی۔ یہ تمام مہم عمیر سلمی کے ذریعے سے پوری ہوئی۔ عمیر اس کارنامے پر فخر کیا کرتے تھے اور ان کا یہ کارنامہ واقعی قابل افتخار ہے۔

چنانچہ اس واقعہ کو ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف میں یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وفیه (سنه ۵۹هـ) غز المسلمون حصن کمخ و معهم عمیر بن الحباب السلمی۔ فصعد السور و لم یزل یقاتل علیه وحده حتی کشف الروم فصعد المسلمون ففتحه بعمیر و بذالك کان یفتخر و یفخر له بذالك)) [3]

دیگر قلعوں کی فتوحات

بلاد روم میں اہل اسلام نے متعدد قلعہ جات فتح کیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان

---

1. تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۵۶ ج ۳ تحت سنہ ۵۹ھ
2. الاستیعاب مع الاصابہ ص ۲۴۴-۲۴۵ ج ۱ تحت جنادہ بن ابی امیہ الازدی رضی اللہ عنہ
   البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۹۴ ج ۸ تحت سنہ ۵۹ھ
   تجرید اسماء الصحابہ ص ۹۵ ج ۱ تحت جنادہ بن ابی امیہ الازدی رضی اللہ عنہ
3. تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۵۹ ج ۳ تحت سنہ ۵۹ھ

میں سے ایک قلعہ ''سامہ'' کی فتح بھی مورخین نے ذکر کی ہے۔

چنانچہ عطیہ بن قیس کلابی رحمہ اللہ ایک بزرگ تھے جو اس لشکر اسلامی میں قاری تھے ان کے ساتھ اسماعیل بن عبداللہ بھی اس منصب پر تھے۔ آپ اس قلعہ کو فتح کرنے والے غازیوں میں خود شامل تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بلاد روم میں جہاد کیا اور میں اسپ سواروں (گھڑ سواروں) میں شامل تھا۔ اس موقع پر عبیدہ بن قیس عقیلی ہمارے دستہ فوج پر امیر تھے۔ اس وقت ہمارے دستہ کی تعداد چالیس افراد سے زیادہ تھی۔ ہم نے اس قلعہ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ پھر اس کے بعد عطیہ مذکور کہتے ہیں کہ اس فتح میں ہمیں دو سو دینار فی کس بطور نفل (غنیمت) ملے تھے۔

اسی طرح یہاں ایک اور قلعہ کے فتح ہونے کا بھی مورخین نے ذکر کیا ہے۔ اس کو المدن یا المدین کہتے تھے۔ یہ خلیج قسطنطنیہ کے پاس تھا۔ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ان فتوحات کی زیادہ تفصیل ذکر کی ہے:

((حدثنا سعيد (بن عبدالرحمن) عن عطية بن قيس الكلابي قال غزوت في خلافة معاوية رضي الله عنه بارض الروم قال: فخرجت في سرية و نحن بضعة و اربعون رجلا۔ علينا عبيدة بن قيس العقيلي فاغرنا على فلانة۔ حصنا سماه سعيد فانسيتها۔ قال وكنت فارسا فبلغ نفلي مائتي دينار))[1]

بلاد افریقہ کی فتوحات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جہاں دیگر ممالک کی فتوحات کی طرف پوری توجہ تھی۔ وہاں آپ کی جانب سے بلاد افریقہ میں پیش قدمی کے بھی خاص اقدامات کیے گئے۔ بلاد افریقہ وغیرہ کی فتوحات کی تفصیلات بے شمار ہیں ان تمام واقعات کا ذکر کرنا موجب طوالت ہوگا۔ ذیل میں صرف چند ایک فتوحات بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں:

رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی مساعی

افریقہ کے علاقہ میں فتوحات کے سلسلے میں جن حضرات کی مساعی قابل ذکر ہیں ان میں سے ایک مشہور صحابی حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ ہیں یہ فتح مصر میں شریک جہاد ہوئے اور بعد میں وہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک افریقی علاقہ میں جہاد کے لیے امیر جیش بنا کر بھیجا۔ انھوں نے اس علاقہ میں نہایت جانفشانی سے جہاد کیا اور بالآخر ان کی کوششوں سے بقول بعض مورخین ۴۶ھ میں طرابلس فتح ہوا۔

---

[1] کتاب المعرفہ والتاریخ ص ۳۹۸-۳۹۹ ج ۲ تحت عطیہ بن قیس الکلابی
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۶۸۶ ج ۱۱ تحت عطیہ بن قیس الکلابی

بلادِ مغرب کی فتوحات میں ان کے اور کئی کارہائے نمایاں بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ مصر کے دوسرے عامل مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف سے برقہ (افریقہ) کے والی اور امیر تھے اور ۵۶ھ میں وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

① ((صحابی جلیل شهد فتح مصر وله آثار جيدة فى فتح بلاد المغرب ومات ببرقة واليا من جهة مسلمة بن مخلد رضی اللہ عنہ نائب مصر))[1]

② ((وامره معاوية رضی اللہ عنہ على طرابلس سنة ۴۶ھ فغزا افريقة توفى ببرقة وهو امير عليها...... الخ))[2]

عقبہ بن نافع رحمہ اللہ کے کارنامے

مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ کو بلاد افریقہ کی فتوحات کے لیے امیر اور والی بنا کر روانہ کیا گیا۔ عقبہ بن نافع رحمہ اللہ کے متعلق محدثین لکھتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ صحابی نہیں تھے لیکن بہت باصلاحیت اور لائق شخصیت تھے۔ انھوں نے بلاد افریقہ کی فتوحات میں بہترین کارنامے سرانجام دیے اور اس علاقہ میں بلاد سوڈان کے کئی اہم مقامات فتح کیے اور ودان اور برقہ وغیرہ بھی اسلامی سلطنت کے زیر نگیں کیے۔

بقول بعض مورخین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلاد افریقہ کی طرف روانگی کے وقت دس ہزار مجاہدین کا ایک لشکر ان کی امارت کے تحت روانہ کیا تھا۔[3]

نیز ان کی فتوحات کا دائرہ یہاں تک وسیع ہوا کہ بلاد بربر تک پہنچے اور ان کو فتح کر کے ان پر اسلام کا پرچم بلند کیا۔ چنانچہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے اسد الغابہ میں بالفاظ ذیل اس کی وضاحت کی ہے:

((وافتتح فى سنة ثلاث واربعين مواضع من بلاد السودان وافتتح ودان وهى من حيز برقة من بلاد افريقية وافتتح عامة بلاد البربر))[4]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۳ھ

[2] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۹۹ ج ۳ تحت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۳ ج ۱ تحت سنہ ۴۷ھ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ

[4] اسد الغابہ (ابن اثیر) ص ۴۲۰ ج ۳ تحت عقبہ بن نافع فہری
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۰ ج ۱ تحت سنہ ۴۳ھ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۱۹-۷۲۰ ج ۱۱ تحت تذکرہ عقبہ بن نافع فہری

قیروان کی آباد کاری میں ایک اہم واقعہ

اسی علاقہ کی فتوحات کے سلسلے میں ایک خاص واقعہ شہر قیروان کی آباد کاری کے موقع پر پیش آیا بیشتر مورخین نے اس واقعہ کو اپنی اپنی عبارات میں مفصلاً ومختصراً ذکر کیا ہے۔

۵۰ھ-۵۱ھ میں صورت حال یہ پیش آئی کہ عقبہ بن نافع رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی (جن میں بقول مورخین اٹھارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے) بلاد افریقہ کے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں گھنے جنگلات تھے اور ان میں بیشتر درندوں اور سانپوں وغیرہ کی جائے رہائش تھی۔ اس خطرناک مقام کو ان حضرات نے آباد کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی صورت یہ اختیار کی کہ عقبہ بن نافع فہری تابعیؒ جو مستجاب الدعوات بزرگ تھے انھوں نے اس مقام پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی شروع کی: یا اللہ! ان حیوانات کو اس مقام سے دور فرما دے اور ہم مسلمانوں کو یہاں آباد ہونے کی توفیق عطا فرما۔ جبکہ عقبہ رحمہ اللہ کے ساتھی آمین کہہ رہے تھے۔

دعا کے بعد عقبہ بن نافع رحمہ اللہ نے اس وادی کے ایک مقام پر کھڑے ہو کر زوردار آواز میں کہنا شروع کیا: اے درندو! اے سانپو! یہاں سے رخصت ہو جاؤ اور نکل جاؤ، ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور خادم ہیں ہم یہاں مقیم ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہم جس کو اس مقام پر پائیں گے اس کو قتل کر دیں گے۔

اس اعلان کے بعد لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا جو قابل دید تھا۔ وہ اس طرح کہ اس گھنے جنگل سے حیوانات اور درندے نکلنے شروع ہو گئے حتیٰ کہ انھوں نے اپنے بچے اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے تھے اور اپنی اولادوں کو ساتھ لیے نکلے جا رہے تھے اور لوگ اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

جب وہ مقام ان درندوں اور وحشی حیوانات اور ایذا دینے والی اشیاء سے خالی ہو گیا تو اس وادی میں عقبہ بن نافع رحمہ اللہ اترے اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان گھنے درختوں کو کاٹ دو اور یہاں شہر کی آبادی قائم کر دو۔ اس آبادی کا نام قیروان مشہور ہوا۔ وہاں کے باشندوں نے بعد میں چالیس برس تک یہاں کوئی بچھو یا کوئی درندہ حیوان نہیں پایا۔

تنبیہ

واقعہ مذکورہ بالا کی سب سے زیادہ تفصیلات ابن عذاری مراکشی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''البیان المُغرِب فی اخبار المَغرِب'' میں تحت سنہ ۵۱ھ ذکر کی ہیں۔ اس کی تمام عبارت نقل کرنے میں بہت تطویل ہے اس بنا پر ہم اس واقعہ کے متعلق البدایہ والنہایہ کی عبارت نقل کرتے ہیں جس میں واقعہ کا اختصار آ گیا ہے:

((وفيها (سنة ٥٠هـ) افتتح عقبة بن نافع الفهري عن امر معاوية بلاد افريقية، واختط القيروان، وكان غيضة تاوى اليها السباع والوحوش و الحيات العظام، فدعا الله تعالىٰ فلم يبق فيها شيء من ذالك حتى ان السباع صارت

تخرج منها تحمل اولادها، والحيات يخرجن من اجحارهن هوارب فاسلم خلق كثير من البربر فبنى فى مكانها القيروان))[1]

قیروان میں مسجد کا تعین

نیز مورخین نے اس مقام پر یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ جب حضرت عقبہ بن نافع رحمہ اللہ نے قیروان کو آباد کرنا چاہا تو وہاں کے لیے ایک مسجد کی ضرورت محسوس کی۔ وہ کون سی جگہ پر ہو، آپ مسجد کے لیے مقام تعین کرنے میں متفکر تھے۔ اسی دوران میں آپ خواب دیکھتے ہیں کہ ایک شخص وہاں ایک مقام پر اذان دے رہا ہے جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو اذان دہندہ کے اس اذان دینے کے مقام کو مئذنہ (اذان کی جگہ) مقرر کیا اور باقی مقام کو مسجد کے لیے مختص کر دیا۔

چنانچہ بلاذری نے اس کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((وحدثنى جماعة من اهل افريقية عن اشياخهم ان عقبة بن نافع الفهرى لما اراد تمصير القيروان فكر فى موضع المسجد منه فرأى فى منامه كان رجلا اذن فى الموضع الذى جعل فيه مئذنته فلما اصبح بنى المنابر فى موقف الرجل ثم بنى المسجد))[2]

معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی کوششیں

قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط نے جہاں بلاد افریقہ کی اور کئی فتوحات ذکر کی ہیں وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مقتدر صحابی معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے افریقہ کے علاقہ میں غزا اور جہاد کیا۔

اسی دوران میں جب وہ مجاہدین کے ہمراہ ایک پہاڑ پر پہنچے تو وہاں انھیں شدید بارش کا سامنا ہوا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ، ص ۲۱۷ ج ۸ تحت عقبہ بن نافع فہری۔
البیان المغرب فی اخبار المغرب (ابن عذاری مراکشی) ص ۱۴-۱۵ ج اتحت سنہ ۵۱ھ
فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۳۶ تحت فتح افریقہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۲۰۷-۲۱۶ ج ۱۱ تحت تذکرہ عقبہ بن نافع فہری
اسد الغابہ (ابن اثیر) ص ۴۲۱ ج ۳ تحت ترجمہ عقبہ بن نافع فہری
کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۱۰۰
تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۵ ج اتحت سنہ ۵۰ھ

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۳۸ تحت فتح افریقیہ

اتنی کثیر ہوئی کہ بعد میں اس پہاڑ کا نام جبل الممطور مشہور ہو گیا۔[۱] افریقی پہاڑی علاقہ میں بارشوں کا یہ سماں اس صحابی معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی کرامت کا ایک منظر تھا۔

اور بلاذری نے اپنی مشہور تصنیف فتوح البلدان میں یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے فرمان سے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے (جو ان کے ایک سپہ سالار تھے) ایک سرسبز و شاداب سمندری جزیرہ صقلیہ کی طرف بھی پیش قدمی کی۔ جزیرہ صقلیہ پر اسلامی لشکر کا حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت یہ پہلا حملہ تھا۔

((قالوا غزا معاوية بن خديج الكندى رضي الله عنه ايام معاويه بن ابى سفيان رضي الله عنهما صقلية وكان اول من غزاها ولم تزل تغزى بعد ذالك)) [۲]

اسی طرح مورخین معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مساعی سے علاقہ جلولا کی فتح کا تذکرہ کرتے ہیں۔

فتح جلولا

جلولا قیروان سے چوبیس میل دور افریقہ کا ایک مشہور شہر ہے یہ علاقہ نہایت سرسبز و شاداب ہے یہاں مختلف انواع و اقسام کے پھل، دریا، چشمے باغات اور خوشبودار درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بلاد افریقہ کی فتوحات کے امیر بعض دفعہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے تو انھوں نے اپنے ایک سپہ سالار عبدالملک بن مروان کو جلولا فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ اسلامی لشکر کی کوشش سے یہ شہر بالآخر فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو کثیر غنائم حاصل ہوئے۔ یاقوت حموی نے اپنی تصنیف معجم البلدان میں لکھا ہے کہ:

((فانصرف عبدالملك بن مروان الى معاوية بن خديج رضي الله عنه بالخبر، فاجلب الناس الغنيمة، فكان نكل رجل من المسلمين مائتا درهم وحظ الفارس اربعمائة درهم)) [۳]

"مطلب یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان فتح کی خوشخبری لے کر معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور حالات بیان کیے۔ اس موقع پر لوگوں نے بہت سے غنائم حاصل کیے چنانچہ ہر ایک مجاہد کو دو سو درہم حاصل ہوا اور گھڑسوار کو چار سو درہم فی کس حصہ میں ملا۔"

واقعہ ہذا کی تصدیق کے لیے قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط کی تاریخ ملاحظہ فرمائیں۔[۴]

---

[۱] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۲ ج ۱ تحت سنہ ۴۵ھ

[۲] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۴۴ تحت فتح جزائر فی البحر۔

[۳] معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۱۵۶ ج ۲ تحت جلولاء

[۴] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۶ ج ۱ تحت سنہ ۵۰ھ فتح جلولاء المغرب

اور علماء نے لکھا ہے کہ بلاد غرب افریقہ وغیرہ میں معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بہت سے غزوات کیے اور کئی بار جہاد کیا اور اسلام کے فروغ کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ ان علاقوں میں معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے کارنامے بڑے مشہور ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ

((وولی الامرۃ علی غزو المغرب مرارا آخرھا سنۃ خمسین))[1]

''مطلب یہ ہے کہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ دیار مغرب میں غزوات کے کئی بار امیر بنائے گئے اور آخری بار ۵۰ھ تک آپ امیر جیش تھے۔''

اس کے بعد آپ مصر کی طرف واپس ہوئے اور مصر میں ہی ۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حسان بن نعمان رحمہ اللہ کی خدمات

دیار مغرب کی فتوحات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل دمشق میں سے ایک بزرگ حسان بن نعمان غسانی رحمہ اللہ کو بھی بعض مواقع پر افریقہ کی طرف جہاد کے لیے بھیجا۔ انھوں نے اس علاقے میں نہایت عمدہ خدمات سرانجام دیں اور آپ کی کوشش سے بربر کے علاقہ میں اہل بربر نے صلح کر لی اور حسان بن نعمان رحمہ اللہ نے ان پر خراج عائد کر دیا۔ اس کے بعد آپ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس علاقہ کا والی مقرر کر دیا گیا اور آپ وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۶۰ھ تک والی اور امیر رہے۔

((وفیھا وجہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ حسان بن النعمان الغسانی الی افریقیۃ۔ فصالحہ من یلیہ من البربر۔ و وضع علیھا الخراج۔ فلم یزل علیھا حتی مات معاویۃ))[2]

((کان غزاء و ولی فتوحا بالمغرب ووفد علی معاویۃ۔ وکانت لہ بدمشق دار))[3]

فتح قرطاجنہ (افریقہ)

بعض مورخین کے بیان کے مطابق ۵۹ھ میں ایک بزرگ دینار ابومہاجر نے دیار مغرب میں غزا اور جہاد کیا۔ جب یہ مجاہدین ساحل افریقہ کے قریب ایک قدیم شہر قرطاجنہ میں پہنچے تو مخالفین اسلام سے سخت

[1] تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۰۴ ج ۱۰ تحت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۱ ج ۸ تحت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۳ ج ۱ تحت سنہ ۵۷ھ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۳۹۵ ج ۴ تحت حسان بن نعمان بحوالہ خیاط
معجم البلدان (حموی) ص ۶۱ ج ۵ قسم ثانی تحت تونس الغرب

[3] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۳۹۵ ج ۴ تحت حسان بن نعمان۔

مقاتلہ ہوا۔ فریقین کے کثیر تعداد میں لوگ مقتول اور مجروح ہوئے۔ قتال کے دوران میں رات کو مسلمان مجاہدین افریقہ کے ایک نہایت عمدہ شہر تونس کی جانب ایک پہاڑ پر اکٹھے ہوئے اور صبح کو پھر مخالفین سے قتال شروع کر دیا۔ اس صورت حال میں فریق مقابل نے اس چیز پر صلح کر لی کہ وہ مسلمانوں کے لیے جزیرہ خالی کر دیں گے۔

اس کے بعد ان مجاہدین اسلام نے افریقہ کی سرحد پر ایک شہر میلہ کو فتح کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بلاد غرب کے ان غزوات کے سلسلے میں مجاہدین نے وہاں قریباً دو سال تک اقامت اختیار کی۔ چنانچہ خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

((وفیها (سنة ۵۹ھ) غزا دینار ابوالمهاجر فنزل علی قرطاجنة۔ فالتقوا فکثر القتل والجراح فی الفریقین وحجز اللیل بینهم وانحاز المسلمون من لیلتهم فنزلوا جبلا فی قبلة تونس ثم عاودوهم القتال۔ فصالحوهم علی ان یخلوا لهم الجزیره۔ وافتتح میلة وکانت اقامته فی هذه الغزاة نحوا من سنتین))[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خراج و جزیہ کی آمدنی کا اجمالی تذکرہ

قواعد اسلامی کی رو سے حکومت کے لیے آمدنی کے بہت سے ذرائع اور وسائل ہوتے ہیں۔ ان میں عشر ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ ہے جو عشری زمینوں سے حسب قواعد شرعی وصول کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خراج بھی ایک کثیر آمد کا ذریعہ ہے اور اس کے متعدد طریقے ہیں۔ ایک تو زمین کی آمدنی سے حاصل کیا جاتا ہے اور دوسرا اہل الذمہ کے افراد سے فی کس کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے۔ اس کو جزیہ کہتے ہیں اور یہ بھی خراج کے صیغہ میں ہی شمار کیا جاتا ہے۔

((والخراج ما یخرج من غلة الارض او الغلام ثم سمی ما یاخذ السلطان خراجا۔ فیقال ادی فلان خراج ارضه وادی اهل الذمة خراج رءوسهم یعنی الجزیة...... الخ))[2]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بے شمار ممالک مفتوح ہو چکے تھے اور ہر ایک ملک کی آمدنی بصورت خراج و جزیہ وغیرہ کثیر مقدار میں اسلامی بیت المال میں جمع ہوتی تھی اس کی تمام تر تفصیلات کا احاطہ ضبط میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم بطور نمونہ بعض ممالک کی آمدنی کے متعلق چند ایک حوالہ جات پیش کیے

---

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۹ھ

۲ المغرب ص ۱۵۳-۱۵۴ تحت الخاء مع الراء (طبع دکن)

جاتے ہیں۔

بیت المال کی اس آمدنی سے تمام ملکی مصارف پورے کیے جاتے، اسلامی حکومت کی معاشی و صنعتی ترقی اسی سے وابستہ تھی اور دین اسلام کے فروغ میں اسے صرف کیا جاتا تھا۔

دمشق

دمشق کے علاقے کی آمد خراج و جزیہ کے متعلق اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ وہ چار لاکھ دینار تھی۔ فوجی اخراجات، حکام کے مشاہرات، مؤذنین، قضاۃ اور فقہاء وغیرہ کے مصارف ادا کرنے کے بعد خالص آمدنی مذکورہ بالا تعداد میں ہوتی تھی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المال کی کثیر آمدنی تھی اور اس میں عظیم برکت پائی جاتی تھی۔

((وذکر ابوبکر احمد بن یحیی بن جابر البلاذری عن المدائنی ان وظیفة دمشق التی وظفها معاویة رضی اللہ عنہ اربع مائة الف دینار۔ وهذا بعد صرف ما لا بد من صرفه فی دیوان الجند والولاة وارزاق الفقهاء والمؤذنین والقضاة۔ وهذا یدل علی کثرة دخلها وعظم البرکة فی مستغلها))[1]

عراق

مورخ بلاذری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عبداللہ بن دراج کو عراق کے خراج کا والی مقرر فرمایا۔ انھوں نے مختلف زمینوں سے خراج حاصل کیا جس کی مقدار پچاس لاکھ درہم تک پہنچی۔

((فلما ولی معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ولی عبداللہ بن دراج مولاہ خراج العراق واستخرج له من الارضین بالبطائح ما بلغت غلته خمسة الاف الف))[2]

مصر

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں متعدد حضرات آں موصوف کی طرف سے مصر میں خراج کے والی رہے ہیں ان میں مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بھی ہیں انھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر کے

---

[1] تاریخ ابن عساکر ص ۲۳۹ ج ۱ (بہ تحقیق صلاح الدین المنجد) تحت باب ما نقل عن اہل المعرفۃ فی ان البرکۃ فیہا مضعفۃ، طبع اول دمشق

[2] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۰۱ تحت امر البطائح

علاقے میں والی بنا کر بھیجا تھا اور یہ وصولی خراج کے ذمہ دار تھے اور نماز کے انتظامات بھی ان کے ہی سپرد تھے۔

((وامره بعد ذالك على مصر وقال ابوعمر الكندى جمع له معاوية رضي الله عنه فى امر مصر بين الخراج والصلاة))[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فتح مصر کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی وہاں کے حاکم اور والی رہے ہیں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دور ولایت میں مصر کے علاقے کے خراج اور زمین کی آمدنی مورخین نے نوے لاکھ دینار ذکر کی ہے۔

((ولما وليها (عمرو بن العاص رضي الله عنه) فى ايام معاويه جباها تسعة الاف الف دينار)) [2]

مقریزی نے اپنی تصنیف الخطط میں ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے باقی مصارف پورے کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فاضل آمدنی چھ لاکھ دینار ارسال کی۔

((بعث الى معاوية رضي الله عنه بستمائة الف دينار فضل)) [3]

شیعی مورخ یعقوبی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں علاقہ مصر سے خراج اور جزیہ کی مقدار پچاس لاکھ دینار ذکر کی ہے۔

((فبلغ خراج الارض فى ايام معاوية مع جزية رءوس الرجال خمسة الاف الف دينار)) [4]

نیز شیعی مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ یعقوبی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مختلف ممالک مفتوحہ سے خراج اور جزیہ کی آمدن کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ ناظرین کرام کو اگر اس سلسلے میں مزید تفصیلات مطلوب ہوں تو تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۳-۲۳۴ ج ۲ طبع بیروت تحت حالات خلافت معاویہ ملاحظہ فرمائیں۔

اختتامی کلمات (برائے فصل دوم)

فتوحات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے یہ چند ایک واقعات اختصاراً ناظرین

---

۱ الاصابہ ص ۴۸۲ ج ۲ تحت ۵۶۰۳، عقبہ بن عامر جہنی مع الاستیعاب

۲ معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۱۴۱ ج ۱۸ تحت ذکر مصر۔

۳ الخطط (مقریزی) ص ۷۹ ج ۱ تحت ذکر ما عملہ المسلمون عند فتح مصر فی الخراج

۴ کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۹۳ طبع عراق۔

کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ اس دور کے تمام غزوات اور سب فتوحات کا تفصیلاً تذکرہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ فتوحات کے مذکورہ بالا بیان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اشاعت اسلام اور فروغ دین کے لیے ان کی مساعی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ان تمام مفتوحہ ممالک اور علاقہ جات میں دینی تعلیم کا انتظام، احکام شرعی کی ترویج، صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے علاوہ عمومی تعلیم کے فروغ کی کوششیں اور پبلک کی معاشی ضروریات کے انتظامات کیے جاتے تھے۔ حالانکہ ان کے عہد میں اسلامی حکومت کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔

کبار مورخین کے قول کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی سلطنت کی حدود سمرقند و بخارا سے لے کر اقصائے مغرب میں قیروان تک اور یمن سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ ملک حجاز، شام، مصر، عراق، الجزیرہ، آرمینیہ، روم، فارس، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ یہ تمام ممالک اور علاقے اسلامی حکومت کے ماتحت تھے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف دول الاسلام میں یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے اور قبل ازیں یہ حوالہ ہم نے مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۴۸ پر ذکر کیا ہے:

((صار ملك الدنيا تحت حكمه من حدود بخارا الى القيروان من المغرب ومن اقصى اليمن الى حدود قسطنطينية واقليم الحجاز واليمن والشام ومصر والمغرب والعراق والجزيرة و آرمينية والروم و فارس والخراسان والجبال وماوراء النهر))[1]

اسی سلسلے میں تاریخ بلدہ دمشق میں ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کے تحت ان کے عہد کی وسعت اور کارگزاری کا ایک اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے:

((ففتح الله به الفتوح ويغزو الروم ويقسم الفيئ والغنيمة ويقيم حدود الله والله لا يضيع اجر من احسن عملا)) [2]

''یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے بے شمار ممالک فتح کیے۔ ملک روم (جو اس دور کا عظیم ملک تھا) ان کے سبب سے مفتوح ہوا۔ (ان ممالک میں حضرت موصوف مال فے اور اموال غنائم کو مستحقین میں تقسیم کرتے تھے اور حدود اللہ کو جاری کرتے تھے۔ اللہ کریم کسی شخص کے نیک عمل کے اجر وثواب کو ضائع نہیں کرتا پس ان کو اپنے ان اعمال کے عوض یقیناً اجر ملے گا۔''

---

[1] کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۸ ج ا تحت سنہ ۶۰ھ طبع دائرۃ المعارف دکن۔

[2] تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) عکسی ص ۷۴ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

مطلب یہ ہے کہ ان تمام ممالک کے علاقہ جات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے دین کو فروغ اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا صحیح نقشہ قائم ہو گیا۔

اسلام کے احیا اور بقا کی ان ہمہ گیر کوششوں کو نظر انداز کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو ایک جابر، ظالم، طماع، متغلب فرماں روا کی شکل میں پیش کرنا نہایت ناانصافی ہے اور گروہی تعصب کا مظاہرہ ہے۔ جبکہ کبار مورخین صاف طور پر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی احکام نافذ تھے اور حدود اللہ کا اجرا کیا جاتا تھا اور مال فے اور غنائم کی تقسیم حسب قواعد شرعی ہوتی تھی۔ ابن عساکر وغیرہ کے بیانات اس بات پر شاہد ہیں جنھیں آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے۔

فصل سوم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عہدہ داروں کا ایک اجمالی خاکہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کثیر ممالک کی فتوحات کے ساتھ ساتھ ان مقامات کے انتظامی امور کا بھی ایک عملی نظم قائم کیا جاتا تھا، جیسا کہ سابق خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ کام جاری رہا ہے۔

① مثلاً ہر ایک علاقے کے لیے والی اور حاکم مقرر کیے جاتے اور فوجی افسر و سپہ سالار ان کے ماتحت ہوتے تھے۔

② محکمہ قضا کا پورا اہتمام تھا عوام و خواص کے تنازعات کے فیصلہ جات کے لیے قاضیوں کا تقرر کیا جاتا تھا۔

③ تعلیم و افتا کا اہتمام، عام اہل اسلام کے لیے معلمین حسب ضرورت متعین کیے جاتے تھے اور مفتیوں اور فقہاء کے لیے الگ منصب تھا۔ ان کے ذریعے سے دینی تعلیم عام کی جاتی تھی۔

④ نیز انشاء اور مراسلہ نگاری کے طریقے رائج کیے گئے اور دیوان خاتم قائم کر کے سرکاری خطوط و مراسلات پر مہر لگانے کا طریقہ رائج کیا گیا۔

⑤ صیغہ فوج، محکمہ پولیس اور حفاظتی دستوں کا ایک الگ نظم قائم کیا گیا۔

⑥ اور ہر سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں انتظامات کے لیے امیر حج کی ضرورت ہوتی تھی آپ امیر حج خود مقرر کرتے تھے۔

فصل ہذا میں ان عنوانات کو بقدر ضرورت بیان کیا جاتا ہے۔

① ولاۃ و حکام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی حکومت کی حدود نہایت وسیع تھیں اور بے شمار ممالک ان کے زیر تحویل تھے اس بنا پر ان کے والی اور حکام کی تعداد بے شمار تھی اور ہر علاقہ کے لیے ایک الگ حاکم کی ضرورت پڑتی تھی پھر اس کے لیے لاتعداد ولاۃ مقرر کیے جاتے تھے۔ اس صورت حال کی بنا پر صحیح طور پر

ولاۃ و حکام کی تعداد تحریر کرنا نہایت مشکل امر ہے تاہم مشاہیر امرا اور معروف حکام کا ذکر کرنا مفید خیال کیا ہے۔ فلہٰذا ان کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملی خدمات اور دینی کارناموں کا ایک نقشہ سامنے آسکے گا:

(۱) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے حاکم تھے۔ جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور بڑے عقلمند اور شجاع تھے۔ اپنی معاملہ فہمی اور دانشمندی کی بنا پر ان کا عرب کے سیاست دانوں میں ایک مقتدر مقام تھا۔ عہد نبوی میں جیوش (لشکروں) کے امیر رہے اور کئی علاقوں کے عامل اور والی بنائے گئے پھر شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں ان کی فتوحات اور کارنامے مسلم ہیں۔

مصر ان کی مساعی جمیلہ سے فتح ہوا۔ فاروقی دور میں امیر مصر رہے اور خلافت عثمانی میں بھی کچھ مدت امیر مصر رہے اور پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مصر کے حاکم بنائے گئے اور ۳۸ھ سے ۴۳ھ تک مصر کے والی رہے۔ صحیح قول کے مطابق ۴۳ھ میں مصر میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہم مشیر اور اعلیٰ درجے کے حاکم تھے۔[۱]

(۲) اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (جو بڑے پایہ کے صحابی ہیں) آں موصوف کی طرف سے کوفہ کے والی بنائے گئے اور پھر اپنے انتقال تک (جو اکثریت کے نزدیک ۵۰ھ میں ہوا تھا) کوفہ کے والی اور حاکم رہے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عمرہ حدیبیہ سے قبل اسلام لائے تھے اور ''بیعت رضوان'' میں شمولیت کی سعادت ان کو نصیب ہوئی۔ جمل و صفین کے معرکوں سے الگ رہے لیکن بعد میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متفقہ خلیفہ تجویز ہوگئے تو ان سے بیعت کر لی اور پھر ان کی طرف سے کوفہ پر والی اور حاکم رہے۔[۲]

(۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں بصرہ کے والی اور قاضی رہے ہیں۔ آپ کی بصرہ کی ولایت کے دوران میں ایک عجیب عدالتی مرحلہ پیش آیا جسے علماء نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عنین (نامرد) کا تنازع پیش ہوا تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس مسئلہ کی حقیقت حال تحریر کر کے طریق فیصلہ طلب کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہ تھے آپ نے عجیب صورت پیش کی۔

۱۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۰۲ ج ۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ

۲۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۳۲ ج ۳ تحت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ بیت المال کی طرف سے لونڈی خرید کر اس شخص کے ساتھ شب باشی کا موقع فراہم کریں۔ اس کے بعد اس لونڈی سے اس شخص کا حال دریافت کریں۔ چنانچہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق عمل کیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے لونڈی سے اس شخص کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا:

((فقالت لم يصنع شيئا۔ فقال خل سبيلها يا محصحص))

"یعنی اس شخص نے میرے ساتھ کچھ معاملہ نہیں کیا۔ اس پر حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ اس زوجہ کو (جس کی طرف سے دعویٰ تھا) چھوڑ دے اور ترک کر دے۔"[1]

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے ولاۃ اور حکام کو جب کوئی مشکل امر یا مسئلہ پیش آتا تھا تو وہ آپ کی طرف رجوع کر کے راہنمائی حاصل کرتے اور اس کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے۔ نیز یہاں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عالی فکری اور دانشمندی کا ثبوت ملتا ہے۔

(۴) عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں اور بہت سی احادیث کے راوی ہیں۔ اپنے دور کے عمدہ قاری اور فقیہ تھے اور قرآن مجید کے جمع کرنے والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بہت سی اسلامی فتوحات خصوصاً فتح دمشق میں شریک و شامل ہوئے اور ۴۷ھ میں بحری غزوات میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی طرف سے مصر کے حاکم اور والی رہے۔ پھر ۵۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[2]

(۵) مالک بن ہبیرہ بن خالد رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ابوسعید ان کی کنیت ہے۔ یہ فتح مصر میں شامل تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حمص کے علاقہ پر ۵۶ھ میں امیر اور حاکم مقرر فرمایا۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کئی اسلامی لشکروں کے امیر رہے ہیں۔

((كان اميرا لمعاوية على الجيوش))[3]

(۶) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاونین میں سے ایک مشہور صحابی حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ ہیں آپ

---

[1] غریب الحدیث (ابن قتیبہ) ص ۳۰۱ ج ۴ تحت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ
الفائق (زمخشری) ص ۱۳۴ ج ۱ تحت محصص، طبع دکن

[2] الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۸۲ ج ۲ تحت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ
اسد الغابہ ص ۴۱۷ ج ۳ تحت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۰۶ ج ۲ تحت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

[3] اسد الغابہ ص ۲۹۶ ج ۴ تحت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۳۷ ج ۳ تحت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ
تجرید اسماء الصحابہ (ذہبی) ص ۵۳ ج ۲ تحت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ

آں موصوف کی طرف سے متعدد مقامات پر والی بنائے جاتے بلاد روم کے غزوات پر ان کو آمادہ کر کے روانہ کیا جاتا تھا پھر اس سلسلے میں ان کو غلبہ حاصل ہوتا اور کارہائے نمایاں سرانجام دیتے۔ آخر عمر میں آپ کو آرمینیہ کا والی اور حاکم مقرر کیا گیا جہاں ان کا ۴۲ھ میں انتقال ہوا۔

((وكان معاوية رضی اللہ عنہ يغزيه الروم فيكون له فيهم نكاية واثر ثم وجهه الى ارمينيه واليا عليها فمات بها سنة اثنين واربعين))[1]

(۷) ایک شخص جناب ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں یہ کئی غزوات میں شامل ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد ولایت میں ان کو الجزیرہ پر عامل اور والی بنایا گیا اور انھوں نے ملک شام میں سکونت اختیار کی۔

((وذكر خليفة ان معاوية رضی اللہ عنہ استعمله على الجزيرء))[2]

(۸) ایک بزرگ شرجیل بن سمط کندی ہیں انھوں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دور پایا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حمص کے علاقے پر متعدد برس والی رہے اور ان کا انتقال بھی حمص میں ہی ہوا۔ اور یہ اسپ سواروں میں سے تھے۔

((امير حمص لمعاوية رضی اللہ عنہ و كان من فرسانه))[3]

(۹) ایک صاحب نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما ہیں ان کا صغار صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ کے والی رہے پھر کچھ مدت کے بعد ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معزول کر دیا۔ یہ ملک شام چلے گئے۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حمص کا والی اور حاکم مقرر فرمایا۔[4]

((لما عزل معاوية رضی اللہ عنہ النعمان بن بشير رضی اللہ عنہما عن الكوفة ولاه حمص))[5]

(۱۰) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ولاۃ اور حکام میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جو بنی عبد شمس میں سے مشہور شخصیت ہیں اور ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے، عام طور پر بصرہ اور اس کے مضافات پر حاکم رہے اور اس علاقہ میں خوارج کی شورشوں اور بغاوتوں کو فرو کرنے میں ان کی مساعی قابل ذکر ہیں۔ مشرقی ممالک

---

۱ طبقات ابن سعد ص ۱۳۰ ج ۷ قسم ثانی تحت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ
اسد الغابہ ص ۳۷۵ ج ۱ تحت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ

۲ الاصابہ مع الاستیعاب ص ۲۰۰ ج ۴ تحت الہا (ابو ہاشم)

۳ الاستیعاب مع الاصابہ ص ۱۴۰ ج ۲ تحت شرجیل بن سمط
الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۴۲ ج ۲ تحت شرجیل بن سمط کندی
تجرید اسماء الصحابہ ص ۲۷۴ ج ۱ تحت شرجیل بن سمط

۴ طبقات ابن سعد ص ۳۵ ج ۶ تحت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

۵ اسد الغابہ ص ۲۳ ج ۵ تحت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

(سجستان، خراسان وغیرہ) میں انھوں نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور وہاں اسلام کے فروغ کے لیے بے شمار کوششیں کیں۔

((وقد فتح الله علی یدی عبدالله فتوحا عظیمه))[1]

(۱۱) عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں بڑی فتوحات کیں۔ خصوصاً سجستان اور خراسان اور کابل وغیرہ علاقوں پر والی اور حاکم رہے۔ پھر انھوں نے بصرہ میں اقامت اختیار کر لی۔ ان کا ایک سکونتی مکان دمشق میں بھی تھا ۵۰ھ میں آپ نے بصرہ میں انتقال فرمایا۔[2]

(۱۲) مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں عام الہجرت میں ان کی ولادت ہوئی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کا سماع ان کے لیے ثابت ہے فتح مصر میں یہ حاضر تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی لشکروں پر امیر تھے۔ ان کا انتقال ۶۲ھ میں ہوا،[3] اور ان کو بعض دفعہ مصر کا والی بنایا گیا۔[4]

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور دیگر اکابر حضرات مختلف علاقوں پر والی، حاکم اور امیر متعین تھے اور ان میں سے متعدد حضرات مختلف مواقع پر امیر جیش اور فوج کے سپہ سالار بھی رہے ہیں۔

تفصیلات سے اجتناب کی خاطر ذیل میں ہم چند ایک حضرات کے صرف اسماء ذکر کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں مثلاً:

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ — مصقلہ بن ہبیرہ رحمہ اللہ

فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ — راشد بن عمرو جدیدی رحمہ اللہ

معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ — عبداللہ بن سوار عبدی رحمہ اللہ

رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ — سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی رحمہ اللہ

یزید بن شجرہ رہاوی رضی اللہ عنہ — منذر بن جارود رحمہ اللہ

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۰۰ ج ۲ تحت ترجمہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ ص ۸۸ ج ۸ تحت ترجمہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۱ ج ۲ تحت ترجمہ عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ ص ۴۷ ج ۸ تحت ۵۰ھ

[3] البدایہ والنہایہ، ص ۲۱۷ ج ۸ تحت سنہ ۶۲ھ
تجرید اسماء الصحابہ ص ۸۳ ج ۲ تحت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ

[4] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۷ جز رابع قسم اول تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

قیس بن الہیثم سلمی ؒ
عبداللہ بن خازم سلمی ؒ
حارث بن عبداللہ ازدی ؒ
حکم بن عمرو غفاری ؓ
ربیع بن زیاد حارثی ؓ
سعید بن عثمان بن عفان ؓ
ضحاک بن قیس ؒ (امیر پولیس)
سعید بن عاص اموی ؓ
عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید ؓ
ابو حکیم مالک بن عبداللہ ؒ
عبداللہ بن مسعدہ فزاری ؓ
سفیان بن عوف ازدی ؒ
عبداللہ بن قیس ؒ
مالک بن عبداللہ بن سنان خثعمی ؒ
عمر بن مرہ مہری ؒ
جنادہ بن ابی امیہ ازدی ؓ
کثیر بن شہاب ؒ
عمر بن سعید ؓ (انصاری)

خالد بن عرفطہ ازدی ؓ
عبداللہ بن عوف بن احمر ؒ
معقل بن قیس ؓ
شبث بن ربعی ؒ
مہلب بن ابی صفرہ ؒ
قتیبہ بن مسلم ؒ
قثم بن عباس ہاشمی ؓ
مجاہد بن جبر ؒ
ایاز بن حارث ؒ
عمرو بن یزید جہنی ؒ
عمیر بن حباب سلمی ؒ
عبیدہ بن قیس عقیلی ؒ
عقبہ بن نافع فہری ؒ
حسان بن نعمان غسانی ؒ
دینار ابومہاجر ؒ
عطیہ بن قیس کلابی ؒ (قاری)
اسماعیل بن عبداللہ ؒ (قاری)

(۲)-(۳) قضاۃ، فقہاء اور معلّمین

حضرت امیر معاویہ ؓ کے عہد خلافت میں جس طرح مختلف علاقوں میں ولاۃ، حکام اور امراء کا تقرر کیا جاتا تھا اسی طرح ان علاقوں میں قاضیوں اور مفتیوں کو بھی متعین کیا جاتا تھا اور یہ سلسلہ بہت وسیع تھا۔ ذیل میں چند ایک قضاۃ فقہاء اور معلّمین کا ذکر اختصاراً بطور تمثیل کیا جاتا ہے تاکہ یہاں سے اس دور کی دینی و ملّی خدمات اور اشاعت اسلام کے لیے مساعی کا اندازہ ہو سکے۔

① مشہور صحابی عبادہ بن صامت بن قیس انصاری ؓ نے ملک شام میں سکونت اختیار کی اور حضرت امیر معاویہ ؓ کے عہد خلافت میں فلسطین کے قاضی تھے۔

((و ولی فلسطین وسکن الشام))[1]

② عمران بن حصین رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قاضی بصرہ تھے۔

③ حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ علاقہ شام میں حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم مقرر تھے پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو قاضی دمشق مقرر فرمایا۔[2]

۴۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ (جو ایک مشہور صحابی ہیں) کو حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ کے بعد قضائے دمشق کا منصب عطا کیا گیا۔

((وولاہ معاویۃ قضاء دمشق بعد ابی درداء رضی اللہ عنہ))[3]

⑤ ((ثم مات فضالۃ فولی ابا ادریس الخولانی...... الخ))[4]

''یعنی فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ کو اس منصب پر متعین فرمایا۔''

⑥ اکابر مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عمیرہ بن یثربی ضبی، عمران بن حصین، عاصم بن فضالہ لیثی، شریح، زرارہ بن اوفی خرشی اور عبدالرحمٰن بن اذینہ اپنے اپنے وقت میں بصرہ کے علاقہ میں قاضی متعین تھے۔[5]

⑫ تا ⑬۔ اور علماء فرماتے ہیں کہ کوفہ کے علاقہ میں مشہور قاضی شریح بن حارث کندی رحمہ اللہ متعین تھے اور نیز مسروق بن اجدع رحمہ اللہ بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ کے قاضی رہے ہیں[6] جبکہ قاضی شریح رحمہ اللہ بصرہ چلے گئے تھے۔

⑭ مدینہ طیبہ میں زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قاضی مقرر تھے جیسا کہ وہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی طرف سے بھی مدینہ کے قاضی اور مفتی مقرر تھے۔[7]

⑮ عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ طیبہ کے قاضی تھے۔[8]

---

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۱۱۸ ج ۲ تحت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

۲ طبقات ابن سعد ص ۱۱۷-۱۱۸ ج ۷ قسم ثانی تحت ابی درداء عویمر بن زید بن قیس رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۶ ج ۳ تحت عویمر ابی درداء رضی اللہ عنہ

۳ اسد الغابہ ص ۱۸۲ ج ۴ تحت فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ

۴ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت فصل کان علی قضاء معاویہ رضی اللہ عنہ الخ

۵ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۷ ج ا تحت القضاۃ فی خلافۃ معاویہ رضی اللہ عنہ

۶ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۷ ج ا تحت القضاۃ فی خلافۃ معاویہ رضی اللہ عنہ

۷ طبقات ابن سعد ص ۱۱۶ ج ۲ قسم ثانی تحت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (طبع لیڈن)

۸ طبقات ابن سعد ص ۱۳ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل (طبع لیڈن)

اسد الغابہ ص ۲۶۹ ج ۳ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب

اور مدینہ طیبہ میں مندرجہ ذیل حضرات بھی اپنے اپنے وقت میں قاضی رہے ہیں۔

⑯ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف

⑰ مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف

⑱ ابن زبعہ عامری وغیرہ

اسی طرح قاضیوں کا یہ سلسلہ بہت پھیلا ہوا تھا اور ہر علاقے اور مقام کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کا احاطہ کرنا دشوار کام ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ:

((وكان لكل ولاية قاض خاص))

شیعہ کی طرف سے تائید

گزشتہ سطور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں بعض قضاۃ اور فقہاء کا اختصاراً ذکر کیا گیا ہے۔ اس دور کے تمام فقہاء کے اسماء شمار کر لینا دشوار امر ہے۔ اب ہم ذیل میں شیعہ احباب کی مشہور تاریخ یعقوبی سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فقہاء کے اسماء نقل کرتے ہیں جو مورخ یعقوبی شیعی نے ذکر کیے ہیں۔ مسئلہ ہذا کی تائید کے طور پر فریق مخالف کی طرف سے یہ بیان نقل کیا جاتا ہے۔[1]

ا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	۲۔ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما
۳۔ مسور بن مخرمہ زہری رحمہ اللہ	۴۔ سائب بن یزید رحمہ اللہ
۵۔ عبدالرحمٰن بن حاطب رحمہ اللہ	۶۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث رحمہ اللہ
۷۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ	۸۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ
۹۔ عطاء بن یسار رحمہ اللہ	۱۰۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ
۱۱۔ عبیدہ بن قیس سلمانی رحمہ اللہ	۱۲۔ ربیع بن خثیم ثوری رحمہ اللہ
۱۳۔ زر بن حبیش رحمہ اللہ	۱۴۔ حارث بن قیس جعفی رحمہ اللہ
۱۵۔ عمرو بن عتبہ بن فرقد رحمہ اللہ	۱۶۔ الاحنف بن قیس رحمہ اللہ
۱۷۔ حارث بن عمیر زبیدی رحمہ اللہ	۱۸۔ سوید بن غفلہ جعفی رحمہ اللہ
۱۹۔ عمرو بن میمون اودی رحمہ اللہ	۲۰۔ عطرف بن عبداللہ بن شخیر رحمہ اللہ
۲۱۔ شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ	۲۲۔ عمرو بن شرحبیل رحمہ اللہ

---

[1] تاریخ یعقوبی ص ۲۴۰-۲۴۱ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی

۲۳۔عبداللہ بن یزید خطمی رحمہ اللہ	۲۴۔حارث الاعور ہمدانی رحمہ اللہ
۲۵۔مسروق بن اجدع رحمہ اللہ	۲۶۔علقمہ بن قیس نخعی رحمہ اللہ
۲۷۔شریح بن حارث کندی رحمہ اللہ	۲۸۔زید بن وہب ہمدانی رحمہ اللہ

اہم تنبیہ

گزشتہ صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے عہدہ داروں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا ہے جو بہت سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بیشتر مشاہیر تابعین پر مشتمل ہے۔ ان تمام حضرات نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عملی تعاون کیا اور امور خلافت کی انجام دہی میں عملاً تائید و تصدیق کی۔ ان اکابرین امت کا یہ عملی تعاون اس بات پر قوی شاہد ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برحق خلیفۃ المسلمین تھے، جائر غاصب اور ظالم حکمران اور متغلب فرمانروا نہیں تھے۔ اور اس عہد میں شرعی قانون نافذ تھا اور اسلامی احکام کی پابندی کی جاتی تھی۔

جن لوگوں نے اس عہد خلافت میں ''احکام شریعت'' کی صریح خلاف ورزی کرنے کا تاثر دیا ہے وہ واقعات کے برخلاف ہے اور بے جا تعصب اور ناانصافی پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکابرین امت کی اس کثیر تعداد کا عملی تعاون فرمان خداوندی وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کی عملی تفسیر ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ کیونکہ یہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین اللہ تعالیٰ کے واضح فرمان وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (یعنی گناہ اور حق سے تجاوز پر باہم تعاون مت کرو) کی خلاف ورزی پر ہرگز متحد نہیں ہو سکتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ اس عہد کے کثیر صحابہ و تابعین کا تعامل و عملی تعاون اس دور کی صداقت و حقانیت پر واضح ثبوت موجود ہے جس کو کوئی منصف طبع آدمی رد نہیں کر سکتا۔

محاسبہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اپنے عمال و حکام کا محاسبہ بھی کیا جاتا تھا تاکہ عدل و انصاف اور عمومی احتساب قائم رہ سکے۔

عام دستور ہے کہ بیدار مغز خلفاء اور حکمران اپنے ماتحت عملہ کی جانچ پڑتال کیا کرتے ہیں، حساب کتاب کے معاملات میں گرفت کی جاتی ہے اور دیگر امور مملکت میں پورا پورا احتساب کیا جاتا ہے۔ جس حکومت میں محاسبہ کا خوف و خطر نہیں اس کا طریقہ کار بمشکل ہی صحیح رہ سکتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے عمال اور حکام کے محاسبہ کا عمل جاری تھا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی یہ نظم جاری رہتا تھا۔ تمثیل کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی

حکومت عادلہ کے عہد کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

ایک واقعہ

مشہور مورخ ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالہ سے ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے جس میں عمال اور حکام سے محاسبہ کا ذکر ہے:

((ان معاوية كان يحاسبهم فقدم عليه ابوراشد الازدى من فلسطين فحاسبه بنفسه فبكى ابوراشد فقال له معاوية رضي الله عنه ما يبكيك؟ فقال ما من المحاسبة ابكى وانما ذكرت حساب يوم القيامة فتركه معاوية رضي الله عنه ولم يحاسبه))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عمال کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ ایک بار فلسطین سے ان کے ایک عامل ابو راشد ازدی رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے بذات خود محاسبہ کرنے لگے۔ اس اثنا میں ابو راشدؓ رونے لگے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ ابو راشد نے جواباً ذکر کیا کہ میں اس محاسبہ کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ مجھے تو قیامت کا حساب و کتاب یاد آ گیا ہے۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں چھوڑ دیا اور محاسبہ نہیں فرمایا۔

④ مراسلات و خطوط و ذرائع خبر رسانی

جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حکومت کی طرف سے احکامات کی ترسیل کا ایک نظم قائم تھا جس کے ذریعے سے بعید ترین مقامات پر بھی پیغامات اور احکامات بروقت پہنچائے جاتے تھے اور ان علاقہ جات کے ضروری احوال و کوائف کی اطلاع مرکز میں جلد پہنچ جاتی تھی، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں البرید کے نام سے مراسلات کی ترسیل کا ایک طریقہ جاری تھا جس میں ڈاک کے ارسال کے لیے قریباً ۱۲ میل کی مسافت پر ایک منزل متعین کر کے وہاں تیز رو اور تازہ دم سواریاں رکھی جاتی تھیں۔ جب ایک منزل پر ڈاک پہنچتی تو فوراً تیز گام سواریوں کے ذریعے سے اسے دوسری منزل کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔ اس طریقہ سے مرکز کے احکامات ان ممالک میں پہنچتے اور وہاں کے حالات کی خبر رسانی یہاں ہوتی تھی۔

((وبذالك كانت تصل الكتب الى الامراء والعمال فى اسرع وقت يمكن وكان بين كل منزلتين اربعة فراسخ او اثنا عشره ميلا وتسمى هذا المسافة

---

[1] الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۰۲ ج ۲ تحت نمبر ۵۱۵۹ عبدالرحمن بن عبید
تاریخ دمشق (ابن عساکر) ص ۴۳ ج ۱۰ تحت عبدالرحمن بن عبید، یا بن عبد ص (مخطوط)

بریدا))[1]

اور ساتھ ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مراسلات پر مہر لگانے کا طریقہ بھی جاری کیا گیا تھا جس کا قبل ازیں رواج نہیں تھا۔

((فاحدث معاویة رضی اللہ عنہ عند ذالك دیوان الخاتم وحزم الكتب وكانت قبل لا تحزم))[2]

نیز تاریخ کے علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مہر کا نقش لا قوة الا بالله تھا، اور مہر لگانے کے دفتر ''دیوان الخاتم'' پر عبداللہ بن عمرو حمیری متعین تھا۔

((عن محمد بن المبارك قال كان نقش خاتم معاویة رضی اللہ عنہ لا قوة الا بالله))[3]

علمائے تاریخ نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے منشی (کاتب الرسائل) عبیداللہ بن اوس غسانی تھے اور ان کے دیوان پر نگران اعلیٰ سرجون بن منصور رومی تھا۔[4]

تنبیہ

یہاں یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ سرکاری مراسلات اور شاہی فرامین پر مہر لگانے کی ضرورت اس طرح پیش آئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک شخص کے حق میں ایک لاکھ درہم یا دینار دینے کا حکم تحریر کیا۔ اس شخص نے اس تحریر میں تصرف کر کے دو لاکھ سرکاری دفتر سے وصول کیے۔ جب یہ حساب کا مسئلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آں موصوف نے گرفت کی اور محاسبہ کیا تو معلوم ہوا کہ اصل حکم نامہ میں تصرف کیے جانے سے یہ دو لاکھ ادا ہو گئے۔ اس کے بعد سرکاری تحریر پر مہر لگا کر بند کرنے کا حکم جاری کیا گیا تا کہ اصل حکم میں کوئی تصرف نہ ہو سکے۔

((وسبب اتخاذه له انه امر لرجل بمائة الف ففك الكتاب وجعله مائتی الف فلما رفع الحساب الی معاویه رضی اللہ عنہ انكر ذالك واتخذ دیوان الخاتم من یومئذ))[5]

اور شیعہ مورخین نے بھی لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مختلف شعبوں کے لیے

---

[1] محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۸۴ ج ۲ تحت البیعۃ لیزید لولایۃ العہد
[2] محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۸۵ ج ۲ تحت البیعۃ لیزید لولایۃ العہد
[3] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۱۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
[4] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ۱ تحت القضاۃ فی خلافۃ معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ، ص ۱۴۶ ج ۸ تحت فصل کان علیٰ قضاء معاویہ ابو درداء
[5] تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۱۴۰ فصل فی نبذ من اخبارہ۔ تاریخ فخری شیعی میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔

الگ الگ دفاتر قائم تھے اور سرکاری خطوط اور شاہی فرامین کی نقول رکھنے کا بھی معقول نظم قائم تھا۔

چنانچہ تاریخ یعقوبی شیعی میں مذکور ہے کہ

((وکان اول من دون الدواوین وضع النسخ للکتب و افرد کتاب الرسائل من العرب والموالی المتفصحین))[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراسلت

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکتوب ارسال کرتے اور وقتی ضروریات کے تحت ان کی باہم مراسلت ہوتی تھی۔

اس مقام پر چند ایک مکتوب بطور مثال ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے اس دور کی مراسلہ نویسی کا طریقہ اور اسلوب تحریر معلوم ہوسکتا ہے اور ان حضرات کا باہمی ربط اور تعاون بھی واضح ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مراسلہ

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک مکتوب جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف انھوں نے لکھا تھا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تعلقات جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے وہ ایک الگ عنوان کے تحت ذکر ہوں گے وہاں مزید مراسلت بھی بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔ یہاں صرف ایک مکتوب پیش خدمت ہے:

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عرضداشت ارسال کی کہ آں موصوفہ میری طرف ایسا مختصر مکتوب ارسال فرمائیں جو میرے حق میں وصیت کا کام دے۔

پھر راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب ایک مراسلہ بالفاظ ذیل ارسال فرمایا:

((سلام علیك اما بعد فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول من التمس رضا الله بسخط الناس کفاه الله مونة الناس ومن التمس رضا الناس بسخط الله وکله الله الی الناس والسلام علیك))[2]

---

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۴ ج ۲ تحت احوال زیاد بن ابیہ

[2] ترمذی شریف ص ۳۴۸ تحت ابواب الزہد آخر باب ہذا، طبع ہند
مصابیح السنہ (امام بغوی) ص ۲۰۶-۲۰۷ ج ۳ کتاب الآداب باب العلم
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۱ ج ۱۴ کتاب الزہد، طبع کراچی
مسند اسحاق بن راہویہ ص ۶۰۰ ج ۲ تحت مسندات عائشہ رضی اللہ عنہا روایت نمبر ۶۳۲ طبع مدینہ منورہ

''یعنی سلام ہو آپ پر، اما بعد! تحقیق میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آنجناب فرماتے تھے: جس شخص نے لوگوں کی ناراضی کے باوجود اللہ کی رضا کو طلب کیا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے بوجھ سے اس کے حق میں کفایت کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے باوجود لوگوں کی رضا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور آپ پر سلام ہو!''

مطلب یہ ہے کہ ہر کار خیر میں مسلمان کا مقصد زندگی اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہونی چاہیے۔ اس معاملہ میں لوگوں کی ناراضی کو خاطر میں نہ لانا چاہیے......الخ

اس مراسلہ میں کمال نصیحت فرمائی گئی ہے اور راست گوئی کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ اور خط ہذا کا ذکر فصل دہم میں بھی آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک مکتوب

نیز اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی ضرورت کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک خط لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ جب آپ لکھنے لگے تو آپ نے تحریر کرنے والے سے فرمایا کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے تحریر کی ابتدا کیجیے۔

((عن ابن عون عن نافع قال كانت لابن عمر رضي الله عنه حاجة الى معاوية رضي الله عنه فاراد ان يكتب اليه فقالوا ابدأ به۔ فلم يزالوا به حتى كتب بسم الله الرحمن الرحيم الى معاوية رضي الله عنه))[1]

خارجہ بن زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک مراسلہ

مشہور صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فرزند خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میرے والد گرامی زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دفعہ بایں طور مکتوب ارسال کیا۔

((عن خارجة بن زيد عن كبرا آل زيد بن ثابت كتب بهذه الرسالة بسم الله الرحمن الرحيم لعبد الله معاوية امير المؤمنين من زيد بن ثابت: سلام عليك امير المؤمنين ورحمة الله فانى احمد اليك الله الذى لا اله الا هو اما بعد:))[2]

---

[1] الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۴ تحت باب بمن یبداء فی الکتاب

[2] الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۳ تحت باب صدر الرسائل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، طبع مصر
الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۴ تحت باب بمن لیبداء فی الکتاب
انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''ادب المفرد'' میں مذکورہ بالا خط کو بعض مقام پر ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ اس مراسلہ کے الفاظ بعینہٖ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں تا کہ اس سے متعدد فوائد حاصل کیے جا سکیں:

((اخبرنا ابن ابی الزناد قال حدثنی ابی انه اخذ هذه الرسالة من خارجة بن زيد من كبراء ال زيد بسم الله الرحمن الرحيم لعبد الله معاوية امير المؤمنين من زيد بن ثابت سلام عليك امير المومنين ورحمة الله فانی احمد اليك الله الذی لا اله الا هو اما بعد: فانك تسألنی عن ميراث الجد والاخوة فذكر الرسالة ونسئل الله الهدى والحفظ والتثبت فی امرنا كله ونعوذ بالله ان نضل او نجهل او نكلف ما ليس لنا بعلم والسلام عليك امير المؤمنين و رحمة الله و بركاته ومغفرته وكتب وهيب يوم الخميس لثنتی عشرة بقيت من رمضان سنة اثنين واربعين ۴۲ھـ))[1]

''یعنی خارجہ بن زیدؒ ذکر کرتے ہیں کہ ان کے والد گرامی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ عبارت ذیل مراسلہ تحریر کیا: اے امیر المومنین (معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما) آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ میں اللہ وحدہٗ لاشریک کی حمد ذکر کرتا ہوں۔ اما بعد! آپ نے مجھ سے الجد والاخوہ کی میراث کے متعلق مسئلہ دریافت کیا ہے (حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خط میں مسئلہ کی وضاحت ذکر کی) بعدہ لکھا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور حفظ طلب کرتے ہیں اور اپنے دین کے معاملے میں ثابت قدمی کے خواستگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں بھٹک جانے، جہالت میں پڑنے یا اس بات کی تکلیف دیے جانے سے جس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اے امیر المومنین! آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، اس کی برکات ہوں اور مغفرت ہو۔ اس خط کو وہیب نے خمیس کے روز جبکہ رمضان شریف میں بارہ دن باقی تھے ۴۲ھ میں تحریر کیا۔''

فوائد

① یہاں سے معلوم ہوا کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرورت کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مکتوب ارسال کرتے تھے اور ان کی باہم مراسلت جاری رہتی تھی۔

② نیز معلوم ہوا کہ اسلوب تحریر اس مبارک عہد میں اس طرح تھا کہ مکتوب ارسال کرنے والے کا نام پہلے

[1] الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۵ تحت باب من کتب آخر الکتاب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وکتب فلاں بن فلاں لعشر بقین من الشہر طبع مصر

ذکر کیا جاتا تھا اور مکتوب الیہ کا نام متصلاً بعد میں لکھا جاتا تھا۔

③ مکتوب کی ابتدا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے الفاظ سے کی جاتی تھی اور پھر مکتوب الیہ پر سلام اور اللہ کی رحمت بھیجی جاتی تھی پھر اس کے بعد خط کا اصل مضمون درج کیا جاتا تھا۔

④ نصائح، ہدایات اور دعائیہ کلمات آخر مکتوب میں درج کیے جاتے تھے، مراسلہ کا اختتام ''والسلام'' کے لفظ پر ہوتا تھا۔

⑤ قابل توجہ یہاں یہ چیز بھی ہے کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے فرمانروا جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کے موقع پر ''امیر المومنین'' کے لقب سے ہی یاد کرتے تھے۔ جیسا کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو اس دور کے اہل اسلام ''امیر المومنین'' کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تعامل سے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ''امیر المومنین'' کے لقب کے صحیح ہونے کی تائید و تصدیق پائی جاتی ہے۔

⑤ صیغہ فوج و محکمہ پولیس

فوجی ضرورت کے لیے مراکز

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی افواج کے لیے مختلف ممالک میں مراکز قائم کیے گئے تھے اور فوج کے لیے قلعے اور چھاؤنیاں قائم کر دی گئی تھیں۔

ساحل شام پر ایک قلعہ ''جبلہ'' تھا۔ یہ قلعہ پہلے افواج روم کا مرکز تھا، بعد میں برباد ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب ان مقامات کو فتح کیا تو اس مقام جبلہ پر قلعے کو نئے سرے سے آباد کیا اور اسے فوجی مرکز قرار دیا۔[1]

اسی طرح جب اہل اسلام نے انطرطوس کا مقام فتح کیا (یہ ایک مستقل قلعہ تھا) تو اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آباد کیا اور ایک شہر کی شکل میں بسایا۔ اسی کے ساتھ مرقیہ اور بلنیاس کے مقامات کو بھی آباد کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بعض علاقوں میں فوجی ضروریات کے تحت مستقل شہر بھی آباد کیے اور ان کو چھاؤنی کی حیثیت دی مثلاً مرعش اور قیروان کی آباد کاری اسی مقصد کے تحت کی گئی تھی۔ اور آباد کاری کے تذکرہ میں بھی ان مندرجہ مقامات کو اپنی جگہ ذکر کیا جاتا ہے۔

محکمہ پولیس

حکومت کے انتظامات اور امن عام کے لیے اندرون ملک شرطہ (پولیس) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس صیغہ کے لیے پورے انتظامات کیے اور اس محکمے کا افسر اعلیٰ آپ کا

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۰ تحت امر حمص

غلام یزید بن حر تھا۔ پھر اس کی وفات کے بعد قیس بن حمزہ ہمدانی کو متعین کیا گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد اس کو معزول کر کے ذہل بن عمرو عذری کو حاکم مقرر کیا۔

((وعلی شرطه: یزید بن الحرمولاه، فمات یزید فولی قیس بن حمزة الهمدانی، ثم عزله وولی ذهل بن عمرو العذری))[1]

حفاظتی دستہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر رمضان شریف ۴۰ھ میں خوارج کی طرف سے قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ (اس حملے کا قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے)[2] اس کے بعد آنجناب نے حفاظتی دستے کا انتظام کیا۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ موالی میں سے ایک شخص کو آنجناب نے حفاظتی دستے کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا۔ اس کا نام مختار اور بقول بعض مالک تھا اور اس کی کنیت ابو مخارق تھی۔ یہ شخص حمیر قبیلہ کے غلاموں میں سے تھا۔

((وکان علی حرسه رجل من الموالی یقال له المختار وقیل مالك ویکنی ابا المخارق۔ و مولی الحمیر وکان معاویة رضی اللہ عنہ اول من اتخذ الحرس)) [3]

حاجب

نیز مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دفتری نظم قائم رکھنے کے لیے حاجب (دربان) کا بھی انتظام کر رکھا تھا اور حاجب کے عہدے پر اپنے ایک غلام ابو ایوب کو متعین فرمایا تھا۔ بعض کے نزدیک اس حاجب کا نام سعد تھا۔

((وحاجبه ابو ایوب مولاه)) [4]

((وعلی حجابته سعد مولاه)) [5]

⑥ امیران حج

گزشتہ صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے والی، قاضی، فقہاء اور دیگر عہدہ داروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب اس دور کے امیران حج کا بھی اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ۱ تحت القضاۃ فی خلافۃ معاویہ رضی اللہ عنہ سنہ ۵۹ھ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۵ ج ۸ تحت فصل کان علی قضاء معاویہ ابو درداء ...... الخ

[2] یعنی دور سوم تحت عنوان اجتماعی قتل کا اہم منصوبہ ...... الخ

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۵ ج ۸ تحت فصل کان علی قضاء معاویہ ابو درداء ...... الخ

[4] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ۱ تحت من کان علی الرسائل والدیوان

[5] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۵ ج ۸ تحت فصل کان علی قضاء معاویہ ...... الخ

قدیم مورخین نے ذکر کیا ہے کہ ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے بھائی عتبہ بن ابی سفیان امیر حج تھے اسی طرح ۴۲ھ، ۴۶ھ، ۴۷ھ میں بھی یہی امیر حج متعین کیے گئے اور انھوں نے مکہ شریف میں حج کے جملہ انتظامات کیے۔[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۴ھ، ۵۰ھ اور ۵۱ھ میں خود امیر حج رہے اور تمام انتظامات آپ نے خود مکہ مکرمہ پہنچ کر سرانجام دیے تھے۔

۴۸ھ، ۴۹ھ، ۵۲ھ، ۵۳ھ میں سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر حج مقرر ہوئے اور انھوں نے حج کے متعلقہ انتظامات کی تکمیل کی۔

اسی طرح باقی برسوں میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حج کے لیے امیر مقرر کیے جاتے تھے۔

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ج ۱ تحت سنہ ۴۱، ۴۲، ۴۶، ۴۷ھ
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت عنوان وفات حسن بن علی رضی اللہ عنہ (بعد تذکرہ وفات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ج ۱ تحت سنہ ۴۴، ۵۰، ۵۱ھ
تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۹ ج ۲
تاریخ ابن عساکر ص ۳۴۷ ج ۱۶ ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

فصل چہارم

رفاہی امور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے عہد خلافت میں رفاہی امور پر خاص توجہ تھی چنانچہ آپ کے عہد میں مفاد عامہ کے لیے بے شمار رفاہی کام سرانجام دیے گئے۔ اس سلسلے میں اس عہد کے کارنامے لاتعداد ہیں جن کی تفصیلات کو احاطہ ضبط میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم چند ایک رفاہی امور اور مفاد عامہ کی چیزیں بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملی خدمات کی بہترین تصویر سامنے آتی ہے۔

آبادکاری

آں موصوف کے عہد خلافت میں شہروں کی آبادکاری کا ایک مستقل انتظام تھا اور اس سلسلے میں متعدد علاقوں میں جدید آبادکاری کی گئی اور شہر آباد کیے گئے اور پھر ساتھ ہی بہت سے مواضعات میں صنعت کار بسائے گئے اور صنعت کاری کو ترقی دی گئی چنانچہ بلاذری نے فتوح البلدان میں ذکر کیا ہے کہ:

① پہلے جہاز سازی کا صرف ایک کارخانہ مصر میں تھا پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سواحل روم میں کارخانے قائم کرنے کا حکم دیا اور صنعت کاروں اور کاریگروں کو جمع کیا اور انھوں نے اردن میں ساحلی علاقے عکا کے مقام پر جہاز سازی کا ایک کارخانہ قائم کیا۔

((وکانت الصناعة بمصر فقط فامر معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بجمع الصناع والنجارين فجمعوا و رتبهم فی السواحل وكانت الصناعة فی الاردن بعكا))[1]

② اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ شام اور بلاد روم کے مابین مرعش ایک پرانا مشہور سرحدی شہر تھا یہ اس دور میں غیر آباد ہو گیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو پھر سے آباد کیا اور اسلامی افواج کا مستقر بنایا اور وہاں فوجی چھاؤنی قائم کر دی۔

((وكان معاوية رضی اللہ عنہ بنى مدينة مرعش و اسكنها جندا))[2]

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص۱۲۴ تحت امر اردن

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص۱۹۶ تحت ملطیہ

③ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں نے جب مقام انطرطوس فتح کیا تو وہاں اہل روم کا ایک قلعہ تھا وہ لوگ قلعہ کو چھوڑ کر چلے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انطرطوس کے مقام کو پھر سے بسایا اوراس کی آبادکاری کے لیے جاگیریں مقرر فرمائیں نیز مرقیہ اور بلنیاس کے مقامات کی آبادکاری کے لیے بھی اس نوع کے انتظامات کیے۔

((قالوا فتح عبادة (بن الصامت رضي الله عنه) والمسلمون معه انطرطوس وكان حصنا ثم جلاعنه اهله فبنى معاوية رضي الله عنه انطرطوس ومصرها واقطع بها القطائع وكذالك فعل بمرقية وبلنياس))[1]

④ اسلامی افواج نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زیرکمان بلاد روم کے مختلف علاقے الاذقیہ، جبلہ اور انطرطوس وغیرہ فتح کیے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سواحل کو مضبوط کرنے کا کام مکمل کیا (تاکہ اہل اسلام دشمن کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں) تو مذکورہ مقامات کو بھی محفوظ اور مضبوط کرنے کا انتظام فرمایا۔

((قالوا افتتح ابوعبيدة رضي الله عنه الاذقيه وجبلة و انطرطوس على يدى عبادة بن الصامت رضي الله عنه وكان يوكل بها حفظه الى انغلاق البحر فلما كانت شحنه معاوية رضي الله عنه السواحل وتحصينه اياها شحنها وحصنها وامضى امرها عليه امر السواحل))[2]

⑤ آبادکاری کے سلسلے میں جہاں دیگر مقامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں شیعہ مورخین کے بیان کے مطابق یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ طرابلس کا شہر اوراس کے ساکنین فارس کے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو یہاں منتقل کرکے آباد کیا تھا۔ یہاں ایک نہایت عمدہ بندرگاہ تھی جہاں ایک ہزار کشتیاں ہروقت موجود رہتی تھیں۔ جبل، صیدا اور بیروت اس علاقے کے وہ مشہور مقامات ہیں جن میں ایسی اقوام کو سکونت دی گئی تھی جو اہل فارس سے تھیں اوران کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں منتقل کرکے آباد کیا تھا۔

چنانچہ یعقوبی شیعی نے لکھا ہے

((ومدينة طرابلس و اهلها قوم من الفرس كان معاوية بن ابى سفيان نقلهم اليها ولهم ميناء عجيب يحتمل الف مركب۔ وجبيل وصيداء و بيروت و

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۰ تحت امر حمص
معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۲۷۰ ج ۳ تحت انطرطوس۔

[2] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۰ تحت امر حمص

اهل هذه الكود كلها قوم من الفرس نقلهم اليها معاوية بن ابى سفيان))[1]

⑥ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں افریقہ کے مشہور شہر قیروان کی آبادکاری کی گئی پھر وہاں عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ کے ذریعے سے عظیم مسجد تعمیر کرائی گئی۔ اس چیز کا قبل ازیں بلاد افریقہ کی فتوحات میں ذکر آچکا ہے۔

⑦ اور اس طرح جو ممالک فتح ہوتے تھے ان میں مساجد تعمیر کرا کر ان کو آباد رکھنا اس عہد کا ایک مستقل پروگرام تھا جس کے تحت مفتوحہ ممالک میں مساجد آباد کی جاتیں پھر ان میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا نظم بھی قائم کیا جاتا تھا۔

مقصد یہ ہے کہ آبادکاری کے عنوان کے ضمن میں بہت سے شعبہ جات ہیں جن کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بڑے سلیقہ اور نظم سے قائم کیا گیا اور چلایا گیا۔

عنوان ہذا کے تحت ہم نے چند ایک چیزیں مختصراً درج کر دی ہیں۔ تمام واقعات کا استقصاء کر لینا پیش نظر نہیں۔ یہاں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا رفاہی امور اور مفاد عامہ کے کارناموں کی طرف خصوصی توجہ رکھنے کا اندازہ ہوتا ہے۔

نہروں اور چشموں کا اجرا اور پانی کے تالاب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نہروں کے اجرا پر خاص توجہ دی گئی اور عام پبلک کے افادہ کے لیے آب پاشی کے انتظامات کیے گئے۔

① چنانچہ عراق کے علاقہ میں ایک نہر جاری کروائی گئی جو عوام الناس میں نہر معقل کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو نہر کے اجرا کا حکم دیا اور بقول بعض زیاد نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے یہ کام سرانجام دیا۔ جب نہر کی کھدائی کا کام مکمل ہو گیا تو اس میں پانی کے اجرا کے لیے زیاد نے بطور تبرک حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو طلب کیا تاکہ وہ اس نہر کا افتتاح کریں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ہیں۔ جب اس نہر کا ان کے مبارک ہاتھوں کے افتتاح ہوا تو لوگوں نے اس نہر کو نہر معقل کے نام سے موسوم کر دیا۔

((كلم المنذر ابن الجارود العبدى معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما فى حفر نهر ثار فكتب الى زياد فحفر نهر معقل فقال قوم جرى على يد معقل بن يسار فنسب اليه۔ وقال آخرون بل اجراه زياد على يد عبدالرحمن بن ابى بكرة او غيره فلما فرغ منه و ارادوا فتحه بعث زياد معقل بن يسار رضی اللہ عنہ ففتحه تبركا

[1] کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۸۳ طبع بیروت

به لانه من اصحاب رسول الله ﷺ فقال الناس نهر معقل))[1]

(۴) اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ کے علاقہ میں اس دور کی ضرورت کے تحت ایک نہر جاری کی گئی تھی اس کو "قناۃ معاویہ" وغیرہ اسماء سے بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ جب اس نہر کا گزر شہدائے احد کے مزارات کے قریب سے ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارکنوں کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جن لوگوں کے اقربا یہاں مدفون ہیں وہ انھیں یہاں سے دوسرے مقام پر منتقل کر لیں۔

چنانچہ اس اعلان کے پیش نظر لوگوں نے اپنے اقربا کے مزارات کو کھولا تو چالیس برس کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ان شہدا کے جسم بالکل اسی طرح تروتازہ تھے گویا ان کو کل ہی دفن کیا گیا ہو۔ اور حضرت امیر حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک سے کسی چیز کے ٹکرانے کی بنا پر خون ظاہر ہوا۔

واقعہ ہذا کو متعدد محدثین اور مورخین ابن شبہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ذیل میں ہم صرف چند ایک حوالہ جات درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

((حدثنا هشام الدستوائی عن ابی الزبیر عن جابر رضی الله عنه قال: صرخ الی قتلانا یوم احدا اذا اجری معاویة العین فاستخرجناهم بعد اربعین سنه لینه اجسادهم تتثنی اطرافهم))[2]

((عن جابر بن عبدالله رضی الله عنهما قال: لما اجری معاویة رضی الله عنه العین عند قتلی احد بعد اربعین سنة استصرخناهم الیهم فاتیناهم فاخرجناهم فاصابت المسحاة قدم حمزة رضی الله عنه فانبعث دما۔ وفی روایه ابن اسحاق عن جابر رضی الله عنه قال فاخرجناهم کانما دفنوا بالامس))[3]

۱۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۶۶ تحت تمصیر البصرہ

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶ ج ۱۴ کتاب المغازی طبع کراچی
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ ج ۱۴ کتاب المغازی طبع کراچی
مصنف عبدالرزاق ص ۵۴۷ ج ۳ روایت نمبر ۶۶۵۶
کتاب التمہید (ابن عبدالبر) ص ۱۴۲ ج ۱۳ تحت حدیث ثالث لابی الرجال۔

۳۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۳ ج ۴ تحت ذکر الصلوۃ علیٰ حمزۃ رضی اللہ عنہ وقتلی احد
المبسوط (شمس الائمہ سرخسی) ص ۴۹ ج ۲ باب غسل المیت، طبع اول مصر
دلائل النبوۃ (بیہقی) ص ۲۹۱ ج ۳ طبع بیروت
دلائل النبوۃ (ابو نعیم اصفہانی) ص ۴۹۹ ج ۲ تحت ذکر ما یدل علیٰ حیاۃ الشہداء طبع جدید
کتاب المناسک واماکن طرق الحج ص ۴۲۲ تحت قناۃ معاویہ الخ، تحقیق احمد الجاسر

فائدہ

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عوام الناس کی سہولت اور زمین کی آب پاشی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے مدینہ طیبہ کے علاقے میں ایک نہر کا اجرا کرایا۔

② اور اس واقعہ سے یہ چیز بھی ثابت ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض دفعہ وفات کے بعد بھی کرامات کا ظہور و صدور ہوا ہے۔ اللہ کریم نے مدفون ہونے کے بعد اتنی مدت تک ان حضرات کے اجسام مبارکہ کو تروتازہ رکھا حتیٰ کہ بعض حضرات کے اجساد سے خون کا جاری ہونا بھی پایا گیا۔ یہ چیز ان کے حق میں عند اللہ زندہ رہنے اور مغفور و مقبول ہونے کا ثبوت ہے۔ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ...... الآیہ

③ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں عوام الناس کے فائدے اور ان کے چوپایوں کی سہولت کے لیے ایک بند بنوایا۔ اس میں بارش کا کثیر پانی جمع کیا جاتا تھا۔ مدینہ طیبہ سے قریباً بیس میل پر ایک نشیب میں یہ تالاب تیار کیا گیا۔

((فمن ذالك الى سد معاويه عشرون ميلا و يسد معاوية ماء كثير في شعب))[1]

((ثم تقع في جبال سود وهي التي يقال لها حرة المدينة۔ وبها واد قد كان معاويه بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما حبس سيله بسد فهو يحتبس فيه ماء۔ يرده الناس بمواشيهم يسقونها هو يسمى سد معاوية))[2]

آثار حرم کا تحفظ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملی خدمات کے سلسلے میں یہ چیز خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آں موصوف نے ''حرمین شریفین'' کے آثار کو محفوظ کرانے کے لیے خاص توجہ دی اور مفاد عامہ کی خاطر متعدد مقامات کو تحفظ دیا اور ان کو آباد کرایا۔

① مکہ مکرمہ کی حویلیوں کے لیے قبل ازیں کوئی خاص حفاظتی دروازے نہیں لگے ہوئے تھے اور غیر مقامی لوگ مثلاً اہل عراق اور اہل مصر وغیرہ اپنی اپنی جوانب و اطراف سے پہنچتے اور مکہ مکرمہ کی حویلیوں میں داخل ہو کر سکونت اختیار کرتے۔ اس سلسلہ میں بندش کے طور پر دروازے لگوانے کی ضرورت تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان مقامات پر دروازے لگوانے کا انتظام کیا۔ یہ دروازے اب حفاظتی رکاوٹ کا کام دیتے تھے۔

چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں منقول ہے کہ:

---

1. کتاب مناسک الحج واماکن طرق الحج ص ۳۳۰ تحت طرق الربذۃ الی المدینہ
2. بلاد العرب (حسن بن عبداللہ اصفہانی) ص ۴۰۱ تحت مواضع بقرب المدینہ

((لقد استخلف معاویة رضی اللہ عنہ و ما لدار بمکة باب))[1]

ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ:

((قال لم یکن لدور ابواب کان اھل العراق واھل مصر یاتون بقطرانھم فیدخلون دور مکة فیربطون بھا و اول من بوب معاویة))[2]

اور البدایہ میں مذکور ہے کہ

((قال ابوجعفر الباقر کانت ابواب مکه لا اغلاق لھا و اول من اتخذ لھا الابواب معاویة رضی اللہ عنہ))[3]

(۲) مکہ مکرمہ میں جو حرم شریف کے معالم (نشانات) تھے وہ مرور زمانہ سے بوسیدہ ہو کر معدوم ہونے لگے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کی تجدید کا انتظام فرمایا۔ چنانچہ آں موصوف نے مدینہ طیبہ کے امیر مروان بن حکم کو فرمان ارسال کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کرز بن علقمہ خزاعی رضی اللہ عنہ اگر زندہ ہوں تو ان کو تکلیف دی جائے کہ وہ آثار حرم کی پھر سے پوری طرح نشان دہی کریں کیونکہ وہ ان آثار سے خوب واقف ہیں اور پھر ان کے مطابق ان آثار کی تجدید وتحدید کی جائے چنانچہ حضرت کرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ کی نشان دہی پر ان آثار کو صحیح کر کے مکمل کیا گیا تاکہ اہل اسلام ان سے برکت اندوز ہوتے رہیں۔

((عن ابی صالح عن عکرمة قال درس شیٔ من معالم الحرم علی عھد معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فکتب الی مروان بن الحکم وھو عامله علی المدینة یأمره ان کان کرز بن علقمة الخزاعی رضی اللہ عنہ حیا ان یکلفه اقامة معالم الحرم لمعرفته بھا وکان معمرا۔ فاقامھا علیه فھی مواضع الانصاب الیوم))[4]

واقعہ ہذا قبل ازیں ہماری تصنیف ''مسئلہ اقربانوازی'' ص ۱۴۸-۱۴۹ میں ذکر ہو چکا ہے یہاں بعض حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۷ ج ۵ تحت باب الکراء فی الحرم

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی عکسی) ص ۷۴۴ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

[4] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۶۱ تحت السیول بمکہ
تاریخ طبری ص ۳۵، ۳۶ ج ۱۳ تحت ذکر من مات او قتل سنہ ۸۰ھ
طبقات ابن سعد ص ۳۳۸ ج ۵ تحت کرز بن علقمہ الخزاعی رضی اللہ عنہ طبع لیڈن
الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۵۷ ج ۳ نمبر ۷۳۹۹ تحت کرز بن علقمہ بن ہلال رضی اللہ عنہ
جمہرۃ الانساب (ابن حزم) ص ۲۳۶ تحت وھولاء بنی حلیل۔

③ دار خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حفاظت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہترین کارناموں میں یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ مکہ مکرمہ میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ایک مسکن تھا جس کو دار خزیمہ کہا جاتا تھا۔ وہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا متبرک سکونتی مکان تھا جس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اقامت پذیر رہے اور اسی مکان میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد شریف جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی یہاں متولد ہوئی اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مکان سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد جناب عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس مکان کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس مقدس مقام کو خرید کر ایک مسجد تعمیر کروا دی تھی جس میں اہل اسلام نمازیں ادا کرتے تھے اور اس کو بعد میں مولد فاطمۃ الزہرا کے نام سے کیا جاتا تھا اور وہ مکہ مکرمہ کے مواضعات میں سے مسجد الحرام کے بعد افضل ترین مقام ہے۔

((وفی کتاب الغزی توفیت خدیجة رضی الله عنها فی دارها التی تسمی دار خزیمة وکانت مسکن رسول الله صلی الله علیه وسلم وفیها ولدت خدیجة اولادها من رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم یزل النبی صلی الله علیه وسلم مقیما فیها حتی هاجر فاخذها عقیل رضی الله عنه ثم اشتراها معاویة وهو خلیفة فجعلها مسجدا یصلی فیه ویعرف الیوم بمولد فاطمة وهو افضل موضع بمکة بعد مسجد الحرام))[1]

④ اہل تاریخ بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں قدیم ایام میں قریش کے لیے ایک دار الندوہ تھا اس میں جنگی معاملات کے مشورے اور فیصلے ہوتے تھے اور شادی بیاہ کے موقع پر بھی وہاں قریش جمع ہوتے اور اپنی تقریبیں سرانجام دیتے تھے۔ قریش کے داروں میں سے یہ پہلا مشہور دار تھا اس کے بعد دار العجلہ تیار کیا گیا تھا۔

دار الندوہ ہمیشہ قبیلہ بنی عبدالدار کی تحویل میں چلا آ رہا تھا پھر عکرمہ بن عامر نے اس دار الندوہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں فروخت کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے دار الامارۃ تجویز کر دیا۔ دار الامارۃ میں حکام اور والی اقامت پذیر ہوتے اور انتظامی امور سرانجام دیتے تھے۔

((واما دارالندوة فبناها قصی بن کلاب فکانوا یجتمعون الیه فتقضی فیها الامور ثم کانت قریش بعده تجتمع فیها فتتشاور فی حروبها وامورها وتعقد الالویة وتزوج من اراد التزویج وکانت اول دار بنیت بمکة من دور

---

[1] تاریخ الخمیس (دیار بکری) ص ۳۰۱، ۳۰۲ ج ا تحت وفاۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

قریش ثم دار العجلة وهی دار سعید بن سعد بن سهم فلم تزل دارالندوة لبنی عبدالدار بن قصی حتی باعها عکرمة بن عامر بن هاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بنی قصی من معاویة رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فجعلها دار الامارة))[1]

مدینہ منورہ میں آثار نبوی کی جستجو اور رفاہ عامہ کے مقامات کی تعمیری خدمات

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جس طرح مکہ مکرمہ میں خاص خاص مقامات کا تحفظ کیا اسی طرح مدینہ طیبہ میں اس دور کی دینی وملی ضروریات کے مطابق بعض آثار کو محفوظ کیا، بعض قصر تعمیر کرائے، اہل مدینہ اور دیگر مسلمانوں کی خاطر دار قائم کیے اور مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ارد گرد گلی کوچوں میں پختہ فرش لگوائے۔ اہل اسلام کی نفع رسانی کے طور پر یہ امور سرانجام دیے۔ مفاد عامہ کی ان چیزوں کا ذکر مختصراً آئندہ سطور میں تحریر کیا جاتا ہے۔

مواقف وآثار نبوی

مدینہ طیبہ میں بہت سے مقامات ایسے تھے جن میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ صادر ہوا یا کوئی خاص ظہور برکت کا واقعہ پیش آیا یا کوئی اور اہم چیز اس مقام کے متعلق ظاہر ہوئی تو مروان بن حکم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے سعی کی کہ ان مقامات متبرکہ کے متعلق واقفیت حاصل کی جائے۔ پس مروان نے حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو آدمی بھیج کر بلوایا اور ان سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خاص خاص مواقف ومواضعات پر مجھے مطلع کریں۔

مختصر یہ ہے کہ آثار متبرکہ کی تحقیق وتعین کا یہ کام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کی ہدایات کی روشنی میں مروان بن حکم نے سرانجام دیا تھا۔

((ان مروان لما کان والیا علی المدینة من قبل معاویة رضی اللہ عنہ ارسل الی ابی قتادة رضی اللہ عنہ لیریه مواقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه فانطلق معه فاراه))[2]

اس چیز کا ذکر قبل ازیں ہم نے اپنی تصنیف ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۲۶۳-۲۶۴ میں کر دیا ہے اور یہاں مزید حوالوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

---

[1] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۵۶ تحت بیان دور مکہ۔

[2] الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۵۸ ج ۴ تحت ابی قتادہ بن ربعی الانصاری رضی اللہ عنہ
التاریخ الصغیر (امام بخاری) ص ۵۴ تحت ذکر من کان بعد الخمسین الی ستین، طبع الہ آباد ہند۔

قصر خل

اسی سلسلے میں مدینہ طیبہ کے احوال بیان کرنے والے مورخین نے ابن شبہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ مقام حرہ کے نزدیک دومہ کے راستے پر ایک محل تعمیر کرایا جائے تاکہ اہل مدینہ کے لیے ایک قلعہ کا کام دے سکے۔

بقول بعض اس محل کی تعمیر کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاکم مدینہ منورہ مروان بن حکم کو حکم فرمایا تھا پھر مروان نے اس قصر کی تعمیر کے لیے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو متعین کیا۔ اس محل کو ''قصر خل'' کے نام سے پکارا جاتا تھا کیونکہ جو محل بھی راستے پر واقع ہوا سے ''خل'' ہی کہتے تھے۔ ''قصر خل'' کی تعمیر مکمل ہونے پر اس میں ایک سنگین کتبہ نصب کیا گیا جس پر "لعبد الله معاوية امير المؤمنين مما عمل نعمان بن بشير" کے الفاظ کندہ تھے۔ یعنی اسے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے تعمیر کرایا۔

((قال ابن شبة واما قصر خل الذى بظاهر الحرة على طريق دومه فان معاوية رضي الله عنه امر النعمان بن بشير رضي الله عنه ببناءه ليكون حصنا لاهل المدينة ويقال بل امر به معاوية مروان بن الحكم وهو بالمدينة فولاه مروان النعمان بن بشير رضي الله عنه و فيه حجر منقوش فيه "لعبدالله معاوية اميرالمؤمنين مما عمل نعمان بن بشير" وانما سمى قصرخل لانه على الطريق وكل طريق فى حرة او رمل يقال له "خل")) [1]

قصر بنی جدیلہ

نیز مورخین نے بعض دیگر قصر بھی ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک قصر بنی جدیلہ بھی تھا۔ اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کے لیے بطور قلعہ کے بنوایا تھا اور اس قصر کے تعمیری کام پر طفیل بن ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو متعین کیا تھا۔ انھوں نے اسے تیار کرایا اور اس دور کی ضرورت کے مطابق اس کے دو دروازے بنوائے گئے اور ''بیرحا'' کا مقام اس کے وسط میں آ گیا۔

((واما قصر بنى جديله۔ فان معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنهما انما بناه ليكون حصنا وله بابان۔ وكان الذى ولى بناء لمعاويه الطفيل بن ابى بن كعب

[1] تاریخ مدینہ منورہ ص ۲۷۱ ج ا تحت ذکر دار ہشام بن عبدالملک و قصر خل......الخ
کتاب وفاء الوفاء (نورالدین سمہودی) ص ۱۲۸۹ ج ۴ تحت عنوان قصر خل

الانصاری رضی اللہ عنہ و فی وسطه بیر حاء))[1]

قصر دارین

اسی طرح مدینہ طیبہ میں قصر الدارین کے نام سے ایک مقام تھا اسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ مقام ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا تھا اور اس وقت یہ ایک حائط (باغ) کی شکل میں تھا بعد میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زر کثیر سے خرید کر لوگوں کے فائدے کے لیے قصر کی شکل میں تعمیر کرایا۔

((فباعه من معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بعد ذالك بمال كثير فبناه معاويه بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قصرا وهو الذى يقال له بالمدينة قصر الدارين))[2]

دار القضاء

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال سے قبل اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا فلاں مقام (جسے بعد میں رحبۃ القضاء کا نام دیا گیا) فروخت کر کے میرا قرض ادا کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے آنجناب کے انتقال کے بعد اس مقام کو فروخت کر دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اس دور کی وقتی قومی ضروریات کے لیے خرید لیا پھر ایک مدت کے بعد اس مقام کو مسجد میں شامل کر دیا گیا۔

((كانت رحبة القضاء لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وامر حفصه وعبدالله ابنيه رضی اللہ عنہما ان يبيعها عند وفاته فى دين كان عليه۔ فباعوها من معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما وكانت تسمى دارالقضاء وكان معاوية رضی اللہ عنہ اشتراها عند ولايته))[3]

دار القضاء

سہلہ بنت عاصم کہتی ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے ایک دار تھا جس کو دار القضاء کہتے تھے۔ یہ وہ دار تھا جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ چھ اشخاص کے متعلق تین شب و روز مشورہ ہوتا

---

[1] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص۱۶۲ ج۲ طبع مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ
وفاء الوفاء (سمہودی) ص۹۶۲، ۹۶۳ ج۳، تحت الآبار، بیرحاء

[2] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص۱۷۳ ج ا طبع مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ

[3] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص۲۳۳-۲۳۴ ج ا مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ
وفاء الوفاء (نور الدین سمہودی) الجزء الثانی ص ۶۹۸-۶۹۹ تحت زیادت باب القضاء

رہا کہ کس شخص کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا جائے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کا آخری فیصلہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اسی مکان پر ہوا تھا۔ بعد میں اس مکان کو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے فرزندوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں فروخت کر دیا اور آپ نے اس مکان میں سرکاری دفاتر اور بیت المال قائم کیا۔

((عن عمتها سهلة بنت عاصم قالت: كان دار القضاء لعبدالرحمن بن عوف رضي الله عنه وانما سميت دار القضاء لان عبدالرحمن اعتزل فيها ليالي الشورى حتى قضى الامر۔ فباعها بنو عبدالرحمن من معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنهما وكانت الدواوين فيها وبيت المال))[1]

فرش لگوانا

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے اردگرد پہلے پتھر نہیں لگے ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اسے پختہ کرنے کا قصد کیا اور حاکم مدینہ مروان بن حکم کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کے قریب کوچہ جات میں پتھر سے پختہ فرش لگوایا جائے۔ چنانچہ اس فرمان کے موافق مسجد نبوی کے قرب وجوار میں گلیوں کو پختہ کیا گیا۔

((ان الذى بنى حوالى مسجد رسول الله ﷺ بالحجارة معاويةبن ابى سفيان رضي الله عنه امر بذالك مروان ابن الحكم))

((فامره معاوية رضي الله عنه تبليط ما سوى ذالك مما قارب المسجد ففعل))[2]

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ''حرمین شریفین'' کی بہت اہم خدمات سرانجام دیں۔ ان میں سے چند ایک کا یہاں اجمالاً ذکر کیا گیا۔ اس سے حضرت موصوف کی اہل حرمین شریفین کے حق میں عقیدت مندی کا ثبوت ملتا ہے اور ان کی ملی خدمات کا جذبہ نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔

رعایا کی خبر گیری

علماء ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق اپنی رعایا کے ساتھ نہایت عمدہ تھا اور آں موصوف نے رعایا کے احوال کی خبر گیری کے لیے ایک نظم قائم کیا ہوا تھا۔ وہ اس طرح کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہر قبیلہ کی خبر گیری کے لیے ایک شخص متعین کیا جاتا تھا، وہ ان قبائل کی محافل میں جا کر حالات معلوم کرتا کہ

① اس قبیلہ میں کوئی بچہ مولود ہوا ہے یا نہیں؟

---

[1] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۲۳۳ ج ۱ مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ

[2] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۱۷، ۱۶ ج ۱ طبع مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ

② اس قبیلہ میں گزشتہ رات کوئی نیا واقعہ تو پیش نہیں آیا؟
③ اس قبیلہ میں کوئی مہمان فروکش ہوا ہے یا نہیں اور مہمان کی ضروریات کیا ہیں؟

چنانچہ اس طریق کار سے وہ شخص احوال معلوم کرنے کے بعد دفتر میں پہنچتا اور نومولود کا نام اور دیگر ضروری کوائف ایک رجسٹر میں درج کرتا تھا تاکہ ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا مناسب انتظام کیا جائے اور وظیفہ مقرر کیا جائے۔

ابن عساکر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ:

((عن ابی قبیل قال کان معاویة قد جعل فی کل قبیل رجلا وکان رجل منا یکنی ابا الجیش یصیح فی کل یوم فیدور علی المجالس هل ولد فیکم اللیلة ولد هل حدث اللیلة حدث هل نزل بکم الیوم نازل فیقولون ولد لفلان غلام و لفلان فیقول فما سمی فیقال له فیکتب فیقول هل نزل بکم اللیلة نازل قال فیقولون نعم نزل رجل من اهل الیمن بسیمونه وعیاله فاذا فرغ من القبیل کله اتی الدیوان فاوقع اسماء هم فی الدیوان))[1]

اور البدایہ میں ہے کہ:

((فاذا اخبر بذالك اثبت فی الدیوان یعنی لیجری علیه الرزق))

فطیم کے لیے وظیفہ

بچوں کے وظائف کے سلسلے میں علماء نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی یہ چیز ذکر کی ہے کہ جب نومولود فطیم ہو جاتا یعنی شیر خواری کا دور ختم کرتا تو اس کے لیے سرکاری طور پر وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔

((فلما کان معاویة رضی اللہ عنہ فرض ذالك للفطیم))[2]

ان واقعات کے ذریعے سے آں موصوف کے عہد میں پبلک کی رعایت اور مفاد عامہ کے لحاظ اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کا مسئلہ خوب واضح ہوتا ہے۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۲۹ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳
المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۴ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
یہ مضمون قبل ازیں "مسئلہ اقربا نوازی" ص ۱۵۳ پر ذکر کیا گیا ہے۔
[2] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۶۴ تحت ذکر العطاء..... الخ

ایذا سے بچاؤ کی تدبیر

مفاد عامہ کے سلسلے میں مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاقہ شام اورالجزیرہ پر عامل تھے تو علاقہ ''نصیبین'' کے والی نے آپ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں یہ شکایت ذکر کی کہ یہاں مسلمانوں کی ایک جماعت بچھوؤں کی کثرت کی وجہ سے بڑی تکلیف میں مبتلا ہے۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ علاقہ کے لوگوں کے ذمہ لگائیں کہ وہ عقارب (بچھوؤں) کی ایک خاص تعداد پکڑ کر لائیں۔ چنانچہ جب بچھو پکڑ کر لائے جاتے تو انھیں قتل کر دیا جاتا۔ اس طرح اس علاقہ میں بچھوؤں کی کثرت قلت میں تبدیل ہوگئی۔

((وحدثنی ابو حفص الشامی عن حماد بن عمرو النصیبی قال کتب عامل نصیبین الٰی معاویة رضی اللہ عنہ وهو عامل عثمان رضی اللہ عنہ علی الشام والجزیرة یشکو الیه ان جماعة من المسلمین ممن معه اصیبوا بالعقارب۔ فکتب الیه یامره ان یوظف علی اهل کل حیز من المدینة عدة من العقارب مسماة فی کل لیلة ففعل فکانوا یاتونه بها فیامر بقتلها))[1]

حاصل یہ ہے کہ فصل ہذا میں رفاہی امور اور مفاد عامہ کی چیزوں کا اختصاراً ذکر کیا گیا ہے اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی ملی خدمات کا نقشہ سامنے آتا ہے اور اہل اسلام کی خیر خواہی کا جذبہ نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۸۶ تحت فتوح الجزیرہ
معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۲۸۹ ج ۱۹ تحت ذکر نصیبین۔

فصل پنجم

علمی مذاکرات اور ثقافتی کارنامے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علمی مذاکرات اور ثقافتی کارناموں کے سلسلے میں چند ایک چیزیں یہاں مختصر طریق سے ذکر کی جاتی ہیں۔ اس سے آنجناب کے علمی ذوق اور دینی وثاقت اور ملی خدمات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک اہم علمی مقام و مرتبہ کے حامل تھے آں موصوف نے جہاں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات نقل کی ہیں وہاں ایک جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث نبوی نقل کی ہیں۔ یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح احادیث نبوی کے راوی ہیں اسی طرح وہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات کے مروی عنہ بھی ہیں اور راوی و مروی عنہ کے دونوں شرفوں سے مشرف ہیں۔

اس فن کے علماء نے تحریر کیا ہے کہ درج ذیل جلیل القدر فقہائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آں موصوف سے روایات نقل کی ہیں:

مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، جریر بن عبداللہ بجلی، معاویہ بن خدیج، سائب بن یزید، نعمان بن بشیر، ابوسعید خدری اور ابوامامہ بن سہل وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

اور کبار تابعین اور فقہاء میں سے درج ذیل حضرات نے آں موصوف سے روایات نقل کی ہیں:

مثلاً افضل التابعین حضرت سعید بن مسیب، عبداللہ بن حارث بن نوفل، قیس بن ابی حازم، ابوادریس خولانی اور ان کے بعد کے حضرات مثلاً عیسیٰ بن طلحہ، محمد بن جبیر بن مطعم، حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، ابومجلز، حمران مولیٰ عثمان بن محیریز، علقمہ بن ابی وقاص، عمیر بن ہانی، ہمام بن منبہ، ابوعریان نخعی، مطرف بن عبداللہ بن شخیر وغیرہم رحمہم اللہ۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((ہولاء الائمۃ ائمۃ الاسلام الذین رووا عنہ۔ تعلم انہ کان مجتهدا ای مجتهد وفقیها ای فقیہ))[1]

[1] تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۲۶ تحت فصل ثانی فی فضائلہ ومناقبہ (طبع مصر) مع الصواعق المحرقہ
اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۸۷ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۱۲-۴۱۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما مع الاستیعاب

''یعنی مندرجہ بالا حضرات دین اسلام کے ائمہ کرام اور پیشوا ہیں۔ ان لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے دینی روایات نقل کی ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کتنے ارفع درجے کے مجتہد اور کتنے اعلیٰ درجے کے فقیہ تھے۔''

نیز امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) احادیث نبوی منقول ہیں۔[1]

یہ چیز قبل ازیں کتاب مسئلہ اقربا نوازی صفحہ ۱۴۲ پر ذکر ہو چکی ہے۔

اتنی کثیر تعداد میں احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راوی ہونے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام اور دینی شغف بخوبی واضح ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقل کرنے اور وعظ گوئی کے مسئلہ میں آں موصوف کے عہد خلافت میں خاص احتیاط کی جاتی تھی تاکہ احکام شرعی اور دینی امور میں کسی قسم کا بے جا تصرف نہ کیا جا سکے۔

اور ثقافتی امور کے سلسلے میں آنجناب کی قابل قدر خدمات پائی جاتی ہیں اور اسی ضمن میں یونانی طب کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا کارنامہ قابل ستائش اور لائق تحسین امر ہے۔ بقدر ضرورت ان چیزوں کا ذکر فصل ہذا میں کیا جا رہا ہے۔

بعض مرویات

(الف) اس سلسلے میں یہاں نمونہ کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی چند ایک روایات ذکر کی جاتی ہیں۔ ایک روایت میں انصار کے مقام و مرتبہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس طرح بیان کیا گیا ہے:

یزید بن جاریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں انصار کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا کہ ہم پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ کس قسم کی گفتگو میں مصروف تھے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم انصار کے متعلق کلام کر رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں بھی (انصار کے متعلق) ایک حدیث بیان کروں جو میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں اے امیر المومنین! فرمائیے۔

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جو شخص انصار سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائیں گے اور جو انصار کو ناپسند کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ناپسند فرمائے گا۔

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۲-۱۰۳ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع مصر۔

((عن یزید بن جاریة انه کان جالسا فی نفر من الانصار فمر علیهم معاویة رضی اللہ عنہ فسألهم عن حدیثهم فقالوا: کنا فی حدیث من حدیث الانصار فقال معاویة رضی اللہ عنہ افلا ازیدکم حدیثا سمعته من رسول الله ﷺ؟ قالوا: بلی یا امیر المؤمنین! قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: من احب الانصار احبه الله ومن ابغض الانصار ابغضه الله))[1]

(ب) اسی طرح درج ذیل روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور ان کی توثیق کی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مشہور ہاشمی بزرگ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ سردار دو عالم ﷺ نے مقراض (قینچی) سے اپنے مبارک تراشے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعض شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی دوسرے صاحب سے ہم تک یہ روایت نہیں پہنچی تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام پر اتہام لگانے والے نہیں ہیں۔ (یعنی ان کی روایت درست ہے)

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان معاویه اخبره انه رای رسول الله ﷺ قصر من شعره بمشقص فقلنا لابن عباس رضی اللہ عنہما ما بلغنا هذا الا عن معاویه رضی اللہ عنہ فقال ما کان معاویه رضی اللہ عنہ علی رسول الله ﷺ متهما))[2]

یہ روایت ''اقربا نوازی'' ص ۱۳۸ پر بھی ذکر ہو چکی ہے۔

(ج) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ ہاشمی رحمہ اللہ نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''العمریٰ'' یعنی جو چیز کسی شخص کو عمر بھر کے لیے دے دی جائے تو وہ اس کے لیے جائز اور درست ہے۔

((عن محمد بن علی (الحنفیة) عن معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قال سمعت رسول الله ﷺ یقول: العمری جائزة لاهلها))[3]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۸، ج ۱۲ کتاب الفضائل، طبع کراچی

[2] مسند امام احمد ص ۹۵ ج ۴ تحت مسندات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
منحۃ المعبود فی ترتیب مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۲۱۹ ج ۱ باب فسخ الحج الی العمرۃ۔

[3] مسند امام احمد ص ۹۷ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۳۵۴ ج ۹ تحت محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(یہ روایت قبل ازیں ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۴۰ پر ذکر کی جا چکی ہے۔)

اکابر ہاشمی حضرات نے متعدد روایات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں یہ چیزیں ان بزرگوں کے باہم دینی اعتماد پر دلالت کرتی ہیں اوران کے باہمی علمی مذاکرات وتعلقات کو واضح کرتی ہیں۔

نقل حدیث اور وعظ گوئی میں احتیاط

① اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نقل کرنے اور جمع کرنے میں خاص احتیاط کیا کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں عبداللہ بن عامر یحصبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ بیان روایت● کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے فرما رہے تھے کہ (بے احتیاطی سے) احادیث مت بیان کرو۔ ہاں وہ روایات جو عہد فاروقی میں بیان کی جاتی تھیں انھیں ذکر کیا کرو کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خدا خوفی کرنے والے تھے (وہ اپنے عہد میں بے اصل روایات کو جاری نہیں ہونے دیتے تھے) اس فرمان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ایک مرفوع روایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے کہ ''من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین...... الخ'' یعنی جس کے حق میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین میں بہتر سمجھ عطا فرماتے ہیں۔[1]

② اس طرح نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت بیان کی تو آپ نے میرے بیان پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس روایت کی تصدیق اور تحقیق کے لیے خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا کہ آپ میری طرف وہ حدیث نبوی تحریر کر کے روانہ فرمائیں چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ روایت تحریر کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ارسال فرمائی۔

((قال فاخبرته معاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما فلم يرض بالذی اخبرته حتی كتب الی ام المؤمنين ان اكتبی الی به۔ فكتبت اليه به كتابا))[2]

③ محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ قریش کا ایک وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا ہوا تھا۔ حضرت موصوف کو یہ چیز پہنچائی گئی کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عنقریب قبیلہ قحطان کا ملک پر قبضہ ہو جائے گا (یعنی قریش کی خلافت نہ رہے گی)۔ یہ معلوم کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور ایک خطبہ کی شکل میں مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ بعض لوگ ایسی

---

[1] مسند امام احمد ص ۹۹ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مسلم شریف ص ۳۳۳ ج ۱ تحت باب النہی عن المسئلہ طبع دہلی

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۰۷ ج ۷ تحت حدیث آخر (فضائل عثمان رضی اللہ عنہ)

روایات بیان کرتے ہیں کہ جو نہ کتاب اللہ میں ہیں اور نہ آنجناب ﷺ سے منقول ہیں۔ یہ ناواقف لوگ ہیں ان کی خواہشات کے مطابق برگشتہ کر دینے والی باتوں سے آپ لوگ اجتناب کریں۔ میں نے آنجناب ﷺ سے سنا ہے کہ (امر خلافت) قوم قریش میں ہوگا جب تک کہ دین الٰہی قائم رکھیں گے، اور جو بھی اس معاملہ میں ان سے نزاع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل گرا دیں گے۔

((فغضب معاوية رضي الله عنه فقام فاثنى على الله عزوجل بما هو اهله ثم قال اما بعد فانه بلغني ان رجالا منكم يحدثون احاديث ليست في كتاب الله ولا توثر عن رسول الله ﷺ اولئك جهالكم فاياكم والاماني التي تضل اهلها فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول ان هذا الامر في قريش لا ينازعهم احد الا اكبه الله على وجهه ما اقاموا الدين))[1]

④ نیز بیان روایت میں احتیاط کرنے کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ربیعہ بن یزید کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کیا کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص جو مصر میں مقیم ہیں ان سے درج ذیل روایت کے متعلق استفسار کریں کہ کیا انھوں نے یہ روایت جناب نبی کریم ﷺ سے سماعت کی ہے کہ جناب نبی اقدس ﷺ فرماتے تھے ''اللہ تعالیٰ ایسی امت کو پاک اور بابرکت نہیں فرماتا جس امت میں حق کا فیصلہ نہیں کیا جاتا اور جس امت کے ضعیف لوگ اپنا حق قوی لوگوں سے بہ سہولت نہیں حاصل کر سکتے۔'' مزید تحریر کیا کہ اگر عبداللہ بن عمرو کہیں کہ میں نے یہ روایت جناب نبی اقدس ﷺ سے سنی ہے تو بذریعہ قاصد مجھے اطلاع دیں۔

چنانچہ مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے مصر میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مذکورہ بالا روایت کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ مصر سے شام پہنچے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو روایت کے سماعت کرنے کی خبر دی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی یہ روایت جناب نبی کریم ﷺ سے سماعت کی تھی لیکن میں اس کی تائید و تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

((عن ربيعة بن يزيد ان معاوية رضي الله عنه كتب الى مسلمة بن مخلد رضي الله عنه ان سل عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما هل سمع رسول الله ﷺ يقول لاقدست امة لا ياخذ ضعيفها حقه من قويها وهو غير مضطهد۔ فان قال نعم فاحمله على البريد۔ فسأله فقال نعم۔ فحمله على البريد من مصر الى الشام فسأله معاوية رضي الله عنه فاخبره فقال معاوية وانا قد سمعته ولكن احببت

[1] مسند امام احمد ص ۹۴ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

ان اتثبت۔ رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات))[1]

⑤ چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حصول روایت کا ایک دیگر واقعہ محدثین ذکر کرتے ہیں۔ جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حفاظت حدیث و جمع روایت میں مساعی جمیلہ نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (جو اس وقت کوفہ کے حاکم تھے) کی طرف تحریر کیا کہ آپ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث زیر قلم کر کے میری طرف ارسال کریں۔ چنانچہ اس فرمان کے مطابق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے احادیث تحریر کر کے ارسال کیں جن میں درج ذیل فرمان نبوی مذکور تھا:

((قال فکتب الیہ انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتعوذ من ثلاثۃ من عقوق الامھات ومن واد البنات ومن منع وھات و سمعتہ ینھی عن ثلاثۃ عن قیل وقال واضاعۃ المال وکثرۃ السوال قال وسمعتہ یقول: اللھم لا مانع لما اعطیت ولا راد لما قضیت ولا ینفع ذا الجد منک الجد))[2]

''مطلب یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جواباً تحریر کیا کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ تین چیزوں والدہ کی نافرمانی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور جو چیز اپنے پاس ہے اس کو دینے سے انکار کرنے سے پناہ مانگتے تھے۔ اور میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ تین چیزوں قیل وقال (غیر ضروری بحث ومباحثہ) اور مال کو ضائع کرنے اور بے جا کثرت سوال سے منع فرماتے تھے۔''

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی ذوق بہت عمدہ تھا اور آں موصوف جمع حدیث وحصول روایت کے باب میں بہت احتیاط اور کوشش کرتے تھے اور مصر، شام اور کوفہ تک قاصد روانہ کر کے ثقہ لوگوں کے ذریعے سے حدیث کی تصدیق وتائید حاصل کرتے تھے۔

⑥ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جس طرح بیان روایت کے باب میں احتیاط کی جاتی اور اس کے حصول میں کوشش کی جاتی تھی، اسی طرح وعظ گوئی یا عام قصہ گوئی پر خلیفہ وقت کی جانب سے

---

1. مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۰۹ ج ۵ باب اخذ حق الضعیف من القوی طبع مصر۔
2. مسند عبد بن حمید ص ۱۵۰-۱۵۱ (المتوفی ۲۴۹ھ) تحت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت نمبر ۳۹۱
مسند احمد ص ۲۵۰-۲۵۴ ج ۴ تحت مسندات مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ طبع مصر
صحیح ابن حبان ص ۳۴۳ ج ۸ روایت نمبر ۵۵۳۰۔

کنٹرول تھا تاکہ ہر کہ ومہ اٹھ کر بے سروپا چیزیں نہ بیان کرنے لگے اور جاہل نااہل لوگ غلط بیانی سے عوام الناس کو گمراہ نہ کریں۔ یہ سب چیزیں حفاظت دین کی خاطر اختیار کی جاتی تھیں اس سلسلے میں چند ایک امور ذکر کیے جاتے ہیں۔

⑦ ابو عامر عبداللہ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں فریضہ حج ادا کیا۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو ہمیں اطلاع دی گئی کہ بنی مخزوم کا ایک غلام اس شہر میں قصہ گوئی کرتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس قصہ گو کو بلوا کر اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تجھے قصہ گوئی کی اجازت ملی ہوئی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو بلا اجازت قصہ گوئی کیوں کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے علم دیا ہے اور ہم اسے پھیلاتے ہیں۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں نے پہلے تجھے منع کیا ہوتا تو آج تجھے سزا دیتا۔

((عن ابی عامر عبداللہ بن یحییٰ قال حججنا مع معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فلما قدمنا مکة اخبر بقاص یقص علی اهل مکه مولی لبنی (مخزوم) او (فروخ) فارسل الیه معاویة رضی اللہ عنہ فقال امرت بهذه القصص؟ قال: لا۔ قال فما حملك علی ان تقص بغیر اذن؟ قال فنشئ علماء علمنا الله عزوجل فقال معاویة رضی اللہ عنہ لو کنت تقدمت الیك لقطعت منك طائفة (وفی بعض الروایات...... منك طابقا))[1]

⑧ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں کعب احبار وعظ کہتے تھے لیکن جب انھیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پہنچا کہ آنجناب فرمایا کرتے تھے کہ وعظ اور نصیحت گوئی امیر وقت اور حاکم کے ذمے ہے یا اس شخص کا کام ہے جسے حاکم وقت نے اجازت دی ہو، تیسرا شخص محتال اور متکلف ہے (یعنی بزور وعظ گوئی کرنے والا ہے) تو اس کے بعد جناب کعب احبار نے وعظ گوئی ترک کر دی اور اس کام سے رک گئے۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آں موصوف نے آپ کو خصوصی طور پر اجازت دیتے ہوئے حکم فرمایا کہ آپ وعظ اور نصیحت کر سکتے ہیں چنانچہ اس کے بعد جناب کعب وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

((کان کعب یقص فبلغه حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یقص الا امیر او مامور

---

1. مستدرک حاکم ص ۱۲۸ ج ۱ تحت کتاب العلم، طبع اول حیدر آباد دکن۔
کتاب المعرفہ والتاریخ (ابو یوسف بسوی) ص ۳۳۱-۳۳۲ ج ۲ تحت ابی عامر عبداللہ بن یحییٰ

او محتال۔ فترك القصص حتى امره معاويه رضی اللہ عنہ فصار يقص بعد ذالك))[1]

دینی مسائل کی اہمیت

علمی مذاکرات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض اوقات دینی مسائل دریافت کرتے تھے اور اس میں اکابر سے رائے حاصل کرنے میں انقباض نہیں رکھتے تھے حضرت موصوف کا یہ طریق کار ان کے اخلاص فی الدین کی خاص علامت ہے اور باہم دینی روابط کا مظاہرہ ہے اور شرعی مسائل میں اتفاق واتحاد کا واضح ثبوت ہے۔ اس سلسلے میں چند ایک روایات پیش خدمت ہیں:

① سلیمان بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شام کے علاقے میں ایک شخص احوص نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور وہ مطلقہ عورت اپنی طلاق کی عدت گزارتے ہوئے تیسرے حیض میں تھی کہ احوص کا انتقال ہوگیا۔ اس کی وراثت کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آدمی بھیج کر مسئلہ وراثت دریافت کیا تو جواب میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ چونکہ بیوہ تیسرے حیض میں داخل ہو چکی تھی اس لیے زوجین ایک دوسرے سے بری ہو چکے ہیں اور ان کی باہم وراثت جاری نہیں ہوگی۔ (یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ اس مسئلہ میں ایک صحابی کی تحقیق ہے)

((عن سليمان بن يسار ان الاحوص هلك بالشام حين دخلت امرأته في الدم من الحيضة الثالثة وقد كان طلقها فكتب معاويه بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما الى زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ يسأله عن ذالك فكتب اليه زيد انها اذا دخلت في الدم من الحيضة الثالثة فقد برئت منه وبرى منها۔ لا يرثها ولا ترثه۔ رواه مالك))[2]

② مسائل شرعیہ کی دریافت کے سلسلے میں ایک دوسرا واقعہ محدثین اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ مشہور تابعی سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علاقہ شام میں ایک شخص نے اپنی زوجہ کے ساتھ ایک اجنبی شخص کو قابل اعتراض حالت میں پایا تو اس نے اس اجنبی مرد یا اپنی زوجہ کو قتل کر دیا۔ اس معاملہ کی قضا اور فیصلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اشکال ہوا تو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے کا حل طلب کرنے کے لیے مکتوب لکھا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلے کا حل

---

1. الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۹۸ ج ۳ تحت (۷۴۹۸) کعب بن ماتع۔
کتاب القصاص والمذکرین (ابن جوزی) ص ۲۸ تحت باب ۴ فی انہ لا یقص الا باذن ......الخ
2. مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۹ فصل ثالث باب العدۃ، بروایت امام مالک رحمہ اللہ طبع دہلی۔

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواباً تحریر کیا کہ اگر قاتل چار شاہد پیش نہ کر سکے تو قتل کی دیت ادا کرے (یعنی بدہد شتران دیت را)

((مالك عن يحيىٰ بن سعيد عن سعيد بن المسيب ان رجلا من اهل الشام وجد مع امرأته رجلا فقتله او قتلها فاشكل على معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما القضاء فيه فكتب الى ابى موسى الاشعرى رضی اللہ عنہ يسأل له على بن ابى طالب رضی اللہ عنہ عن ذالك فسال ابو موسىٰ عن ذالك على بن ابى طالب رضی اللہ عنہ فقال ابو موسىٰ رضی اللہ عنہ كتب الى معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما اسالك عن ذالك فقال على رضی اللہ عنہ انا ابوالحسن: ان لم يأت باربعة شهداء فليعط برمته))[1]

③ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں ایک شخص نے اپنی زوجہ کو ''خاص الفاظ'' کے ساتھ طلاق دے دی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ زوجہ اس شخص پر حرام ہو چکی ہے یہ آدمی یہ مسئلہ لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنجناب نے یہی فیصلہ صادر فرمایا کہ مذکورہ صورت میں یہ عورت اس شخص پر حرام ہو چکی ہے اور بغیر حلالہ کے اس کے لیے حلال نہیں۔ پھر جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو پھر وہی شخص وہی مسئلہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا اور فیصلہ طلب کیا اور ساتھ ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سابق فیصلہ بھی اس نے خود ہی ذکر کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام صورت حال معلوم کر کے فرمایا:

((قال قد اجزنا قضاه عليك او قال ما كنا لنرد قضاء قضاه عليك))[2]

مطلب یہ ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نافذ کیا اور اس کا خلاف نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ ان حضرات کا شرعی مسائل میں باہم تعاون تھا اور وہ ایک دوسرے کی تائید کرتے تھے۔

④ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ سے ایک نباش (کفن چور) پکڑا گیا۔ اس وقت مدینہ منورہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن حکم عامل متعین تھے۔ مروان نے اس شخص کی سزا کے متعلق اس وقت کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہائے مدینہ سے مسئلہ دریافت کیا تو کسی صاحب نے قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ نہیں دیا بلکہ وہ اس رائے پر متفق ہوئے کہ اس شخص کو زد و کوب کیا جائے اور شہر

---

[1] موطا امام مالک ص ۳۰۸ تحت القضاء فیمن وجد مع امراتہ رجلا۔ طبع دہلی

[2] السنن الکبریٰ ص ۱۲۰ ج ۱۰ کتاب آداب القاضی، باب من لاجتہد من الحکام ثم تغیر اجتہادہ الخ

میں (تذلیل کے طور پر) پھرایا جائے۔

((اخذ نباش فی زمان معاویہ زمان کان مروان علی المدینۃ۔ فسال من کان بحضرتہ من اصحاب رسول اللہ ﷺ بالمدینۃ والفقہاء فلم یجدوا احدا قطعۃ قال فاجمع رأیہم علی ان یضربہ ویطاف بہ))[1]

مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں دینی مسائل میں دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء سے رائے طلب کرنے میں انقباض نہیں تھا اور ان حضرات کی تحقیق کا احترام ملحوظ رکھا جاتا اور ان کی رائے کی قدر دانی کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔

ثقافتی امور کی طرف توجہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے شمار علمی وثقافتی خدمات تاریخ میں مذکور ہیں ان کو فراہم کر کے زیر قلم کرنا سہل کام نہیں ہے تاہم اس سلسلے میں چند ایک چیزیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے عہد خلافت میں معلوم ہوا کہ ایک شخص عبید بن شریہ جرہمی تاریخ دان ہے اس نے جاہلیت کا دور پایا ہے اور جناب نبی کریم ﷺ کے عہد میں موجود تھا لیکن آنجناب سے سماع اسے حاصل نہیں ہوا۔ اس شخص کو ملوک عرب وعجم کے بے شمار واقعات ازبر تھے اور اخبار وانساب کا ماہر تھا اور تاریخی حالات سے خوب واقف تھا۔ یہ شخص یمن کے دارالحکومت صنعا میں سکونت پذیر تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ہاں بلوایا اور حکم دیا کہ سابقہ عرب وعجم کے حالات کی اپنے معلومات کی حد تک تدوین کی جائے اور انھیں ایک ترتیب کے ساتھ کتابی شکل میں قلم بند کیا جائے۔ چنانچہ ابن ندیم نے ذکر کیا ہے کہ:

((عبید بن شریۃ الجرھمی فی زمان معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فسالہ عن الاخبار المتقدمۃ وملوک العرب والعجم وسبب تبلبل الالسنۃ وامر افتراق الناس فی البلاد وکان استحضرہ من صنعاء الیمن فاجابہ الی ما امر فامر معاویۃ رضی اللہ عنہ ان یدون وینسب الی عبید بن شریۃ الی ایام عبدالملک بن مروان ولہ من الکتب کتاب الامثال وکتاب الملوک واخبار الماضیین))[2]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۳ ج ۱۰ کتاب الحدود، روایت نمبر ۸۶۶۲، طبع کراچی
نصب الرایہ (زیلعی) ص ۳۶۷-۳۶۸ ج ۳ کتاب السرقہ حدیث ثامن
جوہر النقی (ترکمانی) ص ۲۶۹، ج ۸، باب النباش یقطع ...... الخ

[2] الفہرست (ابن ندیم) ص ۱۳۸ تحت المقالۃ الثالثۃ فی اخبار الاخباریین والنسابین ... الخ
الانتقاد علی تمدن اسلامی ص ۵۱ از علامہ شبلی نعمانی طبع قدیم۔

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ شخص عبدالملک بن مروان کے عہد تک زندہ رہا اور اس نے تدوین تاریخ کے سلسلے میں متعدد تاریخی کتب مرتب کیں۔ مثلاً کتاب الامثال، کتاب الملوک اور کتاب الماضیین وغیرہ۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبید بن شریہ سے عرب وعجم کے ملوک کے حالات میں ایک تاریخی دستاویز تدوین کروائی اور اہل تاریخ کے لیے بہترین مواد فراہم کر دیا۔

② مورخین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں انساب واخبار کے ماہرین کی آمد ورفت جاری رہتی تھی۔ چنانچہ ایک ماہر انساب واخبار شخص دغفل بن حنظلہ سدوسی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دغفل موصوف نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مقدس کو پایا ہے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع انھیں حاصل نہیں ہوا۔

ایسے مشاہیر لوگوں کا بطور وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے عہد میں ماہرین فن سے استفادہ کے مواقع پیدا کیے جاتے تھے اور لوگوں کو ان تاریخی معلومات سے فائدہ ہوتا تھا۔

ابن ندیم اپنی مشہور تصنیف میں لکھتا ہے کہ:

((والانساب والاخبار من خط الیزیدی۔ هو الحجر بن الحارث الکنانی و دغفل لقب وقیل دغفل الذهلی النسابة هو دغفل بن حنظلة السدوسی۔ ادرك النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یسمع منه و وفد علی معاویة))[1]

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے علمی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں علماء نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ ایک دفعہ آں موصوف نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قریش کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے قبیلہ قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''القرش'' ایک بحری جانور ہے جو اپنی فطری قوت اور طبعی صلابت میں مشہور ہے۔ اگر اس کا گزر دوسرے چھوٹے موٹے جانوروں پر ہو تو انھیں کھا جاتا ہے۔ شدت طبعی کی مناسبت سے قوم قریش کو بھی قریش کہتے ہیں۔ یہ بھی دیگر قبائل واقوام پر اپنی صلابت اور شدت کی بنا پر غالب رہتے ہیں۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا اس مسئلہ پر آپ اشعار بھی پیش کر سکتے ہیں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جمحی کے اشعار ذکر کیے۔

((عن هشام بن عروة، عن ابیه، عن ابی ریحانه العامری۔ ان معاویة رضی اللہ عنہ قال لابن عباس رضی اللہ عنہما فلم سمیت قریش قریشا؟ قال: لدابة تکون فی البحر، تکون اعظم دوابه، یقال: لها "القرش" لا تمر بشیء من الغث و السمین الا اکلته۔ قال: فانشدنی فی ذالك شیئا فانشده شعر الجمیحی اذ یقول

[1] الفہرست (ابن ندیم) ص ۱۳۷ تحت المقالۃ الثالثۃ فی اخبار الاخباریین والنسابین......الخ

و قریش هی التی تسکن البحر
بها سمیت قریش قریشا
تاکل الغث والسمین ولا تترك
فیها لذی جناحین ریشا
هکذا فی البلاد حیی قریش
یاکلون البلاد اکلا کمیشا
ولهم آخر الزمان نبی
یکثر القتل فیهم والخموشا [1]

④ علمی مذاکرات کے سلسلے میں جناب عبداللہ بن عباس اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں تذکرہ ہوا۔ شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ اس مجلس میں قریش کے اکابرین بھی شامل تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں آپ سے چند مسئلے دریافت کر کے جوابات سننا چاہتا ہوں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دریافت کیجیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اللہ کی قسم وہ فقراء و مساکین کے حق میں بڑے شفیق تھے، قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے تھے، برائی سے منع کرنے والے تھے، دین خداوندی سے خوب واقف تھے، اللہ تعالیٰ سے خائف رہتے تھے، برے کاموں پر تنبیہ کرتے تھے، اچھائی کا حکم کرتے تھے رات کو تہجد میں قیام کرتے اور دن کو روزہ دار رہتے پرہیزگاری میں اپنے ساتھیوں سے فائق تھے، قلیل گزران پر گزارہ کرنے والے تھے، زہد اور پاک دامنی میں سبقت کرنے والے تھے۔ جو شخص ان کی تنقیص کرتا ہے اور ان پر طعن کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

اس واقعہ کو شیعہ مورخ مرزا محمد تقی لسان الملک نے اپنی تصنیف ناسخ التواریخ میں مسعودی شیعی کے حوالہ سے بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

''مسعودی در مروج الذہب می نویسد کہ عبداللہ بن عباس بر معاویہ در آمد و در مجلس او جماعتی از بزرگان قریش حاضر بودند معاویہ رو با بن عباس کرد و گفت ہمی مسئلے چند از تو پرسش کنم و پاسخ بشنوم فرمود از ہر چہ خواہی بہ پرس گفت چہ میگوئی در ابوبکر قال (ابن عباس) فی ابی بکر رحم الله ابابکر کان والله للفقراء رحیما وللقرآن تالیا وعن منکر ناهیا وبدینه عارفا و من الله خائفا وعن المنهیات زاجرا وبالمعروف آمرا وباللیل قائما

[1] دلائل النبوۃ (بیہقی) ص ۱۸۱ ج ا تحت ذکر شرف اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وبالنهار صائما وفاق اصحابه ورعًا وكفافًا وسارهم زاهدا و عفافا فغضب الله على من ينقصه ويطعن عليه"[1]

حوالہ ہذا قبل ازیں کتاب رحماء بینہم حصہ صدیقی ص ۳۹۹ پر ذکر ہو چکا ہے۔ اور اس مجلس میں جو علمی گفتگو ہوئی اس میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت و دیانت کا بیان ہے۔

یونانی طب کے لیے خدمات

① فن تاریخ کے علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک شخص ابن اثال لسانیات کا ماہر عالم تھا اس نے یونانی طب کی کتابوں کو جو یونانی زبان میں تھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے عربی زبان میں منتقل کیا۔ اس دور میں طب یونانی کو عربی کی طرف منتقل کرنے کا پہلے پہل یہ اہم کام ہوا۔

② نیز لکھتے ہیں کہ مروان بن حکم کے دور میں بصرہ کے علاقہ میں ایک یہودی ماہر فن طبیب تھا اور عربی زبان دانی میں لائق فائق تھا۔ اس کو ماسرجویہ کہتے تھے اس شخص نے کتب طب کو سریانی زبان سے عربی زبان میں منتقل کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں یہ کتاب ملک شام کے کتب خانوں میں موجود تھی خلیفہ موصوف نے اس کتاب کو حاصل کر کے لوگوں کی منفعت کی خاطر پھیلایا اور عوام تک پہنچائی۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ اپنے دور کے مشہور مصنف اور مورخ ہیں انھوں نے اس مسئلے پر جس کتاب (اخبار الحکماء وعیون الانباء) کا حوالہ دیا ہے وہ یہاں ہمیں میسر نہیں، تاہم ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی کتاب ''الانتقاد علیٰ تمدن اسلامی'' سے یہ حوالہ نقل کیا گیا ہے۔

((فنقل ابن اثال لمعاوية رضي الله عنه كتب الطب من اليونانية وهذا اول نقل فى الاسلام، وكان فى البصرة فى ايام مروان بن الحكم طبيب ماهر يهودى النحله عارف بالعربية اسمه ماسرجوية هذا كناش القس اهرون ابن اعين في السريانية الى العربية، فلما تولى عمر بن عبدالعزيز وجد هذا الكتاب فى خزائن الكتب فى الشام فاخرجه الى الناس وبثه فى ايديهم))[2]

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قومی و ملی خدمات اور علمی و ثقافتی کارناموں کا احصاء و شمار کر لینا کوئی سہل امر نہیں تاہم مندرجات بالا میں چند ایک چیزیں بطور نمونہ پیش کر دی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف کا اس سلسلے میں کردار نہایت رفیع تھا انھوں نے علمی کارنامے اور خدمات سرانجام دینے میں قابل قدر مساعی کیں۔

---

[1] تاریخ مسعودی شیعی ص ۶۰ ج ۳ طبع مصر
ناسخ التواریخ ص ۱۴۳-۱۴۴ ج ۵ کتاب ۲، قدیم طبع ایران۔

[2] الانتقاد علیٰ تمدن اسلامی (علامہ شبلی نعمانی) ص ۵۲ طبع قدیم۔

فصل ششم

مکارم اخلاق

اس مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چند اخلاق و سیر ذکر کیے جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اعلیٰ اخلاق، عمدہ خصائل اور حسن معاملات سے لوگوں میں عزیز ہوتا ہے۔ لوگ اس چیز پر نظر کرتے ہیں کہ اس شخص کے ذاتی عادات و خصائل کیسے ہیں؟ اور لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ یہ شخص کس کردار کا مالک ہے؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کے اخلاق نہایت کریمانہ تھے اور کردار بہت بلند تھا۔ حلم و بردباری ان کی نمایاں وصف تھی جس کے مخالفین بھی مقر تھے اور وہ اس سلسلے میں اپنے دور میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے روا داری اور انصاف پسندی ان کا شیوہ تھا، حق بات کو تسلیم کرنا ان کا معمول تھا اور خدا خوفی وخشیت الٰہی ان کے معاملات میں پائی جاتی تھی، عوام الناس کی قضائے حوائج ان کی بہترین خصلت تھی، ان کی مجالس لوگوں کے افادہ کے لیے منعقد رہتی تھیں اور خواص و عام کے حق میں منفعت بخش ہوتی تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعض احوال و کیفیات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سے آں موصوف کی شخصیت کا مقام ومرتبہ اور ان کے رفیع اخلاق و کردار کا اندازہ ہوسکتا ہے اور ان کی نیک طینت اور صحیح فراست معلوم ہوسکتی ہے اور ان کی انصاف پسندی، رعایا کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری واضح ہوتی ہے۔

صفت حلم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اوصاف و اخلاق خصوصاً حلم و بردباری کے اعتبار سے اپنے ہم عصر لوگوں میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ چنانچہ مختلف علماء مثلاً ابن ابی الدنیا اور ابوبکر بن ابی عاصم وغیرہ رحمہم اللہ نے اس باب میں ان کے حق میں مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

((قلت وکان یضرب المثل بحلم معاویة رضی اللہ عنہ وقد افرد ابن ابی الدنیا وابوبکر ابن ابی عاصم تصنیفا فی حلم معاویة))[1]

---

[1] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت ذکر امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

اور مورخین لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی صفت حلم و برد باری کا اعتراف فرماتے تھے چنانچہ اس سلسلے میں چند صحابہ کرام، تابعین اور بعض اکابر علماء کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

① محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا (حضرت) معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) لوگوں میں بہت حوصلہ مند اور زیادہ حلیم الطبع ہیں تو حاضرین نے کہا کہ کیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ؟ اس کے جواب میں جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) سے بہت بہتر اور افضل ہیں لیکن معاویہ (رضی اللہ عنہ) بہت حلیم ہیں۔

((عن محمد بن سیرین عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال معاویہ رضی اللہ عنہ من احلم الناس؟ قالوا یا اباعبدالرحمن وابوبکر رضی اللہ عنہ؟ قال ابوبکر رضی اللہ عنہ خیر من معاویة رضی اللہ عنہ ومعاویة رضی اللہ عنہ من احلم الناس))[1]

② مشہور صحابی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر میں موجود تھے انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصائل و فضائل بیان کرتے ہوئے حاضرین سے فرمایا کہ تمھارے خلیفہ ایسی شخصیت ہیں کہ (فطری طور پر) ان کی طبیعت کو اللہ تعالیٰ نے سہل، نرم اور حوصلہ مند بنایا ہے اور ان کے طریق کار کو درست اور معاملہ کو بہتر بنایا ہے۔

چنانچہ بلاذری نے اپنی مشہور تصنیف انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ:

((قال عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وذکر معاویة رضی اللہ عنہ وھو بمصر ان امامکم لمن سھل اللہ خلیقته وقوّم طریقته، واحسن صیغته))[2]

③ ایک اور بزرگ قبیصہ بن جابر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ہم نشینی اختیار کی۔ میں نے ان سے زیادہ حلیم، جہالت سے دور رہنے والا اور زیادہ بردبار شخص کسی کو نہیں دیکھا۔

((وعن قبیصة بن جابر قال صحبت معاویة رضی اللہ عنہ فما رأیت رجلا اثقل حلما ولا ابطا جھلا ولا ابعد اناة منه))[3]

④ اسی طرح محدثین اور مورخین کے اکابر علماء نے آں موصوف کی فطری سیرت کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۳۲۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (یہاں اس مضمون کی پانچ عدد روایات منقول ہیں)

[2] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۶ قسم اول جز رابع تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، طبع اول

[3] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ ج ۲ تحت ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۵۶ ج ۳ تحت ۷۲۷۸ قبیصہ بن جابر۔
کتاب المعرفہ والتاریخ، (بسوی) ص ۴۵۸ ج ۱ تحت باب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

((انه كان جيد السيرة، حسن التجاوز، جميل العفو، كثير الستر، رحمه الله تعالىٰ))[1]

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمدہ سیرت کے مالک، بہترین درگزر کرنے والے، اور اپنے کمال حلم و وقار کی بنا پر (لوگوں کی خطاؤں اور عیوب پر) پردہ پوشی کرنے والے تھے۔"

تائید از شیعہ

⑤ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کریمانہ اوصاف کا شیعہ مورخین نے بھی اعتراف کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ (حضرت) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کریمانہ اوصاف اور صفت حلم و زیرکی کے مالک تھے اور مالی سخاوت کے وصف سے متصف تھے۔

((وكان لمعاوية حلم ودهاء وجود بالمال على المداراة))[2]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم اور بردباری کے سلسلے میں ایک دو واقعات پیش خدمت ہیں۔

ا۔ بلاذری نے ذکر کیا ہے کہ شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار (عطائے مال کے سلسلے میں) ایک انصاری بزرگ کی طرف پانچ سو دینار بھیجے تو اس انصاری نے اس رقم کو قلیل شمار کرتے ہوئے اپنے فرزند پر قسم ڈالی کہ تو اس رقم کو لے جا کر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے منہ پر مار دے۔ (یعنی یہ رقم قلیل ہے ہمیں منظور نہیں)۔ ان کے فرزند اپنے والد کی ہدایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت موصوف نے آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا اے امیر المومنین! میرے والد گرامی کے مزاج میں طیش اور حدت زیادہ ہے اس نے مجھے قسم دے کر یہ کہا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (اس کی قسم پوری کرنے کے لیے) اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر رکھ لیا اور انصاری کے مذکورہ فرزند کو فرمایا کہ اپنے والد کی فرمائش پوری کر لے لیکن اپنے چچا (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رفق اور نرمی کا معاملہ کرنا۔ پھر اس نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انصاری مذکور کے لیے شفقت فرماتے ہوئے ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا...... الخ

((فوضع يده على وجهه وقال افعل ما امرك به ابوك وارفق بعمك فرمى الدنانير وامر معاوية للانصاري بالف دينار))[3]

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۶ ج ۸ تحت ذکر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۲ ج ۳ تحت ذکر امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۸ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی

[3] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۴۔ ج اجزء رابع۔ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
کتاب الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ ص ۹۵، ۹۶ طبع مصر از محمد بن علی بن طباطبا شیعی، تالیف ہذا (۷۰۱ھ)

۲۔ ماوردی نے ایک واقعہ چادروں کی تقسیم کے متعلق ذکر کیا ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے کچھ چادریں تقسیم کیں اور اہل دمشق میں سے ایک شخص کو ایک چادر حصہ میں ملی مگر اس کو پسند نہ آئی۔ جوش میں آ کر اس نے خیر سے قسم کھالی کہ میں چادر امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے سر پر ماروں گا۔ اس قصد کے تحت وہ صاحب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ پہنچے اور اپنے حلف کا ذکر کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (کمال حلم اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ آپ اپنی قسم پوری کر لیں لیکن آپ اس معاملہ میں میرے ساتھ رفق اور نرمی اختیار کریں۔

((وقسم معاوية رضي الله عنه قطفا فاعطى شيخا من اهل دمشق قطيفة فلم تعجبه۔ فحلف ان يضرب بها رأس معاوية۔ فاتاه فاخبره فقال له معاوية رضي الله عنه اوف بنذرك و ليرفق الشيخ بالشيخ))[1]

اسی صفت حلم و بردباری کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کچھ اقوال بطور تجزیہ اور تجربہ کتابوں میں پائے جاتے ہیں جو علماء نے نقل کیے ہیں:

۱۔ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "لا حلم الا التجارب"[2] یعنی تجربات کے بعد ہی صفت حلم حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ آں موصوف نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ

((قال معاوية رضي الله عنه: لا يبلغ الرجل مبلغ الراى حتى يغلب علمه جهله وصبره شهوته ولا يبلغ ذالك الا بقوة الحلم))[3]

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان صاحب الرائے نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا علم اس کے جہل پر، اور اس کا صبر اس کی خواہشات پر غالب نہ ہو جائے، اور انسان اس درجہ تک قوت حلم کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔

مروت

اور "صفت مروت" کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بعض تشریحات علماء نے ذکر کی ہیں چنانچہ مروت کے مفہوم کی تشریح میں آں موصوف کے بعض اقوال پیش خدمت ہیں:

① ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروت کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مروت چار

۱۔ ادب الدنیا والدین (ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بصری الماوردی، المتوفی ۴۵۰ھ) ص ۲۹ تحت الفصل الرابع فی الحلم والغضب

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء، طبع کراچی

۳۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۰۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

چیزوں میں ہوتی ہے: اسلام میں پاکدامنی، مال کا صحیح اور جائز طریقے سے حاصل کرنا، اقربا کی رعایت رکھنا اور پڑوسیوں کے ساتھ تعاون کرنا۔

((عن ابی بحر قال قال معاویة رضی اللہ عنہ المروة فی اربع: العفاف فی الاسلام، واستصلاح المال، وحفظ الاخوان، وعون الجار))[1]

② اسی طرح ایک دوسرے موقع پر آپ سے دریافت کیا گیا کہ مروت کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا دینی معاملات میں دامن صاف رکھنا اور معیشت میں اصلاح رکھنا۔

((وروینا عن ابی سوار قال قیل لمعاویہ رضی اللہ عنہ ما المروة؟ قال العفاف فی الدین واصلاح فی المعیشة))[2]

③ اور ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو بحر احنف بن قیس سے فرمایا کہ مروت کیا چیز ہے؟ انھوں نے کہا کہ دین میں تفقہ اور پاکدامنی اور والدین کے ساتھ احسان کرنا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات ٹھیک ہے۔

((وقال معاویة رضی اللہ عنہ للاحنف یا ابا بحر ما المروة؟ قال الفقه فی الدین والعفاف و بر الوالدین فقال معاویة رضی اللہ عنہ هو ذاك))[3]

بعض حکیمانہ اقوال اور جائزے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بعض امور سے متعلق حکیمانہ جائزے اور تجزیے علماء نے ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند چیزیں پیش خدمت ہیں:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دینی مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اصحاب رسول اس عالم سے رخصت ہو جائیں گے تو ورع اور تقویٰ نہ رہے گا۔ یعنی جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ اوصاف بوجہ اتم پائے جاتے تھے اسی طرح یہ اوصاف بعد میں کامل درجہ میں نہیں پائے جائیں گے۔

((قال معاویة رضی اللہ عنہ اذا ذهب اصحاب رسول الله ﷺ ذهب الورع))[4]

② اور ایک بار حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے انسانی اخلاق کے متعلق تجزیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۴۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۹۵ ج ۱۰ باب بیان مکارم الاخلاق ومعالیها...... الخ طبع دکن

[3] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۲۰ ج جزء رابع قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[4] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳۰ جزء رابع قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

کہ ''انسان کو جو بہترین چیز عطا کی گئی ہے وہ عقل اور حلم (حوصلہ مندی) ہے۔ جب اسے نصیحت کی جائے تو وہ اسے قبول کرے، اور اگر اسے عطیہ دیا جائے تو وہ شکریہ ادا کرے، اور جب وہ آزمائش میں مبتلا ہو تو صبر کرے اور اگر وہ غضبناک ہو تو غصہ کو پی جائے، اور اگر کسی سے وہ بدلہ لینے پر قادر ہو تو بخش دے، اور اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے، اور اگر سمجھایا جائے تو رک جائے۔''

((قال معاوية رضي الله عنه افضل ما اعطيه الرجل العقل والحلم فان ذكر و ان اعطى شكرو ان ابتلى صبر و ان غضب كظم و ان قدر غفر و ان اساء استغفر وان وعظ ازدجر))[1]

مطلب یہ ہے کہ انسان کے حق میں یہ بہترین فضیلت کی چیزیں ہیں اور عقلمندی اور حوصلہ مندی کے ذریعے ہی سے یہ حاصل ہوسکتی ہیں۔

③ اور ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاسد کے متعلق ایک نفیس جائزہ ذکر فرمایا کہ

((قال ابن السماك قال معاوية رضي الله عنه كل الناس استطيع ان ارضيه الا حاسد نعمة فانه لا يرضيه الا زوالها))[2]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نعمت پر حسد کرنے والے شخص کے سوا میں ہر شخص کو راضی کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں کیونکہ حاسد زوال نعمت کے بغیر راضی نہیں ہوسکتا۔''

④ عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (اخلاقیات پر تبصرہ کرتے ہوئے) تحریر فرمایا کہ:

۱۔ ہدایت یافتہ اور راہ راست پر وہ شخص ہے جس نے جلد بازی سے منہ موڑ لیا۔
۲۔ اور خسارہ میں وہ آدمی ہے جس نے بردباری اور آہستگی سے روگردانی اختیار کی۔
۳۔ اور ثابت قدم رہنے والا انسان مقصد یافتہ ہوتا ہے۔
۴۔ اور جلد باز شخص خطا کار اور چوک جانے والا ہے۔
۵۔ جس کو رفق و نرمی نفع نہیں بخشتی اس کو شدت و سختی نقصان دہ ہوگی۔
۶۔ جس شخص کو تجربہ کاری فائدہ نہیں دیتی وہ بلند مراتب نہیں پا سکتا۔
۷۔ جب تک انسان کا صبر اس کی خواہشات پر اور اس کا حوصلہ اور حلم اس کے جذبات پر غالب نہ آ جائے وہ بلندی رائے اور عالی فکر حاصل نہیں کر سکتا۔

---

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳۱ جز رابع قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۴۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

((.....نا عبداللہ بن المبارك قال كتب معاوية رضی اللہ عنہ الى عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اما بعد: فان الرشيد من رشد عن العجلة وان الخائب من خاب عن الاناة وان المتثبت مصيب او كاد ان يكون مصيبا وان العجل مخطى او كاد يكون مخطيا ومن لا ينفعه الرفق يضره الخرق ومن لا ينفعه التجارب لا يبلغ المعالى ولا يبلغ رجل مبلغ الراى حتى يبلغ صبره شهوته وحلمه غضبه))[1]

خشیت الٰہی اور فکر آخرت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عام حالات زندگی میں اللہ سے بہت ڈرنے والے تھے آپ کے خوف آخرت اور خشیت الٰہی کے تاریخ میں بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں:

① محدثین نے لکھا ہے کہ ایک شخص شفیا اصبحی (جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جلاد تھا) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نبوی سماعت کی کہ آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز تین اشخاص (عالم، مجاہد، کثیر المال) سے اولاً حساب کتاب لیا جائے گا اور وہ لوگ اپنی فاسد نیات اور غلط ارادوں کی بنا پر اس محاسبہ میں ناکام رہیں گے۔

((اولئك الثلاثة اول خلق الله تسعربهم النار يوم القيامة)) (مختصراً)

''یعنی ان تین قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن دوزخ کی بھڑکتی آگ میں جلایا جائے گا۔''

یہ روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنائی گئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((فقال معاوية رضی اللہ عنہ قد فعل بهؤلاء هذا فكيف بمن بقى من الناس ثم بكى معاويه رضی اللہ عنہ بكاء شديدا حتى ظننا انه هالك..... ثم افاق معاوية رضی اللہ عنہ و مسح عن وجهه وقال صدق الله و رسوله مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ))[2]

''یعنی جب ان مذکورہ لوگوں کے ساتھ اس طرح محاسبہ اور گرفت کا معاملہ کیا جائے گا تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ خشیت الٰہی کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سخت گریہ طاری ہوگیا۔ حاضرین مجلس ایسا گمان کرنے لگے کہ اس میں ان کی جان جاتی رہے گی۔ پھر اس کیفیت کے بعد جب

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی عکسی) ص ۳۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] ترمذی شریف ص ۶۱ ج ۲ طبع مجتبائی دہلی ص ۳۴۴ ج ۲ طبع لکھنؤ قدیم، تحت ابواب الزہد، باب ما جاء فی الریاء والسمعۃ
کتاب الزہد والرقائق (عبداللہ بن مبارک) ص ۱۶۰ باب ذم الریاء والعجب..... الخ طبع مالیگاؤں، ہند

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سنبھلے اور اپنے چہرے کو آنسوؤں سے صاف کیا اور فرمایا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ...... الخ"

② اسی سلسلے میں ایک دوسرا واقعہ اس طرح علماء نے ذکر کیا ہے کہ ایک صحابی ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی کہ "جس شخص نے حاجت مند کے سامنے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کی حاجت روائی نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کا دروازہ آسمان سے بند فرمادیں گے۔"

((قال فاكب معاوية رضي الله عنه يبكي ثم قال رد حديثك يا ابا مريم! فرده فقال معاوية رضي الله عنه ادعوا الى سعدا وكان حاجبه فدعى فقال يا ابا مريم! حدثه انت كما سمعت فحدثه ابومريم فقال معاويه رضي الله عنه لسعد اللهم انى اخلع هذا من عنقى واجعله فى عنقك۔ من جاء يستاذن فاذن له يقضى الله له على لسانى ما قضى))[1]

"یعنی یہ حدیث مبارک سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اوندھے گر کر رونے لگے اور پھر اپنے دربان سعد نامی کو بلوایا اور ابو مریم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمان نبوی دوبارہ سنائیے تو انھوں نے دوبارہ حدیث مذکور سنائی اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد سے فرمایا کہ یہ معاملہ میں نے اپنی گردن سے اتار کر تیری گردن میں ڈال دیا ہے اور حکم دیا کہ جب بھی کوئی حاجت مند آئے اسے میرے ہاں پہنچنے کی اجازت دی جائے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے حق میں میری زبان پر جو فیصلہ چاہیں گے، کریں گے۔"

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اسی نوع کے کئی واقعات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ متعدد محدثین نے اپنی اسناد کے ساتھ واقعہ ذیل نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ایک فرمان نبوی ارشاد فرمایا۔ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آنجناب نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور اور معاملات کا والی اور حاکم بنایا پھر اس نے لوگوں کی حاجات و ضروریات کے سامنے حجاب اور رکاوٹ ڈال دی تو اللہ تعالیٰ اس کی قضائے

[1] کتاب الکنیٰ (دولابی) ص۵۴ ج۲ تحت ابی مریم الازدی
طبقات ابن سعد ص۱۵۰ ج۷ قسم ثانی تحت مریم الازدی
جامع الاصول (ابن اثیر جزری) ص۴۴۵ ج۴ فصل ثالث فیما یجب علی الامام والامیر
ریاض الصالحین (امام نووی) ص۲۹۲ باب امر ولاۃ الامور بالرفق برعایاہم۔

حاجات میں حجاب اور رکاوٹ ڈال دے گا اور اپنے رحمت کے دروازے اس شخص پر بند فرما دے گا۔

فرمان نبوی ہذا معلوم کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کی داد رسی کے لیے مستقل طور پر آدمی مقرر فرما دیا۔

یہاں سے آپ کی خشیت الٰہی اور فکر آخرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

((عن عمرو بن مرة انه قال لمعاوية رضي الله عنه سمعت رسول الله ﷺ يقول من ولاه الله شيئا من امر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله دون حاجته وخلته وفقره فجعل معاوية رضي الله عنه رجلا على حوائج الناس۔ رواه ابو داود والترمذی۔ وفی رواية له ولاحمد "اغلق الله له ابواب السماء دون خلته وحاجته ومسكنه"))[1]

فائدہ

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ مندرجہ روایات محض تاریخی روایات نہیں ہیں جو رطب و یابس پر مشتمل ہوتی ہیں بلکہ کبار محدثین نے یہ واقعات اپنے اسانید کے ساتھ احادیث کی کتب میں ذکر کیے ہیں اور عند المحدثین مقبول کے درجہ میں ہیں۔

ان واقعات کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر خشیت الٰہی طاری رہتی تھی اور فکر آخرت کا ان پر غلبہ تھا، لوگوں کی حاجت روائی کا انھیں پورا پورا احساس تھا اور آں موصوف رعایا کی دادرسی کے لیے کوشش فرمایا کرتے تھے اور عوام و خواص کے حوائج کے پورا کرنے کا انتظام کرتے تھے یہ چیزیں آں موصوف کے اخلاص فی الدین اور خدا خوفی کے بین دلائل ہیں۔

تنبیہ

ان میں سے بعض روایات قبل ازیں ''مسئلہ اقربا نوازی'' کے ص ۱۵۰-۱۵۱ پر درج ہو چکی ہیں۔

اعتراف حقیقت

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں نہایت عمدہ یہ خصلت پائی جاتی تھی کہ آنجناب اپنے سابق خلفاء کی بلند

---

[1] ابوداود شریف ص ۵۳ ج ۲ تحت کتاب الخراج والفئ ..... الخ طبع مجتبائی دہلی۔
مشکوۃ شریف بحوالہ ابوداؤد و ترمذی ص ۳۲۴، فصل ثانی، باب ما علی الولاۃ من التیسیر
الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۶ ج ۳ تحت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ
الفتح الربانی ص ۱۹ ج ۲۳ فصل فی وعید من احتجب ..... الخ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۶ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بحوالہ ترمذی
مسند عبد بن حمید ص ۱۱۹ تحت حدیث عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ طبع بیروت

سیرت اور اعلیٰ کردار کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے مقام اور مؤقف کو ہمیشہ صفائی کے ساتھ متعین رکھتے تھے۔
چنانچہ اس سلسلے میں انھوں نے ایک بار خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

((خطب معاوية رضی اللہ عنہ فقال ايها الناس! والله لنقل الجبال الراسيات ايسر من اتباع ابى بكر و عمر رضی اللہ عنہما فى سيرتهما ولكنى سالك بكم طريقا يقصر عمن تقدمنى ولا يدركنى فيها من بعدى))[1]

''یعنی اے لوگو! اللہ کی قسم حضرات شیخین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کا اتباع کرنے سے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے مقام سے دوسری جگہ منتقل کرنا نہایت آسان ہے۔ لیکن میں تمھارے لیے ایسا طرز عمل اختیار کروں گا جو میرے پیش رو خلفاء سے تو کم درجہ میں ہوگا مگر میرے بعد آنے والے اسے نہیں پا سکیں گے۔''

۲ اسی طرح آں موصوف نے ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں تم میں سے بہترین نہیں ہوں اور مجھ سے بہتر افاضل تم لوگوں میں موجود ہیں مثلاً عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہما) وغیرہما۔ لیکن امید ہے کہ میں تمھارے دشمن کو زیادہ کاری ضرب لگانے والا ہوں گا اور حکمرانی کے اعتبار سے تمھارے لیے زیادہ نفع بخش اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے بہترین ثابت ہوں گا۔

((قال سمعت معاوية رضی اللہ عنہ وهو يقول انى لست بخيركم وان فيكم من هو خير منى عبدالله بن عمر وعبدالله بن عمرو وغيرهما من الافاضل۔ ولكنى عسيت ان اكون انكاكم فى عدوكم وانفعكم لكم ولاية واحسنكم خلقا))[2]

آں موصوف کے یہ بیانات محض عاجزی پر محمول نہیں بلکہ وہ اپنے پیشرو خلفاء کی فوقیت اور رفعت مقام کے حقیقتاً معترف تھے اور اس معاملے میں انھوں نے ہمیشہ راست گوئی سے کام لیا ہے، کوئی خفا نہیں رکھا۔ نیز اہل اسلام کے حق میں اپنے بہترین کردار کو تحدیث نعمت کے طور پر واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا۔ اور فی الواقع اعدائے اسلام کو زیر کرنے اور مغلوب کرنے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کمال حذاقت اور نمایاں صلاحیت رکھتے تھے۔ یہ اوصاف قدرت کی طرف سے ان کی طبع میں ودیعت کر دیے گئے تھے اور عطائے الٰہی تھے۔

---

1 انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۱۲ ج ۴ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ (طبع یروشلم)

2 تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۲۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۴ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (طبع اول مصری)

اظہار مافی الضمیر کی آزادی اور اعتراف قصور

① ایک شخص حمید بن عبدالرحمن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ ایک دفعہ ایک ضرورت کی خاطر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تسلیمات ذکر کیں۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے خلوت میں دریافت کیا کہ اے مسور! آپ ولاۃ و حکام پر طعن کیا کرتے تھے اب وہ کس طرح کے ہیں؟ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ اس بات کو رہنے دیجیے اور جو کچھ میں نے گزارش کی ہے اس میں اچھا معاملہ کیجیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ ناقدانہ کلام ضرور ذکر کریں اور آپ مجھ پر جو عیب لگاتے ہیں وہ بیان کریں۔ حضرت مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان پر جو عیب لگاتا تھا ان کو آپ کے سامنے بیان کر دیا۔

اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گناہوں سے بری ہونے کا دعویدار نہیں ہوں۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے بھی ایسے کچھ گناہ ہیں جنھیں اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائیں تو ان کی وجہ سے آپ ہلاکت کا خوف رکھتے ہوں؟ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں میرے بھی کئی گناہ (معاصی) ایسے ہیں کہ اگر وہ معاف نہ کیے گئے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کس بنا پر آپ مجھ سے زیادہ مغفرت کے حقدار ہیں؟ جبکہ اللہ کی قسم میں لوگوں کے درمیان اصلاح کرتا ہوں، اقامت حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور دینی وملی اہم کام سرانجام دیتا ہوں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار نہیں کرسکتا۔ یہ سب چیزیں ان عیوب اور ذنوب سے جو آپ ذکر رہے ہیں کثیر تعداد میں ہیں اور میں اللہ کے دین پر ہوں جس میں اللہ تعالیٰ حسنات کو قبول کرتے ہیں اور خطاؤں سے درگزر فرماتے ہیں۔ واللہ! جس معاملے میں مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خلاف کرنے میں اختیار دیا گیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پسند کرتا ہوں اور غیر کو ترک کر دیتا ہوں۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ کلام سن کر اپنی جگہ غور وفکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے مورد الزام ٹھہرایا ہے اور وہ مجھ پر اس گفتگو میں غالب رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مسور رضی اللہ عنہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے تھے تو ان کے حق میں دعا کرتے اور کلمات خیر سے یاد کرتے تھے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں معترض کو بھی ناقدانہ اظہار رائے کی مکمل آزادی تھی اعتراض کرنے سے کچھ ممانعت نہ تھی اور خود آں موصوف کو اعتراف قصور میں کوئی حجاب نہیں ہوتا تھا، حق بات تسلیم کرتے اور ناروا نقد سے اغماض برتتے تھے۔

چنانچہ واقعہ ہذا کو حافظ ابن کثیر وابن عساکر وابن عبدالبر اور حافظ ذہبی وغیرہ رحمہم اللہ نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔ یہاں البدایہ کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے تاکہ اہل ذوق حضرات مزید فوائد بھی حاصل کرسکیں:

((عن حمید بن عبدالرحمن ثنا المسور بن مخرمة رضی اللہ عنہ انه وفد علی معاویة رضی اللہ عنہ قال: فلما دخلت علیه حسبت انه قال سلمت علیه۔ فقال ما فعل طعنك علی الائمة یا مسور!؟ قال قلت: ارفضنا من هذا واحسن فیما قدمنا له۔ فقال: لتكلمنی بذات

نفسك قال: فلم ادع شيئا اعيبه عليه الا اخبرته به۔ فقال: لا اتبرأ من الذنوب، فهل لك من ذنوب تخاف ان تهلكك ان لم يغفرها الله لك؟ قال: قلت نعم! ان لي ذنوبا ان لم تغفرها هلكت بسببها، قال: فما الذي يجعلك احق بان ترجوا انت المغفرة مني، فو الله لما الي من اصلاح الرعايا واقامة الحدود والاصلاح بين الناس والجهاد في سبيل الله والامور العظام التي لا يحصيها الا الله ولا نحصيها اكثر مما تذكر من العيوب والذنوب، واني لعلي دين يقبل الله فيه الحسنات ويعفو عن السيئات، والله على ذالك ما كنت لاخير بين الله وغيره الا اخترت الله على غيره مما سواه۔ قال ففكرت حين قال لي ما قال فعرفت انه قد خصمني قال: فكان المسور رضي الله عنه اذا ذكره بعد ذالك دعا له بخير))[1]

انصاف پسندی، رواداری اور حقوق کی رعایت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رعایا کے ساتھ نہایت احسن معاملہ رکھتے تھے اور مزاج میں انصاف پسندی تھی اور حق بات کو تسلیم کرنا ان کا شیوہ تھا اور دوسروں کے حقوق کی رعایت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اس طریقے سے ان کا اعلیٰ اخلاق ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند چیزیں پیش خدمت ہیں (تمام واقعات کا احصا اور شمار مشکل امر ہے)۔

مندرجات ذیل پر نظر کرنے سے واضح ہوگا کہ حضرت موصوف کے دور میں لوگوں کی آزادی مسلوب نہیں تھی اور ان کی رائے پر پابندی نہیں ہوتی تھی، جائز مطالبات کے حصول میں ان پر کوئی قدغن نہ تھی اور آپ تعمیری تنقید کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

① یعلی بن شداد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں طاعون سے فرار کرنے کا ذکر کیا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، فرمانے لگے کہ آپ کی ماں ہند آپ سے زیادہ واقف و عالم تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ تمام کیا اور نماز پڑھائی۔ اس کے بعد عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیج کر انھیں بلوایا۔ چند انصاری بھی ان کے ساتھ تھے، آپ نے ان کو روک دیا، صرف عبادہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتے اور اپنے امام سے حیا نہیں کرتے؟ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ العقبہ میں اس بات پر بیعت کی تھی کہ میں دین کے معاملے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خائف نہیں ہوں گا۔

اس کے بعد عصر کے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی اور منبر کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا کہ میں نے منبر پر حدیث بیان کی پھر مکان پر گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ عبادہ رضی اللہ عنہ نے جس طرح حدیث ذکر کی ہے وہ درست ہے۔ پس ان سے حدیث حاصل کرو۔ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳-۱۳۴ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۴۴-۷۴۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

الاستیعاب مع الاصابہ ص ۳۸۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

((...... عن یعلی بن شداد بن اوس قال: ذکر معاویة الفرار من الطاعون فی خطبته۔ فقال عبادة: امّك هند اعلم منك فأتمّ خطبته۔ ثم صلی ثم ارسل الی عبادة فنفرت رجال من الانصار معه۔ فاحتبسهم وادخل عبادة۔ فقال له معاویة الم تتق الله وتستحی امامك؟ فقال عبادة الیس قد علمت انی بایعت رسول الله ﷺ لیلة العقبة انی لا اخاف فی الله لومة لائم؟ ثم خرج معاویة عند العصر و صلی العصر ثم اخذ بقائمة المنبر فقال: ایها الناس انی ذکرت لکم حدیثاً علی المنبر فدخلت البیت۔ فاذا الحدیث کما حدثنی عبادة۔ فاقتبسوا منه۔ فهو افقه منی))[1]

② دمشق میں نصاریٰ کا ایک کنیسہ یوحنا تھا جو مسجد سے ملحق تھا اس کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس کا مسجد کے ساتھ الحاق کر کے مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ نصرانیوں نے اس اقدام کو ناپسند کیا اور الحاق کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ اقدام کرنے سے رک گئے اور ان سے کوئی زیادتی نہیں کی۔

((قالوا ولما ولی معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اراد ان یزید کنیسة یوحنا فی المسجد بدمشق فابی النصاری فامسك))[2]

③ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک کارکن وردان (مولیٰ عمرو) کی طرف حکم نامہ ارسال کیا کہ قبطی قوم کے ہر فرد پر ایک قیراط[3] (خراج) کا اضافہ کر دیں۔ وردان نے جواباً لکھا کہ ان کے ساتھ معاہدہ میں یہ چیز درج ہے کہ ان پر ٹیکس نہیں بڑھایا جائے گا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی صحیح بات کو تسلیم کر لیا اور ان کے ساتھ رواداری کرتے ہوئے کوئی تعرض اور تجاوز نہیں کیا اور اپنے اس حکم کو واپس لے لیا۔

((عن یحیی بن ایوب عن عبیدالله بن ابی جعفر قال کتب معاویة رضی اللہ عنہ الی وردان مولی عمرو ان زد علی کل امرء من القبط قیراطا فکتب الیه کیف ازید علیهم وفی عهدهم ان لا یزاد علیهم))[4]

④ اسلام میں قاعدہ یہ ہے کہ قیدیوں کے ساتھ خاص رعایت اور بہتر سلوک کا معاملہ کیا جائے اور ان کے خورد ونوش کا انتظام اچھا ہو اور سردیوں اور گرمیوں کی مناسبت سے انھیں صحیح لباس مہیا کیا جائے۔

سب سے پہلے عراق کے علاقہ میں اس کا اہتمام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں کیا گیا۔ اس کے

[1] معجم اوسط (طبرانی) ج ۹ ص ۸۸ روایت ۸۱۸۴ طبع ریاض
[2] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۱ تحت فتح مدینہ دمشق وارضها۔
[3] قیراط درہم یا دینار کا قلیل سا حصہ ہے۔
[4] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۲۵ تحت عنوان فتوح المصر والمغرب۔

بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے مذکورہ انتظامات علاقہ شام میں کیے۔ بعدہٗ باقی خلفاء بھی اس پر عمل درآمد کرتے رہے۔

((ولم تزل الخلفاء یا امیر المؤمنین تجری علی اھل السجون ما یقوتھم فی طعامھم وادمھم وکسوتھم الشتاء والصیف۔ واول من فعل ذالک علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھه بالعراق ثم فعله معاویة رضی اللہ عنہ بالشام۔ ثم فعل ذالک الخلفاء من بعدہ))[1]

تنبیہ

عبارت ہذا میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے خلیفہ ہارون الرشید کو خطاب کرتے ہوئے مسئلہ ہذا کی وضاحت ذکر کی ہے۔

⑤ اور مقریزی نے اپنی تصنیف ''الخطط'' میں عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف ذمیوں سے کیے گئے عہد و پیمان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے بہتر سلوک روا رکھتے اور ان پر کسی قسم کا تجاوز نہیں فرماتے تھے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاقہ مصر کے والی اور حاکم تھے۔ ایک دفعہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں قریہ عقبہ میں ایک کنواں کھدوانے اور مساکن و منازل تعمیر کرانے کی اجازت طلب کی۔

جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دس لاکھ ذراع رقبہ زمین حاصل کر کے اس میں آبادکاری کی جائے اور عمارات تعمیر کی جائیں۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو موالی اور حاضرین نے ذکر کیا کہ وہ زمین نہایت عمدہ ہے اس میں حدود متعین کر کے مکانات وغیرہ تعمیر کرائے جائیں لیکن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ یہ چیز ہمارے لیے جائز نہیں کیونکہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارے معاہدہ کی چند شرائط ہیں:

۱۔ کہ ہم ان کی زمین اپنی تحویل میں نہیں لیں گے۔
۲۔ ان سے زیادتی نہیں کریں گے۔
۳۔ ان کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیں گے۔
۴۔ ان کی اولاد کو گرفت میں نہیں لیں گے۔
۵۔ ان کی طرف سے ان کے دشمن کی مدافعت کریں گے۔

چنانچہ اس صورت حال کے واضح ہو جانے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ عہد و پیمان کی رعایت کرتے ہوئے کوئی تعرض نہیں کیا اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ وضاحت کو تسلیم کر لیا۔

((کتب عقبة رضی اللہ عنہ الی معاویة رضی اللہ عنہ یسأله نقیعا فی قریة یبنی فیھا منازل ومساکن فامر له معاویة رضی اللہ عنہ بالف ذراع فی الف ذراع فقال له موالیه ومن کان عندہ انظر الی ارض تعجبك فاختط فیھا وابتن۔ فقال انه لیس لنا ذالك۔ لھم فی عھدھم ستة شروط منھا ان لا یوخذ من ارضھم شیء ولا یزاد

[1] کتاب الخراج (امام ابو یوسف) ص ۱۴۹، ۱۵۰ تحت فصل فی اھل الدعارة والتلصص ......الخ

علیهم ولا یکلفوا غیر طاقتهم ولا تؤخذ ذراریهم وان یقاتل عنهم عدوهم من ورائهم))[1]

⑥ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اسی نوعیت کا ایک دیگر واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جس میں انصاف پسندی اور حق بات کو تسلیم کرنا واضح طور پر ثابت ہے:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ میں کچھ آباد زمین تھی اور اس پر ان کا نصیر نامی ایک وکیل متعین تھا۔ اس رقبہ کے ساتھ ہی ملحقہ رقبہ اراضی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برادر زادے عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب کی ملکیت تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وکیل اور عبدالرحمٰن بن زید کے درمیان اس رقبہ کے متعلق تنازع پیدا ہوگیا۔ وکیل نے کہا کہ زمین کا یہ حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ہے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن زید نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہمارا حق ہے۔ اس تنازع کے بعد عبدالرحمٰن بن زید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام چلے گئے۔ وہاں متنازعہ فیہ واقعہ کی تفصیلات ذکر کیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قاضی فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں جو فیصلہ فرمائیں وہ منظور ہے۔

چنانچہ فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانبین کے بیانات ہوئے اور قاضی صاحب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور عبدالرحمٰن بن زید کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم آپ کا فیصلہ قبول کرتے ہیں۔

((فرای فضالة (بن عبید الانصاری رضی اللہ عنہ) ان القول قول عبدالرحمن رضی اللہ عنہ والحق معه فقضی به فقال معاویة رضی اللہ عنہ فنقبل ما قلت...... الخ))[2]

مختصر یہ ہے کہ واقعہ ہذا سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق پسند تھے، حق بات کو تسلیم کرنے والے تھے اور غیر کے حقوق میں تجاوز نہیں روا رکھتے تھے۔

یہ واقعہ ''جواب المطاعن'' میں ظلم و زیادتی کے عنوان کے تحت ذکر ہو چکا ہے۔ تفصیلات کے لیے کتاب ہذا کی دوسری جلد جواب المطاعن کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

⑦ ایک بزرگ زید بن صوحان اپنے قبیلہ عبدالقیس کے سردار اور فاضل دیندار شخص تھے لیکن بعض امور میں نظریاتی طور پر ان کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف تھا۔ ایک موقع پر آں موصوف کو کسی معاملہ میں کوفہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ وہاں ان کے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ مناقشانہ گفتگو ہوئی۔ تاہم اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا اور سخت

---

1. کتاب المواعظ والاعتبار المعروف بالخطط المقریزیہ، ص ۲۰۸ ج ۱ تحت ذکر مدینہ عقبہ، طبع مصر
2. الانساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۱۰ تا ۱۱۲ ج ۴ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان ؓ

رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ ارشاد فرمایا کہ آپ ایک صادق اور صالح انسان ہیں آپ واپس کوفہ چلے جائیں۔ اور ساتھ ہی کوفہ کے حاکم سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو زید بن صوحان کے حق میں بطور وصیت تحریر فرمایا کہ چونکہ یہ ایک صاحب فضیلت، نیک کردار کے حامل اور معتدل شخص ہیں اس لیے ان کے ساتھ بہتر معاملہ کیا جائے اور ان کو کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔

((فقال له معاوية رضي الله عنه يا زيد! انك امرء صدق واذن له بالرجوع الى الكوفة وكتب الى سعيد بن العاص يوصيه به لما راى من فضله وهديه وقصده وامر باحسان جواره وكف الاذى عنه))[1]

⑧ اسی طرح مورخ بلاذری نے کتاب ''انساب الاشراف'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے فرزند کا وظیفہ مروان بن حکم نے ایک دفعہ اس وجہ سے بند کر دیا کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ جب اس امر کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے مروان بن حکم کی طرف ایک حکم نامہ میں تحریر فرمایا کہ:

((عن قتادة قال حرم مروان بن الحكم ابنا لصهيب رضي الله عنه عطاءه فبلغ ذالك معاوية رضي الله عنه فكتب اليه معاوية رضي الله عنه انك حفظت على ابن صهيب ما كان من ابيه فى امر عثمان رضي الله عنه ونسيت ما كان من سابقته مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاردد عليه عطاه واكرمه واحسن مجاورته ان شاء الله))[2]

''یعنی تم نے صہیب رضی اللہ عنہ کے فرزند کے معاملے میں اس کے باپ کا امر عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں (فعل) یاد رکھا مگر تم اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ اور معیت کا تعلق بھول گئے؟ پس صہیب کے فرزند کا وظیفہ جاری کیا جائے اور اس کی عزت کی جائے اور اس سے اچھا سلوک کیا جائے۔''

یہاں سے معلوم ہوا کہ اسلام میں سابقہ اور بیعت نبوی کا احترام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملحوظ رکھتے تھے، حقوق کی رعایت و رواداری ان کا شیوہ تھا۔

⑨ اسی سلسلے میں ایک دیگر واقعہ یعقوب بسوی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے اس میں رعایا کے حقوق کی رعایت پائی جاتی ہے۔

ابو اسحق سبیعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں میرا نام تین صد (دراہم) وصول کرنے والے افراد کی فہرست میں درج کیا اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ کے والد کو کس

---

1 الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۹، ج اتحت نمبر ۲۹۹۷ زید بن صوحان (بحوالہ بلاذری) مع الاستیعاب۔

2 کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۹۰ قسم اول من جزء الرابع، طبع یروشلم

قدر وظیفہ ملتا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ وہ بھی تین صد (دراہم) حاصل کرنے والے افراد میں شامل تھے۔ پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے میرے لیے بھی تین صد (دراہم) وظیفہ مقرر فرمایا۔

ابو اسحٰق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے وظائف ان کے آباء کے وظائف کے مطابق جاری رکھتے تھے۔

((حدثنا ابوبکر بن عیاش قال: سمعت ابا اسحق یقول: فرض لی معاویة رضی اللہ عنہ فی ثلاث مائة وسألنی معاویة رضی اللہ عنہ: کم کان عطاء ابیك؟ قال: قلت ثلاث مائة۔ قال ففرض لی معاویه رضی اللہ عنہ فی ثلاث مائة۔ قال: کذالك کانوا یفرضون للرجل فی مثل عطاء ابیه))[1]

نیز رعایا کے حقوق اور جائز مطالبات تسلیم کرنے کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کا ایک یہ واقعہ بھی محدثین ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے جانا چاہتے تھے۔ مدینہ طیبہ پہنچے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کی خدمت میں تشریف لائے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ کوئی حاجت اور ضرورت ہو تو پیش کیجیے۔ اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا کہ آزاد شدہ لوگوں کے وظائف وعطیات جاری کرنے کا مطالبہ پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے عطیات جاری کرنے چاہئیں اور ساتھ ہی فرمان نبوی سنایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب اموال کی درآمد ہوتی تھی آنجناب محررین (آزاد شدگان) کے لیے پہلے ابتدا فرماتے تھے۔

((عن زید بن اسلم عن ابیه ان معاویه رضی اللہ عنہ لما قدم المدینه حاجا جاءه عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فقال له معاویة رضی اللہ عنہ حاجتك یا اباعبدالرحمن؟ فقال له: حاجتی عطاء المحررین فانی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ماجاءه شیء بدا بالمحررین))[2]

⑩ مشہور تابعی عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے مروان بن حکم سے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں والی مدینہ تھے منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ اے مخاطبین! امیر المومنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمہارے عطیات و وظائف کے متعلق حکم دیا ہے کہ ان کو پورا پورا ادا کیا جائے اور ان میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں تمہاری خاطر پوری کوشش کی ہے۔ فی الحال موجودہ مال تمام عطیات و وظائف کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے اور اس میں ایک لاکھ کی کمی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے

---

[1] کتاب المعرفہ والتاریخ ص ۳۶۲ ج ۲ تحت ابی اسحٰق سبیعی
مسند ابن جعد (الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوہری) ص ۳۱ روایت ۹۴ تحت عمر بن سعید المسیب

[2] کتاب المنتقیٰ (امام ابو محمد عبداللہ ابن علی بن جارود نیسابوری متوفی ۳۰۷ھ) ص ۳۷۶ باب الوجود التی یخرج فیہا مال الفئی طبع مصر

کہ یمن سے اموال صدقات موصول ہونے پر یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔

اس پر لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی طرف نظر کی تو یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہم صدقات کے اموال میں سے ایک درہم بھی نہیں لیں گے، کیا ہم دوسروں کا حق وصول کریں؟ یمن کے صدقات تو یتامیٰ اور مساکین کا حق ہے اور ہمارے وظائف جزیہ کے اموال سے ادا کیے جاتے ہیں۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کریں کہ وہ ہمارے بقیہ وظائف وہاں سے ارسال فرما دیں۔ مروان نے یہ چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحریر کی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وظائف کے بقایا جات وہاں سے ارسال فرما دیے۔

((یقولون واللہ لا ناخذ منها درهما واحدا أناخذ حق غیرنا؟ انما مال الیمن صدقة والصدقة للیتامی والمساکین وانما عطاءنا من الجزیة فاکتب الٰی معاویه رضی اللہ عنہ یبعث الینا ببقیة عطاءنا۔ فکتب الیه بقولهم فبعث الیه معاویة رضی اللہ عنہ ببقیته))[1]

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں زبانوں پر قفل چڑھانے اور ضمیروں پر تالے لگانے کا پروپیگنڈا بے بنیاد اور ہرگز درست نہیں۔ عوام الناس کو اظہار خیال میں آزادی تھی اور وہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں کسی قسم کا باک نہیں رکھتے تھے۔ ان معاملات میں ان پر کوئی جبر واکراہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کے جائز مطالبات پورے کرنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاص توجہ دیتے اور شرعی قواعد کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔

⑩ لوگوں کے حقوق کی رعایت اور قدر شناسی کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ایک دیگر واقعہ ذکر کیا جاتا ہے:

سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا انتقال مشہور قول کے مطابق ۵۹ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔ والی مدینہ ولید بن عتبہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آں موصوف کے انتقال کی اطلاع ارسال کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

((انظر الی ورثته فاحسن الیهم واصرف الیهم عشرہ الاف درهم واحسن جوارهم واعمل الیهم معروفا))[2]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمان لکھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ورثاء کے ساتھ عمدہ سلوک

---

[1] کتاب الاموال (ابوعبید قاسم بن سلام) ص ۲۵۹ روایت نمبر ۹۳۵ طبع مصر

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۵ ج ۸ تحت ۵۹ھ آخر ترجمہ ابو ہریرہ الدوسی رضی اللہ عنہ

کیجیے، ان پر دس ہزار درہم صرف کیجیے، ان کی امان اور ذمہ داری کو احسن طریقے سے ملحوظ رکھیے اور ان کے ساتھ بہتر معاملہ کیجیے۔"

حکمت عملی

مؤرخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کے عہد خلافت کی حکمت عملی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا طریق کار یہ ہے کہ جس معاملہ میں مال کفایت کرتا ہو وہاں میں زبانی حکم نہیں دیتا۔ اور جہاں زبانی حکم کفایت کرتا ہو وہاں تازیانہ سے کام نہیں لیتا۔ اور جہاں تازیانہ کام کرتا ہو وہاں تلوار کو استعمال نہیں کرتا۔ اور جب تلوار کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہے تب میں تلوار استعمال کرتا ہوں۔

((انا ابوحاتم عن العتبی قال قال معاویة رضی اللہ عنہ لا اضع لسانی حیث یکفینی مالی، ولا اضع سوطی حیث یکفینی لسانی، ولا اضع سیفی حیث یکفینی سوطی، فاذا لم اجد من السیف بُدًّا رکبته))[1]

بعض معمولات

آداب مسجد کی رعایت اور احترام

① ایک رات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے طبعی ضرورت کے تحت مسجد میں تھوک دیا اور اس کے بعد واپس چلے گئے۔ کچھ دیر بعد انھیں اس خطا کا احساس ہوا تو واپس مسجد میں تشریف لائے اور روشنی لے کر اسے تلاش کیا اور اس پر مٹی ڈال کر دفن کر دیا۔

((ان معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بزق ذات لیلة فی المسجد ثم ذهب ثم رجع بشعلة من نار فجعل یتتبع بزقته حتی وجدها ثم دفنها))[2]

واضح رہے کہ یہ اس دور کا واقعہ ہے جس وقت مساجد کے فرش کچے ہوتے تھے۔ اور مٹی ریت اور کنکریاں اور گھاس پھوس ڈال کر نمازیں ادا کی جاتی تھیں۔ پختہ فرش لگوانے کا طریقہ بعد میں جاری ہوا۔

تنبیہ

ابن شبہ نے اس مقام پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی مسجد میں

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۳۰۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۷ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ مدینہ منورہ (ابوزید عمر بن شبہ نمیری بصری المتوفی ۲۶۲ھ) ص ۲۷ ج ۱ طبع مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ مصر

بزاق ڈالنے (تھوکنے) اور پھر اسے دفن کرنے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔

مسجد میں تھوکنا ایک خطا ہے اور مسجد کے احترام کے پیش نظر اس کا صاف کرنا اور ازالہ کرنا ایک حکم شرعی ہے اسی بنا پر مذکورہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا اور خطا کا احساس ہونے پر فوراً اس کے ازالہ کا اقدام کیا۔

④ ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخلاقیات جہاں ذکر کیے ہیں وہاں انھوں نے لکھا ہے کہ یونس بن میسرہ بن حلبس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازار میں دیکھا کہ اپنے خچر (بغلہ) پر سوار تھے اور آنجناب نے اپنے پیچھے اپنے ایک خادم کو سوار کر رکھا تھا۔ آپ ایک معمولی قمیص پہنے ہوئے تھے اور اسی حالت میں دمشق کے بازاروں میں چکر لگا رہے تھے۔

((عن یونس بن حلبس قال رأیت معاویة رضی اللہ عنہ فی سوق دمشق علی بغلة له وخلفه وصیف قد اردفه۔ علیه قمیص مرقوع الجیب۔ وھو یسیر فی اسواق دمشق))[1]

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بعض اوقات اپنی شان وشوکت کے لباس سے ہٹ کر عام لباس میں بازار میں چکر لگاتے تھے اور ایک خادم ساتھ ہوتا تھا اور سواری کے لیے خچر بھی استعمال فرماتے تھے۔ یہ چیز آپ کے مزاج میں عاجزی وتواضع کی دلیل ہے۔

⑤ نیز کبار علماء نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربان ابو یوسف ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام کیا۔ چنانچہ آپ کو دمشق کے بعض منازل میں ٹھہرایا گیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بہترین خوش آواز اور خوش الحان بزرگ تھے۔

اسی دوران میں ایک رات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پاپیادہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جائے اقامت کی طرف تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر قرآن مجید کی تلاوت سماعت فرمائی۔

((یحیی بن صالح الوحاظی قال ثنا سعید بن عبدالعزیز عن ابی یوسف حاجب معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ان ابا موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قدم علی معاویة رضی اللہ عنہ فنزل فی بعض الدور بدمشق فخرج معاویة رضی اللہ عنہ فی اللیل الی

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۷۲۹ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
البدایہ ص ۱۳۴ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

منزلہ یمشی حتی سمع قراءتہ))[1]

مجلسی طریق کار

گزشتہ صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق و کردار کے متعلق بعض چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے بعد مکارم اخلاق کے عنوان کے تحت آں موصوف کے مجلسی معمولات اور لوگوں کے قضائے حوائج کے واقعات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

شیعہ مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجلسی احوال اپنی مشہور کتب تواریخ میں مفصل طور پر درج کیے ہیں۔ اگرچہ اہل سنت مورخین نے بھی یہ چیزیں اپنے اپنے مقام پر ذکر کی ہیں تاہم بطور الزام یہاں شیعی مورخین کے مندرجات پیش کرنے پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ اہل سنت مورخین ان کے موید ہیں۔

مشہور شیعہ مورخ مسعودی تحریر کرتے ہیں کہ:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عادت جاریہ تھی کہ ایک دن میں پانچ مرتبہ لوگوں کو ملاقات کا موقع دیتے تھے۔ جب آپ فجر کی نماز ادا کر لیتے تو مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ ان کا ایک خاص آدمی (جس کو قاص کہا جاتا تھا) ضروری ضروری احوال آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ پھر آپ اپنی مخصوص جگہ پر تشریف لے جاتے، وہاں مصحف مبارک پیش کیا جاتا اور آنجناب اس کے ایک جزو کی تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے اور اوامر و نواہی کی حسب ضرورت تلقین فرماتے۔ پھر اس کے بعد چار رکعت نوافل ادا کرتے اور باہر تشریف لا کر مجلس میں بیٹھتے اور خاص خاص لوگوں کو ملاقات کی اجازت دیتے اور ان کے ساتھ ضروری گفتگو فرماتے۔ اسی دوران میں آپ کے وزراء جناب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس دن سے متعلق ضروری امور میں گفتگو کرتے اور ہدایات حاصل کرتے۔

((کان من اخلاق معاویۃ رضی اللہ عنہ انہ کان یاذن فی الیوم واللیلۃ خمس مرات۔ کان اذا صلی الفجر جلس للقاص حتی یفرغ من قصصہ، ثم یدخل فیوتی بمصحفۃ فیقرأ جزءہ۔ ثم یدخل الی منزلہ فیامر وینھی ثم یصلی اربع رکعات، ثم یخرج الی مجلسہ فیاذن لخاصۃ الخاصۃ فیحدثھم ویحدثونہ ویدخل علیہ وزراؤہ فیکلمونہ فیما یریدون من یومھم الی العشاء))[2]

② نیز آنجناب کی مجلس کے یومیہ طریق کار کے متعلق ایک دوسری روایت میں مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر تشریف لاتے تو اپنے خادم کو کرسی لانے کے لیے فرمان دیتے اور مسجد

[1] کتاب الکنیٰ (دولابی) ص ۱۶۰ ج ۲ تحت کنیت ابی یوسف، طبع دکن۔

[2] مروج الذہب (مسعودی شیعی) ص ۳۹ ج ۳ تحت ذکر جمل من اخلاقہ وسیاستہ طبع پنجم

میں مقصورہ کے پاس کرسی پر تشریف فرما ہوتے۔ اور آپ کے محافظ پاس رہتے۔

اس کے بعد جناب کی طرف سے حکم دیا جاتا تھا کہ جو کمزور لوگ اور اعرابی (بادیہ نشین) کوئی لڑکا یا کوئی خاتون کسی ضرورت کے لیے آئے ہوئے ہوں تو وہ باری باری پیش خدمت ہوں۔ مثلاً ایک شخص پیش ہوتا اور وہ کہتا کہ مجھ پر یہ ظلم ہوا ہے تو آپ فرماتے کہ اس کے ظلم کو دور کیا جائے اور دادرسی کی جائے۔ پھر دوسرا شخص پیش ہو کر کہتا کہ میرے ساتھ زیادتی کی گئی ہے تو آپ کی طرف سے حکم دیا جاتا کہ اس کے ساتھ آدمی بھیج کر اس سے تعدی اور تجاوز کو دور کیا جائے۔ اسی طرح ایک اور شخص پیش ہو کر کہتا کہ میرے ساتھ فلاں معاملہ ہے تو آپ فرماتے کہ اس کے معاملہ پر نظر انصاف کی جائے۔

اس طریقہ سے تمام حاضرین حاجت مندوں کی ہر ایک حاجت کو پورا کیا جاتا حتیٰ کہ کوئی ایک ضرورت مند بھی باقی نہ رہ جاتا۔ پھر آپ اس مقام سے اٹھتے اور دوسری جگہ چار پائی پر تشریف فرما ہوتے۔

((ثم يخرج فيقول: يا غلام اخرج الكرسى، فيخرج الى المسجد فيوضع فيسند ظهره الى المقصورة ويجلس على الكرسى، ويقوم الاحراس فيتقدم اليه الضعيف والاعرابى والصبى والمرأة ومن لا احد له، فيقول: ظلمت، فيقول: اعزوه، ويقول: عدى علی۔ فيقول: ابعثوا معه، ويقول: صنع بى، فيقول: انظروا فى امره۔حتى اذا لم يبق احد دخل فجلس على السرير))[1]

اسی طرح مسعودی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجالس کا احوال ذکر کرتے ہوئے ایک دیگر روایت تحریر کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات اور حوائج کو پیش کیا جائے۔

پھر ایک شخص حاضر ہوتا اور کہتا کہ فلاں شخص فلاں جنگ میں شہید ہو گیا تو آپ حکم فرماتے کہ اس کی اولاد کے لیے وظیفہ متعین کر دیا جائے۔

پھر دوسرا شخص کہتا کہ فلاں شخص اپنے گھر سے غائب ہے (دینی کام کے لیے کہیں گیا ہوا ہے) تو آپ کی طرف سے حکم ہوتا کہ اس شخص کے اہل خانہ کی نگہداشت کی جائے اور ان کو وظیفہ دیا جائے اور ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

پھر آپ کی خدمت میں صبح کا ناشتہ پیش کیا جاتا اور آپ کا احکام نویس (منشی) آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور جو لوگ اس مجلس میں موجود ہوتے انھیں دسترخوان پر بیٹھنے کا حکم دیا جاتا پھر یہ لوگ کھانے میں شریک ہوتے اور حسب ضرورت خورد و نوش کرتے۔ اسی دوران میں آنجناب کا کاتب آپ کے احکامات

---

[1] مروج الذہب (مسعودی شیعی) ص ۳۹، ج ۳ تحت ذکر جمل من اخلاقہ وسیاستہ
الانتقاد علی تمدن اسلامی ص (علامہ شبلی نعمانی) ۴۰-۴۱

لکھتا جاتا تھا۔ اسی طرح یہ مجلس قائم رہتی، حتیٰ کہ مجلس کے تمام حاجت مند لوگوں کی ضروریات کو پورا کر دیا جاتا۔

((ارفعوا الينا حوائج من لا يصل الينا۔ فيقوم الرجل فيقول: استشهد فلان فيقول افرضوا لولده۔ ويقول الاخر: غاب فلان عن اهله، فيقول: تعاهدوهم۔ اعطوهم اقضوا حوائجهم اخدموهم، ثم يوتى بالغداء ويحضر الكاتب۔ فيقوم عند رأسه ويقدم الرجل فيقول له اجلس على المائدة فيجلس فيمد يده فياكل لقمتين او ثلاثا والكاتب يقرأ كتابه فيامر فيه بامره فيقال يا عبدالله اعقب فيقوم يتقدم آخر حتى ياتى على اصحاب الحوائج كلهم))[1]

مذکورہ بالا روایات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجالس کے احوال اور یومیہ طریق کار کے چند ایک مناظر پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے جس سے آں موصوف کے طریق عمل، رعایا سے حسن سلوک اور مجلسی نظم واضح ہوتا ہے۔

تنبیہ

فصل ہذا میں ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کریمانہ اخلاق کے متعلق چند چیزیں ذکر کی ہیں اور اس چیز کو کما حقہ پوری تفصیل سے پیش کرنا ایک دشوار امر ہے تاہم ماقبل میں آں موصوف کے حلم اور مروت کے متعلق اور فکر آخرت اور خشیت الٰہی کے متعلق چند ایک مرویات درج کی ہیں۔ نیز آنجناب کی مجالس میں اظہار رائے کی آزادی، حق گوئی اور انصاف پسندی، رواداری اور عوام کے حقوق کی رعایت اور عوام کے ساتھ بہترین سلوک کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد ان کی مجلسی نظم اور رعایا کی حاجت روائی کے طریق کار کو ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح مندرجات بالا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ آں موصوف کے اخلاق و کردار اور روز مرہ کے معمولات اسلام کی طرز معاشرت کے مطابق تھے اور قیصر و کسریٰ کے عادات و اطوار سے بعید تر تھے۔ پرخاش رکھنے والے مورخین اور معاند مورخین نے آں موصوف کے عادات و اخلاق کا جو کریہہ منظر پیش کیا ہے اور ان کو ایک ظالم، جابر اور متغلب حکمران کی صورت میں دکھایا ہے ناظرین کرام اس کا مندرجات بالا سے موازنہ کر کے خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ تعصب سے بالاتر ہو کر عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنے کی گزارش کی جاتی ہے۔

[1] مروج الذہب، ص ۳۹۔۴۰ ج ۳ تحت ذکر جمل من اخلاقہ وسیاستہ
الانتقاد علی تمدن اسلامی ص ۴۰، ۴۱ از علامہ شبلی نعمانی

فصل ہفتم

اتباع سنت، منکرات سے منع اور عہد و پیمان کی رعایت

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی معاملات میں کوشش ہوتی تھی کہ اتباع سنت کا لحاظ رکھا جائے اور منکرات سے منع کیا جائے اور انسداد مفاسد کے لیے سعی کی جائے۔ حتی المقدور اپنے جملہ امور کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور طریق کار کے مطابق سرانجام دیا جائے۔ یہ ان کی عملی زندگی کا نظم تھا اور اسی پر کاربند تھے۔

اس نوع کے متعلق چند ایک امور پیش خدمت کیے جاتے ہیں جو اس فصل میں اختصاراً مذکور ہیں:

① اقامت صلوٰۃ

دینی معاملات میں سب سے زیادہ اہم چیز اقامت صلوٰۃ (نماز کو قائم کرنا) ہے۔ اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پوری طرح کوشش کرتے تھے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار پر نماز ادا کی جائے اور کسی طرح بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان و عمل کے خلاف نماز کی ادائیگی نہ ہو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اتباع سنت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شاہد ہیں کہ آں موصوف کی ادائیگی نماز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ اور مطابق ہوتی تھی اور اس میں کوئی فرق نہیں محسوس کیا جاتا تھا۔

چنانچہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: ما رأیت احدا بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اشبه صلاة برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من امیرکم هذا یعنی معاویة رواه الطبرانی و رجاله رجال الصحیح غیر قیس بن الحرث المذحجی وهو ثقة))[1]

گویا حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس مسئلے پر یہ شہادت اور گواہی ہے۔

② نیز اسی سلسلے میں محدثین نے ذکر کیا ہے کہ جناب سائب بن اخت نمر سے نافع بن جبیر نے اس واقعہ کے متعلق دریافت کیا جو انھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کرنے کے موقع پر پیش آیا تھا۔ چنانچہ جناب سائب نے جواب میں واقعہ اس طرح ذکر کیا کہ ایک بار میں نے مقصورہ میں جمعہ کی نماز

---

[1] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۳۵۷ ج ۹ تحت باب ماجاء فی معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادا کی۔ جب نماز کے امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر بقایا سنتیں اور نوافل ادا کرنے لگا۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لے گئے تو ایک آدمی بھیج کر مجھے بلایا۔

((فقال لا تعد لما فعلت اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلوة حتى تكلم او تخرج فان رسول الله ﷺ امرنا بذالك ان لا نوصل بصلوة حتى نتكلم او نخرج۔ رواه مسلم))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جس طرح تو نے اب کیا ہے اس طرح آئندہ نہ کرنا۔ جب تم جمعہ کی نماز ادا کر لو تو اس کے بعد نماز ادا کرنے سے پہلے کلام کر لیا کرو یا اس جگہ سے ہٹ جایا کرو۔ کیونکہ جناب نبی اقدس ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم فرمایا تھا کہ ہم (فرض) نماز کو بعد والی نماز سے ملا کر ادا نہ کریں بلکہ درمیان میں کوئی کلام کر لیں یا اس جگہ سے الگ ہو جائیں۔''

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں اس دور کے اکابرین بھی مجتمعاً نماز ادا کرتے تھے۔ نیز یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی امر سنت کے خلاف پایا جاتا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے اور اپنے معمولات میں سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔

④ عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (غالباً مدینہ طیبہ میں) عصر کی نماز پڑھائی۔ نماز ہذا کے بعد بعض لوگ کھڑے ہو کر نوافل ادا کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لائے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس داخل ہوئے۔ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو چارپائی پر اپنے ساتھ بٹھایا۔ پھر ان سے دریافت کیا کہ نماز عصر کے بعد جو لوگ نوافل پڑھ رہے تھے یہ نماز ہم نے رسول اللہ ﷺ کو ادا فرماتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ اس نماز کا آنجناب ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کو اس نماز کا جواز بیان کیا۔

محدثین کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کی جستجو اور تحقیق کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بلوا کر دریافت کیا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان کرنے کا حوالہ دیا۔ پھر

---

[1] مشکوۃ شریف ص ۱۰۵ باب السنن وفضائلہا، فصل ثالث، طبع نور محمدی دہلی
مسلم شریف ص ۲۸۸ ج ۱ آخر کتاب الجمعہ طبع نور محمدی دہلی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرایا تو ام المومنین نے فرمایا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز بعد العصر ہمارے گھر میں پڑھی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نماز کے متعلق دریافت کیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ دو رکعت ادا کی ہیں جو ظہر کے بعد مجھ سے ضروری شغل کی وجہ سے رہ گئی تھیں۔[1]

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس نماز کے ثبوت کے متعلق ضروری جستجو کرائی۔ یہاں سے آں موصوف کی اتباع سنت کے سلسلے میں سعی اور کوشش واضح ہوتی ہے۔

تنبیہ

فقہاء میں یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف اپنی جگہ درست تھا۔ فقہ حنفی کا فتویٰ آج بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عام موقف کے مطابق ہے کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نفل نماز جائز نہیں۔

④ کبار محدثین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ ایاس بن ابی رملہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ عید اور جمعہ ایک روز میں جمع ہو گئے۔ ان کی ادائیگی کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے بطور تحقیق دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عید اور جمعہ کے اجتماع کو ایک ہی یوم میں دیکھا ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نمازیں کیسے ادا فرمائیں؟ جواب میں انھوں نے فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نماز عید ادا فرمائی اور اس کے بعد (جو لوگ باہر سے آئے ہوئے تھے انھیں ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا چاہتا ہے وہ ٹھہر جائے (اور جو لوگ گھر واپس جانا چاہتے ہیں وہ جا سکتے ہیں)

((عن ایاس بن ابی رملة قال شهدت معاویة رضی اللہ عنہ یسئل زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اشهدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اجتمعا فی یوم قال نعم قال فکیف صنع قال صلی العید ثم رخص فی الجمعة فقال من شاء ان یصلی فلیصل))[2]

⑤ مشہور مورخ احمد بن یحییٰ نے اپنی تصنیف انساب الاشراف میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ تحریر کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ پہنچے اور حرم میں تشریف لا کر بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آدمی بھیج کر بلوایا۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیت اللہ شریف میں پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا کہ بیت اللہ

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۵۱، ۳۵۲، ج ۲ تحت من رخص فی الرکعتین بعد العصر (طبع حیدر آباد دکن)

[2] سنن دارمی ص ۲۰۰ باب اذا اجتمع عیدان فی یوم، طبع قدیم کانپور

کے اندر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس مقام پر نماز ادا فرمائی تھی؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ساریۃ الیسریٰ کے پاس نماز ادا کرنا بتلایا۔

((ان معاویۃ رضی اللہ عنہ حج فدخل البیت الحرام وارسل الی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ثم جاء ابن عمر رضی اللہ عنہما ففتح لہ ودخل فقال معاویۃ رضی اللہ عنہ یا ابا عبدالرحمن این صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث دخل البیت فذکر ساریۃ الیسریٰ))[1]

مطلب یہ ہے کہ بیت اللہ کے اندر جو نماز ادا کی گئی تھی اس کے لیے بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اتباع سنت نبوی کو ملحوظ رکھا۔

⑥ اتباع نبوی کے سلسلے میں قدیم مورخ ابو زید عمر بن شبہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک قابل ذکر واقعہ اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ

((عن عباد ابی صالح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأتی قبور الشھداء باحد علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ قال وجاءھا ابوبکر رضی اللہ عنہ ، ثم عمر رضی اللہ عنہ ، ثم عثمان رضی اللہ عنہ ، فلما قدم معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما حاجا جاءھم قال وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا واجہ الشعب قال سلام علیکم بما صبرتم فنعم اجر العاملین))[2]

''نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کے مزارات پر ہر سال تشریف لاتے اور اہل قبور پر سلام کہتے ہوئے ارشاد فرماتے:

((سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار))

''یعنی سلامتی ہو تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا، سو خوب ثواب ملا عمل کرنے والوں کو۔''

آنجناب کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قبور شہدائے احد پر تشریف لایا کرتے پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح تشریف لاتے۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں حج بیت اللہ کے لیے آئے اور مدینہ طیبہ پہنچے تو سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موافق وہ بھی قبور شہدائے احد پر زیارت کے لیے تشریف لائے اور ذکر کیا کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی میں جب تشریف لاتے جناب ارشاد فرماتے کہ

((سلام علیکم بما صبرتم فنعم اجر العاملین))

---

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۳ ج ۴ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قسم اول، جز رابع۔

[2] تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۱۳۲ ج ا تحت النبی یزور کل عام قبور الشہداء احد، مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس نوع کے واقعات حدیث و تاریخ میں بے شمار دستیاب ہوتے ہیں جن میں آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر سنتوں کو دریافت کرتے ہیں لیکن مذکورہ صفحات میں صرف چند ایک امور اختصاراً نقل کیے ہیں۔ ان کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دینی ذوق اور اتباع سنت نبوی کا جذبہ بخوبی واضح ہوتا ہے اور اطاعت پیغمبر کے ساتھ ان کی کامل دل بستگی ثابت ہوتی ہے۔

② امر بالمعروف

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے معاملات میں اسلامی ہدایات کے مطابق عمل جاری رکھتے اور شرعی احکام کی ہر مرحلہ میں پاسداری کرتے تھے۔ آپ کے اس طریق کار اور شیوہ عمل کے ثبوت میں ایک یہ واقعہ بھی پیش خدمت ہے:

ابومجلز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مکان میں داخل ہوئے وہاں عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما دونوں حضرات موجود تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تشریف لانے پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تو احتراماً کھڑے ہو گئے لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کھڑے نہیں ہوئے بلکہ بیٹھے رہے۔

((فقال معاوية رضي الله عنه لابن عامر رضي الله عنه: اجلس فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من سره ان يتمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بیٹھ جائیے کیونکہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کو لوگوں کا اس کی پیشی میں کھڑے رہنا پسند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔''

مذکورہ بالا واقعہ سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر مسئلہ میں خاص لحاظ رکھتے تھے۔
۲۔ اور اپنی پیشی میں لوگوں کے کھڑے رہنے کو پسند نہیں فرماتے تھے جیسا کہ امراء اور کبراء کی مجلس کا شیوہ ہے۔
۳۔ نیز اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف کے مزاج میں خود پسندی اور ترفع نہیں تھا بلکہ ان کی

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۸ ج ۸ تحت کتاب الادب، طبع کراچی
الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۴۴ باب قیام الرجل للرجل تعظیماً، طبع مصر
مسند امام احمد ص ۹۳ ج ۴ طبع اول تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ
مسند امام احمد ص ۱۰۰ ج ۴ طبع اول تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ
ترمذی شریف ص ۱۰۰ ج ۲ تحت ابواب الآداب باب ماجاء فی کراہیۃ قیام الرجل ...... الخ
مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۳ طبع قدیم ملتان
منتخب من مسند عبد بن حمید ص ۱۵۶ روایت نمبر ۴۱۳، طبع بیروت۔
مسند ابن جعد (الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوہری المتوفی ۲۳۰ھ) ص ۲۲۲ روایت ۱۴۸۲ تحت حبیب بن الشہید۔

طبیعت میں تواضع وفروتنی تھی۔

④ نہی عن المنکر

گزشتہ سطور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے امر بالمعروف کے سلسلے میں بعض چیزیں مذکور ہوئی ہیں۔ اب اس کے بعد آں موصوف سے انسداد مفاسد کی خاطر نہی عن المنکر کے مختصراً چند احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ

① ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے اور وہاں آپ کو بعض مفاسد اور خواتین کے متعلق ناجائز رسوم کی اطلاع پہنچی۔ اس طرح کہ بنی اسرائیل کی خواتین کی طرح اپنے بالوں میں عورتیں ملاوٹ کرنے لگی ہیں اور اپنے بالوں کو بڑا دکھلانے کے لیے ان میں آمیزش کر لیتی ہیں۔

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں اس مسئلے پر مستقل ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور منبر پر تشریف فرما ہو کر کہنے لگے کہ اے اہل مدینہ! تمھارے علماء حضرات کہاں گئے؟ (کہ ان مفاسد اور منکرات سے تمھیں منع نہیں کرتے) اور پھر اپنے پاس سے بالوں کا ایک گچھا اہل مجلس کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کی خواتین نے اس طرح بالوں کی بناوٹ بنالی تھی اس بنا پر وہ قوم ہلاک ہوئی۔ پھر فرمایا کہ میں نے اس چیز کی وعید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بال ساخت کرنے (یعنی ملانے) سے منع فرماتے تھے۔ لہٰذا یہ بری رسم مسلمان خواتین میں نہیں ہونی چاہیے۔

((حميد بن عبدالرحمن انه سمع معاوية رضي الله عنه خطب بالمدينة يقول اين علماءكم يا اهل المدينة؟ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن هذه القصة (خصلة من الشعر) ويقول انما هلكت بنواسرائيل حين اتخذها نساءهم۔ هذا حديث حسن صحيح))[1]

اسی مسئلے کی بعض روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مزید چیزیں اس طرح منقول ہیں کہ آں موصوف نے ارشاد نبوی نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

---

[1] ترمذی شریف ص ۲۰۲ تحت باب ما جاء فی کراہیۃ اتخاذ القصہ ابواب الآداب، طبع مجتبائی دہلی۔
السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۹۰ ج ۴ کتاب الصیام تحت استحباب صیام عاشوراء۔
مسند احمد ص ۹۷-۹۸ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
مسند احمد ص ۱۰۱ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
مسند حمیدی ص ۲۷۳ ج ۲ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
معجم الاوسط (طبرانی) ص ۵۶۴ ج ۲ طبع ریاض
مسند ابن جعد (حسن علی بن جعد الجوہری) ص ۳۱ روایت ۹۴ تحت محمد بن سعید المسیب

((یقول لعن الله الواشمة والمستوشمة والمتنمصة والنامصة والواشرة والمستوشرة))[1]

''یعنی اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں ان عورتوں پر جو سوئی کے ساتھ اپنے جسم میں گودنے والی ہیں یعنی نشانات گاڑنے والی اور بنوانے والی ہیں، نیز وہ عورتیں جو ابرو کے بالوں کو باریک بنواتی ہیں یا بناتی ہیں، اور وہ عورتیں جو دانتوں کو باریک اور تیز کرتی ہیں یا کرواتی ہیں۔''

تنبیہ

اہل علم حضرات کو معلوم ہے کہ کتب حدیث میں مذکورہ بالا نوع کی روایات متعدد صحابہ کرام مثلاً ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں لیکن ہم نے یہاں صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایات نقل کی ہیں۔

① منکرات سے منع کرنے کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کثیر روایات نبویہ منقول ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ان میں سے ایک روایت ذکر کی جاتی ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکہ شریف میں منبر پر تشریف فرما ہوتے ہوئے فرمان نبوت ذکر فرمایا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مردوں کو ذہب (سونا) استعمال کرنے اور حریر (ریشم) کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔

((قال (عبدالله بن علی العدوی) سمعت معاویة رضی اللہ عنہ علی المنبر بمكة يقول: نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن لبس الذهب والحرير))[2]

اسی طریقہ پر مشہور تابعی محمد بن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خز (ایک قیمتی پارچہ) اور چیتے کی کھال پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے۔

نیز اس روایت کے بیان کرنے کے بعد محمد ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حدیث نبوی نقل کرنے میں متہم نہیں ہیں بلکہ صحیح اور درست حدیث نبوی بیان فرماتے ہیں غلط بیان نہیں کرتے۔

((عن ابن سيرين عن معاويه رضی اللہ عنہ ان رسول الله نهى عن ركوب الخز والنمور۔ قال ابن سيرين فكان معاويه رضی اللہ عنہ لا يتهم في الحديث على

[1] مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۴-۵ طبع قدیم ملتان
مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۱۲ طبع قدیم ملتان
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۶۷۵ ج ۱۶ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] مسند امام احمد ص ۱۰۱ ج ۴ تحت حدیث امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ))[1]

اسی طرح اس نوع کی ایک دیگر روایت احادیث میں مذکور ہے، عبداللہ بن دینار مولیٰ معاویہ ابوحریز سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اس میں ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے چند چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ میں وہ فرمان آپ لوگوں تک پہنچاتا ہوں اور ان اشیاء سے منع کرتا ہوں: نوحہ کرنا، شعر گوئی، تصاویر بنانا اور درندوں کی کھال استعمال کرنا، سونا اور ریشم استعمال میں لانا۔

((..... عن عبداللہ بن دینار عن ابی حریز مولیٰ معاویۃ قال: خطب معاویۃ الناس فذکر فی خطبتہ ان رسول اللہ ﷺ نھی عن اشیاء وانی ابلغکم ذالك وانھاکم عنھن: النوح والشعر و التصاویر وجلود السباع والذھب والحریر))[2]

③ انسداد مفاسد کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ نکاح شغار (وٹہ سٹہ) کے متعلق محدثین نے ذکر کیا ہے۔

وہ اس طرح ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزند عباس نے اپنی دختر کا عبدالرحمٰن بن حکم سے نکاح کر دیا اور عبدالرحمٰن نے اپنی لڑکی عباس بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نکاح میں دے دی، اور اس نکاح میں انھوں نے نکاح کو ہی اس کا مہر قرار دیا، کوئی دوسری شے مہر تجویز نہیں کی۔

اس چیز کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انھوں نے مروان بن حکم کو جو اس وقت والی مدینہ تھے حکم ارسال کیا کہ ان دونوں فریقین کے درمیان تفریق کر دی جائے، یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ اور اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا کہ اس نکاح کی شکل تو نکاح شغار کی ہے جس سے نبی اقدس ﷺ نے منع فرمایا تھا۔

((ان العباس بن عبداللہ بن العباس انکح عبدالرحمن بن الحکم ابنتہ وانکحہ عبدالرحمن ابنتہ وکانا جعلا صداقا فکتب معاویۃ رضی اللہ عنہ الی مروان یامرہ بالتفریق بینھما وقال فی کتابہ ھذا الشغار الذی نھی عنہ النبی ﷺ))[3]

فائدہ: اسلام میں نکاح شغار سے منع کیا گیا ہے اور نکاح شغار کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص اپنی لڑکی دوسرے شخص کے نکاح میں دے دیتا ہے اور اس کے عوض دوسرا شخص اپنی لڑکی کا پہلے شخص سے نکاح کر دیتا ہے اور اس میں کوئی دیگر شے بطور حق مہر مقرر نہیں کی جاتی بلکہ اس متبادل نکاح کو ہی ایک دوسرے کا حق مہر قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسلام نے اس نوع کے نکاح سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے فرمان نبوت کی روشنی میں اپنے عہد خلافت میں نکاح شغار سے منع فرما دیا۔

④ گزشتہ صفحات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں چند ایک چیزیں ذکر کی ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ مورخین نے نقل کیا ہے جس میں اسی نوع کے چند احکام آں موصوف نے ذکر فرمائے اور ان پر عمل درآمد کے لیے لوگوں کو متوجہ کیا:

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۶ ج ۸ کتاب العقیقہ طبع کراچی مسند امام احمد ص ۹۳ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۲۷ ج ۱۶ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] معجم الاوسط (طبرانی) ج ۷ ص ۱۹۱-۱۹۲ روایت ۶۳۶۴ طبع ریاض

[3] السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۰۰ ج ۷ تحت کتاب النکاح، طبع حیدر آباد دکن

((ثنا یونس بن حلبس قال سمعت معاویة رضی اللہ عنہ علی منبر دمشق یوم جمعة یقول ایها الناس! اعقلوا قولی فلن تجدوا اعلم بامور الدنیا والآخره منی ①اقیموا وجوهکم وصفوفکم فی الصلوة او لیخالفن الله بین قلوبکم② خذوا علی ایدی سفهاءکم او لیسلطن الله علیکم عدوکم فیسو منکم سوء العذاب۔ ③ تصدقوا ولا یقولن الرجل انی مقل فان صدقة المقل افضل عن صدقة الغنی۔ ④ ایاکم وقذف المحصنات وان یقول الرجل سمعت وبلغنی فلو قذف احدکم امرأة علی عهد نوح لسئل عنها یوم القیامة))[1]

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ یونس بن حلبس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے روز جامع مسجد دمشق کے منبر پر فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور خوب سمجھ لو کہ میں امور دنیا اور آخرت کے متعلق تم سے زیادہ واقف ہوں۔

۱۔ نماز میں اپنے رخ کو ٹھیک رکھو، اور صفوں کو درست رکھو ورنہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں کجی ڈال دیں۔

۲۔ اپنی قوم میں سے کم دانش اور خفیف العقل لوگوں کی حرکات پر کنٹرول رکھو ورنہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر دشمن کو مسلط کر دیں اور وہ تم کو برا عذب چکھائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتے رہو اور کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں قلیل المال ہوں کیونکہ قلیل المال کا صدقہ غنی کے صدقہ سے افضل ہے۔

۴۔ پاکدامن خواتین پر تہمت لگانے سے بچو اور اس سے بھی بچو کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے یہ بات سنی ہے یا مجھے پہنچی ہے کیونکہ کسی عورت پر تہمت لگانا اتنا سخت ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص نے عہد نوح میں بھی کسی عورت پر تہمت لگائی ہو تو وہ بھی قیامت کے دن مسئول ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ ہذا میں دین اسلام کے اہم مسائل بطور نصیحت ذکر فرمائے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق ادا کیا۔

④ عہد و پیمان کی رعایت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں احکام شرعیہ کو ملحوظ رکھا جاتا تھا اور کسی قوم کے ساتھ اگر کوئی عہد و پیمان حسب دستور باندھا گیا ہوتا تو اس کی پاسداری کا پورا پورا لحاظ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں محدثین اور مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے کئی واقعات ذکر کیے ہیں جن میں

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۴ ج ۸ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

معاہدے کی رعایت کو ملحوظ رکھنا آں موصوف سے ثابت ہے۔ اس نوع کے واقعات میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

① ایک دفعہ اہل روم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک متعین عرصہ تک جنگ بندی کا عہد و پیمان ہوا۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل روم کے خلاف اقدام کرنے لگے تاکہ مدت معاہدہ ختم ہی حملے کا آغاز کر دیا جائے۔ ان حالات میں ایک بزرگ اسپ سوار (گھڑ سوار) تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے پہنچے اور فرماتے تھے الله اكبر الله اكبر وفا لا غدر (وفا کی جائے، بدعہدی نہ کی جائے) لوگوں نے نظر اٹھا کر دیکھا کہ یہ صاحب کون ہیں، تو ناگہاں معلوم ہوا کہ وہ بزرگ عمرو بن عبسہ صحابی ہیں۔ جب آپ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے تو انھوں نے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی:

((فاذا هو عمرو بن عبسة رضي الله عنه فسأله معاوية رضي الله عنه عن ذالك فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من كان بينه و بين قوم عهد فلا يحلن عهدا ولا يشدنه حتى يمضي امده او ينبذ اليهم على سواء، قال: فرجع معاوية رضي الله عنه بالناس۔ رواه الترمذي وابوداود))[1]

"یعنی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس شخص اور قوم کے درمیان کوئی عہد و پیمان ہو تو اس کی مدت کے اختتام سے قبل معاہدے کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے حتیٰ کہ مدت معاہدہ پوری ہو جائے یا ان کی طرف اس عہد کو واپس کر دیا جائے (یعنی باہم صلح کا ارتفاع بیان کر دیا جائے)۔"

اس فرمان نبوی پر عمل درآمد کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مجاہدین کے ساتھ فوراً واپس تشریف لائے۔

نوٹ

یہ واقعہ قبل ازیں جواب المطاعن (بحث سب و شتم تحت عنوان سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت) میں ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں مزید حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور کبار محدثین کے حوالے ذکر کر دیے ہیں تاکہ اہل ذوق حضرات رجوع کر کے تسلی کر سکیں۔

---

[1] مشکوۃ شریف ص ۳۴۷ باب الامان فصل ثانی، طبع نور محمدی دہلی
ابوداود شریف ص ۲۳-۲۴ ج ۲ کتاب الجهاد باب فی الامام یکون بینه وبین العدو عهد، طبع مجتبائی دہلی
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۵۹ ج ۱۲ تحت کتاب الجهاد طبع کراچی
المنتقی (ابن جارود نیساپوری) ص ۳۵۷-۳۵۸ باب کراهیة السیر فی بلاد العدو...... الخ
صحیح ابن حبان ص ۱۸۲ ج ۸ تحت بان العقد اذا وقع۔

(۲) اسی طرح عہد و پیمان کی رعایت کا ایک دوسرا واقعہ پیش خدمت ہے جسے مورخ بلاذری نے فتوح البلدان میں درج کیا ہے۔ وہ آں موصوف کے ایام میں پیش آیا تھا:

ایک بار اہل روم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کی کہ رومی اہل اسلام کو (اس قدر) مال ادا کریں گے مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے چند آدمی بطور رہن کے زیر تحویل کر لیے اور ان کو بعلبک کے مقام پر ٹھہرایا۔ پھر اس معاہدہ کے بعد رومیوں نے بدعہدی کر دی اور نقض عہد کرتے ہوئے ادائے اموال سے روگردانی اختیار کی۔ اس معاملہ کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آں موصوف نے اور اس موقع کے دوسرے اکابر اہل اسلام نے ان سے بدعہدی کا بدلہ نہیں لیا اور جو رومی ان کی تحویل میں تھے ان کے قتل کو حلال نہیں سمجھا بلکہ ان کو واگذار کر دیا اور کہا کہ بدعہدی کے عوض میں بدعہدی کرنے کے بجائے وفا کرنا بہتر ہے۔

((ان الروم صالحت معاوية رضي الله عنه على ان يودى اليهم مالا وارتهن معاوية رضي الله عنه منهم رهنا فوضعهم ببعلبك ثم ان الروم غدرت فلم يستحل معاوية رضي الله عنه والمسلمون قتل من فى ايديهم من رهنهم وخلوا سبيلهم وقالوا وفاء بغدر خير من غدر بغدر قال هشام وهو قول العلماء الاوزاعى وغيره))[1]

تنبیہ

پیش کردہ روایات عموماً مشہور محدثین و مورخین سے منقول ہیں۔ مندرجات بالا پر نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف کے عہد خلافت میں اتباع سنت نبوی کا بہت احترام کیا جاتا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرعی احکام پر پوری طرح کاربند رہتے تھے یہ بے راہرو اور متغلب فرماں روا نہیں تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی احکام کی صریح خلاف ورزی کا جو پروپیگنڈا کیا جاتا ہے وہ سراسر واقعات کے خلاف اور صرف نظریاتی تعصب پر مبنی ہے اور جس نے بھی اسے پیش کیا ہے اس نے اسے تاریخ کے بے سروپا اور رطب و یابس ردی مواد سے مرتب کیا ہے۔

ناظرین کرام! اپنی علمی استعداد اور دانشمندی سے اس معاملہ میں آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ تاریخی رطب و یابس پر مشتمل روایات اور فن حدیث کے اکابر محدثین کی مرویات میں مرتبہ و مقام کے لحاظ سے کیا کچھ فرق ہے؟ پھر ان دونوں قسم کے مواد اور معلومات میں موازنہ کرنا ایک عامی آدمی اور سطحی شخص کا کام نہیں ہے بلکہ اس فن کے ماہر علمائے کرام کا یہ منصب ہے۔

فلہٰذا انصاف پسند حضرات سے امید کی جاتی ہے کہ ان مسائل کے ردوقبول کے باب میں امتیاز مذکور کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں گے اور حضرت موصوف کے مقام و مرتبہ کا تعین اور ان کے دینی کردار کا فیصلہ فصل ہذا کے مندرجات کی روشنی میں خود کر سکیں گے۔ گزشتہ صفحات میں بیشتر مواد احادیث سے پیش کیا گیا ہے۔

---

[1] کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۶۵، ۱۶۶ تحت امر السامرۃ۔ طبع مصر

فصل ہشتم

استجابت دعا اور نصرت غیبی اور کرامات کا ظہور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت اگرچہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد سے دوسرے درجے کا ہے تاہم اس میں دین اسلام کے احیا و بقا کے لیے بہت مساعی کی گئیں اور یہ عنداللہ مقبول ہوئیں۔

بنا بریں اس دور میں برکات خداوندی کا ظہور پایا گیا اور عنایات الٰہی کا مظاہرہ بھی بار بار ہوتا رہا۔ چنانچہ اس سلسلے میں استجابت دعا، نصرت غیبی اور ظہور کرامت کے واقعات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک امور بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ امور اس عہد کے خیر وصلاح پر دال ہیں۔

لوگوں نے جو اس دور کے متعلق غلط نظریات قائم کر رکھے ہیں اور اسے ظلم وتعدی کا زمانہ قرار دیا ہے یہ چیز درست نہیں ہے اور واقعات کے برخلاف ہے۔

طلب باراں کے لیے دعا

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک سال دمشق کے علاقہ میں قحط پڑ گیا۔ آں موصوف نے بارش کے لیے دعا کا انتظام کرتے ہوئے لوگوں کو ایک مقام پر جمع کیا اور خود منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اس اجتماع میں ایک بزرگ یزید بن اسود جرشی رحمہ اللہ تھے جنھوں نے جاہلیت کا دور پایا پھر اسلام لائے اور علاقہ شام میں سکونت اختیار کی۔ یہ ایک صالح انسان تھے اور اپنی نیکی اور تقویٰ میں مشہور اور مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود رحمہ اللہ کو طلب کیا اور اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا۔

((فقال معاويه رضي الله عنه اللهم انا نستشفع اليك اليوم بخيرنا وافضلنا اللهم انا نستشفع اليك بيزيد بن الاسود الجرشي يا يزيد ارفع يديك الى الله فرفع يزيد يديه ورفع الناس ايديهم۔ فما كان اوشك ان ثارت سحابة في الغرب كانها ترس وهبت لها ريح فسقينا حتى كاد الناس ان لا يبلغوا منازلهم))[1]

---

[1] کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۸۰-۳۸۱ ج ۲ تحت یزید بن اسود الجرشی
طبقات ابن سعد ص ۱۵۵، ج ۷ قسم ثانی تحت یزید بن اسود الجرشیؒ، طبع لیڈن
علوم الحدیث (ابن اصلاح) ص ۳۳۴ تحت النوع ۵۶، طبع مدینہ منورہ
الاصابہ مع الاستیعاب ص ۶۳۴ ج ۳ تحت یزید بن اسود الجرشیؒ، طبع مصر۔

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! ہم اپنے بہترین اور افضل آدمی کے توسل سے تیری طرف استشفاع کرتے ہوئے تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں اور یزید بن اسود جرشی رحمہ اللہ سے کہا کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھائیے۔ اس پر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور باران رحمت کی دعا کی۔ اسی وقت مغرب کی جانب سے ڈھال کی شکل کا بادل اٹھا، ہوا چلنے لگی اور لوگوں کے اپنی منازل تک پہنچنے سے قبل بارش ہونے لگی۔''

(۲) مشہور مورخ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں طلب باراں کا ایک دیگر واقعہ لکھتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ ایک علاقے میں بارش کی کمی واقع ہوئی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود دیگر اہل اسلام کی معیت میں ایک مقام ''الدم'' کی طرف نکلے۔ وہاں انھوں نے طلب باراں کے لیے دعائیں کیں حتیٰ کہ بارش شروع ہوگئی اور پانی سے وادیاں بہنے لگیں۔

((قال مکحول: وخرج معاویة رضی اللہ عنہ والمسلمون الی موضع الدم یستسقون فلم یزل ولم یبرحوا حتی سالت الاودیة))[1]

قبولیت دعا

مشہور فقیہ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے شرح سیر الکبیر میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی استجابت دعا ظاہر طور پر ثابت ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے فریق مقابل میں سے ایک شخص نے ایک موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے امان طلب کی حالانکہ اس شخص کی طرف سے مسلمانوں کو بہت مصیبت اور اذیت پہنچ چکی تھی تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس شخص کو اپنی ذات (کے متعلق امان طلب کرنے) سے غافل فرمادے۔ پس اس شخص نے امان طلب کرتے وقت اپنے اہل اور قوم کے لیے امان طلب کی لیکن اپنی ذات کے متعلق امان طلب کرنا بھول گیا۔ پس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی قوم اور اہل کو تو امان دے دی مگر وہ خود امان کے الفاظ میں مذکور نہ ہونے کے سبب قتل کر دیا گیا۔

((وقد حکی ان مثل هذه الحادثة وقع فی زمن معاویة رضی اللہ عنہ وکان الذی یسعی فی طلب الامان للجماعة قد آذی المسلمین۔ فقال معاویه رضی اللہ عنہ اللهم اغفله عن نفسه فطلب الامان لقومه واهله ولم یذکر نفسه بشیء فاخذ

---

[1] تاریخ ابن عساکر، ص ۱۰۵ ج ۲ تحت باب ذکر فضل المساجد المقصودہ ...... الخ
تاریخ ابن عساکر کامل ص ۱۰۹ ج ۲ تحت باب ذکر فضل المساجد المقصودہ (طبع اول دمشق)

و قتل))[1]

نصرت غیبی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نصرت غیبی کا ایک اور واقعہ ۵۰ھ میں پیش آیا۔ اسے خلیفہ ابن خیاط رحمہ اللہ نے غزوہ قیقان کے تحت ذکر کیا ہے۔

ایک مجاہد ابوالیمان النبال کہتے ہیں کہ ہم نے سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ کی معیت میں قیقان کے غزوہ میں شرکت کی۔ دشمن کی کثیر قوم سے ہمارا سامنا ہوا تو ہمیں اپنے امیر جیش سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمھیں خوشخبری ہو کہ تم دو چیزوں میں سے ایک حاصل کرو گے۔ غنیمت کا مال حاصل ہوگا یا (شہید ہونے پر) جنت ملے گی۔

چنانچہ جب دشمن سے مقابلہ کا وقت آیا تو سنان موصوف رضی اللہ عنہ نے سات چھوٹے پتھر اٹھا لیے اور اپنے جیش کو روک کر کہنے لگے کہ جس وقت سورج ڈھل جائے تو میں ان پتھروں کو دشمن کی طرف پھینکوں گا۔ پھر جب زوال شمس ہوا تو اس نے پتھر پھینکنے شروع کیے اور اپنے مجاہدین کو دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا پھر وہ بار بار تکبیر کہتے رہے اور پتھر پھینکتے رہے۔ ساتھ ہی یہ الفاظ بھی کہتے رہے: "حم لا ینصرون" پس ہم نے دشمن کو قتل کیا اور بہت سی مسافت پیچھے ہٹا دیا۔ وہاں اس قوم کا قلعہ تھا انھوں نے اپنے قلعے میں جا کر پناہ لے لی۔

((فقالوا: والله ما انتم قتلتمونا ولا قتلنا الا رجال ما نراهم معكم الان على خيل بلق عليهم عمائم بيض۔ فقلنا ذالك نصر الله۔ فرجعنا والله ما اصيب منا الا رجل واحد))[2]

"یعنی جب وہ مغلوب ہو گئے اور پکڑے گئے تو وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم تم لوگوں نے ہمیں قتل نہیں کیا ہمیں تو ایک جماعت نے قتل کیا ہے جن کو اب ہم تمھارے ساتھ نہیں دیکھ رہے۔ وہ لوگ تو ابلق (سفید) گھوڑوں پر سوار تھے اور سفید عمامے پہنے ہوئے تھے۔ پس ہم نے جواب میں کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص غیبی نصرت اور مدد تھی۔

روایت کرنے والا کہتا ہے کہ ہم اس غزوہ سے واپس ہوئے اور کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ اللہ کی قسم! ہمارا صرف ایک آدمی اس غزوہ میں مصیبت زدہ ہوا۔"

تنبیہ

عنوان بالا کے سلسلے میں چند ایک چیزیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بطور کرامت ظاہر

---

1. شرح السیر، سرخسی ص ۳۲۶ طبع مصر۔ ص ۲۲۰ ج ا طبع حیدرآباد، تحت باب ما صدق المستامن فیہ من اہل الحرب الخ
2. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۸، ج ا تحت سنہ ۵۰ھ (غزو القیقان)

ہوئی تھیں۔ درج ذیل واقعات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں:

① دیار افریقہ میں حضرت عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ کی زیر قیادت قیروان کے مقام کو آباد کیا گیا۔ وہ مقام ایک گھنے جنگل کی صورت میں تھا اور وہاں سباع، بہائم (درندے) اور سانپ بچھو وغیرہ کثرت سے تھے۔ حضرت عقبہ بن نافع فہری موصوف رحمہ اللہ (جو ایک مستجاب الدعوات تابعی بزرگ تھے) نے وہاں اس جنگل کے حیوانات کو آواز دی کہ یہاں سے نکل جاؤ ہم نے یہاں آباد ہونا ہے۔ ان کی ندا کرنے کے بعد اس وادی کے تمام حیوانات وہاں سے نکل گئے اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تمام درندے وادی سے نکلے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد پھر وہاں قیروان کے اس مقام کو آباد کیا گیا۔

واقعہ مذکورہ بالا قبل ازیں فتوحات افریقہ میں قیروان کی آبادکاری کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے اور اس کے حوالہ جات وہاں حاشیہ میں ذکر کر دیے تھے۔ مزید حوالہ جات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۸۰ ج ۳ تحت عقبہ بن نافع فہری رحمہ اللہ

۲۔ معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۴۲۱ ج ۱۶ تحت قیروان

② اسی طرح ظہور کرامت کا دیگر واقعہ بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آیا تھا اور وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے متعلق ہے۔ قبل ازیں غزوہ قسطنطنیہ کے عنوان کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔

مختصراً وہ اس طرح ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس جیش میں شامل تھے جس نے قسطنطنیہ پر ۵۲ھ میں حملہ کیا تھا اور اس جیش کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی دوران میں بیمار ہو گئے اور مرض کی نازک صورت حال میں انھوں نے وصیت فرمائی کہ میرے انتقال پر غسل وکفن کے بعد مجھے جہاں اسلام کی فوجیں دشمن سے مقابلہ کر رہی ہیں وہاں جا کر دفن کر دینا۔ حسب وصیت آپ کو قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے دامن میں دفن کر دیا گیا۔ پھر اس کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک سے ایک نور آسمان کی طرف بلند ہوا اور یہ منظر اطراف کے لوگوں نے دیکھا تو اس ظہور کرامت پر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، اور بعدہ وہ لوگ طلب باراں کے لیے اس سے توسل پکڑے تھے..... الخ[1]

[1] شرح السیر الکبیر (شمس الائمہ سرخسی) ص ۱۵۷، ج ۱ تحت باب الشہید وما یصنع بہ طبع اول حیدر آباد دکن۔

فصل نہم

بنی ہاشم واولاد ابی طالب کے ساتھ ربط وتعلق کی چیزیں

(مع عطیات وہدایا کے)

اس مقام پر چند ایک ایسی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہاشمی حضرات خصوصاً حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ واضح ہوتا ہے۔ اور آں موصوف کی طرف سے اپنے عہد خلافت میں ان حضرات کے مابین بہتر روابط کا پایا جانا ہمارے دعویٰ کی تصدیق ہے۔

اس سلسلے میں اگرچہ بعض چیزیں قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلقات کے تحت ذکر کر دی ہیں تاہم یہاں اس مقام پر مزید چیزیں بھی ذکر کی جائیں گی اور سابقہ مندرجات کا حوالہ بھی دے دیا جائے گا۔

مختصر یہ ہے کہ بنی ہاشم واولاد ابی طالب کے ساتھ ربط وتعلق کے مواقع بدلائل پیش کیے جاتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبانی فضیلت بنی ہاشم کا اقرار

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں بھی بنی ہاشم کی فضیلت اور شرف کے قائل تھے اور ان سے بہتر روابط رکھنے کے روادار تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ابوالحسن مدائنی نے سلمہ بن محارب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیان ذکر کیا ہے:

((قال قیل لمعاویة رضی اللہ عنہ ایکم کان اشرف؟ انتم او بنو ھاشم قال کنا اکثر اشرافا وکانوا ھم اشراف فیھم واحد لم یکن فی بنی عبد مناف مثل ھاشم فلما ھلك کنا اکثر عددا و اکثر اشرافا وکان فیھم عبدالمطلب لم یکن فینا مثله فلما مات صرنا اکثر عددا و اکثر اشرافا ولم یکن فیھم واحد کواحدنا فلم یکن الا کقرار العین حتی قالوا منا نبی فجاء نبی لم یسمع الاولون والاخرون بمثله محمد صلی اللہ علیہ وسلم فمن یدرك ھذا الفضیلة وھذا الشرف))[1]

''یعنی سلمہ بن محارب نے کہا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک بار اس طور پر سوال کیا گیا کہ آپ بنی امیہ شرف وعزت میں زیادہ ہیں یا بنی ہاشم؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت کرتے

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۸ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

ہوئے یوں جواب ذکر کیا کہ ہم دونوں قبیلے صاحب شرافت تھے لیکن ہاشم جیسا بنی عبد مناف میں کوئی نہیں تھا۔ جب ہاشم فوت ہو گئے تو ہمارے قبیلے کا عدد زیادہ تھا، ہم بنی امیہ عدد اور شرف میں زیادہ تھے لیکن عبدالمطلب جیسا ہم میں کوئی فرد نہیں تھا۔ جب عبدالمطلب فوت ہوئے تو پھر بھی ہم شرف اور عدد میں زیادہ تھے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ بنی ہاشم نے کہا کہ ہم میں نبی مبعوث ہوئے ہیں۔ پس ایسے نبی تشریف لائے کہ اولین و آخرین نے اس جیسا نہیں سنا۔ وہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس اس فضیلت اور شرف کو اور کون حاصل کر سکتا ہے؟ کوئی نہیں۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس بیان میں قبیلہ بنی ہاشم کے تفوق اور مرتبے میں فائق ہونے کا برملا اقرار کیا گیا ہے۔

② ایک دوسرے مقام پر شیعہ مصنفین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف آں موصوف نے ارسال کیا تھا۔ اس خط میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شرافت اور فضیلت اور قرابت کا واضح طور پر اقرار کیا گیا ہے:

((فاما شرفك في الاسلام وقرابتك من النبي صلى الله عليه وسلم ومن موضعك من قريش فلست ادفعه))[1]

"یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جواب میں تحریر کرتے ہیں کہ جو فضیلت و شرف اسلام میں آپ کو حاصل ہے اور جو نسبی قرب آپ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نصیب ہے اور جو بنی ہاشم میں آپ کا مقام ہے میں اس چیز کو رد نہیں کرتا (بلکہ ان سب کو تسلیم کرتا ہوں)۔"

حضرت عقیل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے برادر کلاں تھے اور اولاد ابی طالب میں ایک مقتدر مقام رکھتے تھے۔ مورخین کے نزدیک اپنے دور کے نسب دانوں میں مشہور تھے اور دور جاہلیت کے اہم واقعات ان کو ازبر تھے اور بے باکی سے کلام کرنا ان کا شیوہ تھا۔

ان کے متعلق سنی و شیعہ علماء لکھتے ہیں کہ عہد خلافت مرتضوی میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے برادر امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے (اپنی رائے کے اختلاف کی بنا پر) الگ ہو گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے۔ بعدۂ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے لیکن آپ نے قتال نہیں کیا۔

---

[1] درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ ص ۲۰۱ تحت ومن کلام لہ علیہ وقد اشار علیہ اصحابہ بالاستعداد للحرب۔
شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۱۱۱ ج ۲ تحت ومن کلام لہ علیہ وقد اشار علیہ اصحابہ بالاستعداد للحرب طبع تہران۔

ہم یہاں شیعہ مورخ کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن عنبہ نے اپنی تصنیف ''عمدۃ الطالب'' میں تحریر کیا ہے کہ:

((وفارق اخاه عليا امير المؤمنين في ايام خلافته وهرب الى معاويه وشهد صفين معه غير انه لم يقاتل...... الخ))[1]

اولاد ابی طالب کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پرخاش رکھنے والے لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جس طرح صلواتیں سناتے ہیں اور سب وشتم کرتے ہیں وہ ہرگز درست نہیں۔ بعض امور میں اختلاف رائے کا پایا جانا ایک فطری امر ہے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور وقار کا لحاظ رکھنا اپنے مقام پر ضروری ہے۔ اس بنا پر کہ اولاد ابی طالب اور حضرت موصوف کے مابین بہتر روابط قائم تھے۔

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ حسب موقع گفتگو ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا اکرام کیا اور عزت افزائی فرمائی اور ایک لاکھ درہم کا عطیہ دیا۔ اس واقعہ کو متعدد سنی وشیعہ علماء نے اپنی اپنی عبارات میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ:

((ووفد على معاوية واكرمه...... فاتى معاوية فاعطاه مائة الف...... الخ))[2]

اور شیعہ کے عالم کبیر شیخ ابوجعفر طوسی شیخ الطائفہ نے اپنی تصنیف امالی میں اس مضمون کو نقل کیا ہے:

((قد امرنا لك بمائة الف فاعطاه مائة الف))[3]

قبل ازیں ہم نے یہ حوالہ اپنی کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۲۰۷ میں ''حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا وظیفہ'' کے عنوان کے تحت ذکر کر دیا ہے۔ واقعہ ہذا میں بنی ہاشم کی قدردانی اور ان کے ساتھ تعاون کا واضح ثبوت موجود ہے۔

سیدنا امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بڑا مقام تھا اور ان حضرات کے باہم تعلقات اور قدردانی کی کئی چیزیں احادیث اور اسلامی تاریخ میں مذکور ہیں۔ قبل ازیں حضرت امیر معاویہ اور

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۱ تحت الاصل الاول فی ذکر عقب عقیل بن ابی طالب از سید جمال الدین احمد بن علی حسنی المعروف بابن عنبہ المتوفی ۸۲۸ھ

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۲۳-۲۲۴ ج ۲ تحت ترجمہ عقیل بن ابی طالب

[3] امالی، شیخ ابوجعفر طوسی شیعی ص ۳۳۴ ج ۲ تحت مجلس، طبع عراق نجف اشرف

سیدنا حسن رضی اللہ عنہما کے صلح و مصالحت کا مسئلہ بیان ہو چکا ہے، اس کے بعد اب دیگر روابط مختصراً بیان کیے جاتے ہیں:

① محدثین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے جس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ثبوت موجود ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں ذکر کرتے ہیں کہ

((عن معاوية رضي الله عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمص لسانه او قال شفتيه يعني الحسن بن علي صلوات الله عليه وانه لن يعذب لسان او شفتان مصهما رسول الله صلى الله عليه وسلم))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) صغر سنی میں تھے اور میں نے دیکھا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جناب حسن (رضی اللہ عنہ) کی زبان کو چوس رہے تھے یا ان کے ہونٹوں کو بوسہ دے رہے تھے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس زبان کو چوسا یا جن ہونٹوں کو بوسہ دیا ان کو ہرگز عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔''

② محدثین نے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی گویائی میں نقص بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ کلام کرنے میں عاجز ہیں اور رک جاتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں فرمایا کہ اس طرح مت کہیں کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حسن (رضی اللہ عنہ) کے دہن میں اپنا لعاب مبارک ڈالا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کے منہ میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنا لعاب دہن ڈالیں وہ عاجز الکلام نہیں۔

((قال عمرو بن العاص رضي الله عنه وابو الاعور السلمي لمعاوية رضي الله عنه ان الحسن بن علي عيي۔ فقال معاوية رضي الله عنه لا تقولا ذالك فان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد تفل في فيه ومن تفل في فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم فليس بعيي))[2]

③ شیعہ کے قدیم اور مشہور مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ گفتگو کرنے والے جناب حسن بن علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) ہیں کہ جن کے متعلق ہم چاہتے ہیں کہ وہ گفتگو کرتے رہیں اور خاموش نہ

[1] مسند امام احمد ص ۹۳ جز رابع تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۷۷ ج ۹ تحت باب ما جاء فی حسن بن علی رضی اللہ عنہما فی فضل اہل البیت
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۷۲ ج ۳ تحت تذکرہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

[2] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۱۷۷ ج ۹ تحت باب فی فضل اہل البیت رضی اللہ عنہم
کنز العمال ص ۱۰۴، ج ۷ روایت نمبر ۱۷۸ ۶ طبع اول حیدر آباد دکن بحوالہ ابن عساکر۔

ہوں اور فرمایا کہ میں نے جناب حسن (رضی اللہ عنہ) کی زبان سے ایک بار کے سوا کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سنا۔ وہ اس طرح کہ جناب حسن بن علی المرتضیٰ اور عمرو بن عثمان (رضی اللہ عنہما) کے مابین ایک قطعہ زمین کے سلسلے میں ایک تنازع واقعہ ہوا تھا۔ اس معاملہ میں رفع نزاع کے لیے حسن (رضی اللہ عنہ) نے ایک تجویز پیش کی جسے عمرو بن عثمان نے پسند نہیں کیا۔ اس وقت جناب حسن (رضی اللہ عنہ) نے ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، اس کی ناک خاک آلود ہو۔ بس یہی فحش کلمہ ہے جس کے سوا میں نے ان کی زبان سے کوئی فحش کلمہ نہیں سنا۔

((وقال معاوية رضي الله عنه ما تكلم عندى احد كان احب الى اذا تكلم ان لا يسكت من الحسن بن على رضي الله عنهما وما سمعت منه كلمة فحش قط الامرة، فانه كان بين الحسن بن على وبين عمرو بن عثمان بن عفان رضي الله عنهما خصومة فى ارض۔ فعرض الحسن بن على رضي الله عنهما امرا لم يرضه عمرو فقال الحسن رضي الله عنه: ليس له عندنا الا ما رغم انفه۔ فهذه اشد كلمة فحش سمعتها منه قط))[1]

④ مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موجود تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''مروت'' کا مفہوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مروت یہ ہے کہ انسان کی سمجھ (فقہ الرجل) اپنے دین کے بارے میں ہو اور وہ اپنے معاش میں اصلاح کرے (یعنی جائز و ناجائز میں امتیاز رکھے) مخالفت کی صورت میں لوگوں کے ساتھ بہتر معاملہ سے پیش آئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ''نجدہ'' (قوت، بہادری، دلیری) کیا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ظلم کی مدافعت کرنا اور مکروہ چیزوں پر اقدام کا خلاف کرنا۔

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ''جود'' (سخاوت) کا مفہوم کیا ہے؟ تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فضیلت کے ساتھ احسان کرنا اور سوال سے قبل عطا کرنا اور مشکل اوقات میں طعام دینا۔

یہ جوابات سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شہادت دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ آپ نے سچ فرمایا۔

((وزعموا ان معاوية رضي الله عنه قال للحسن بن على رضي الله عنهما ما المروة؟ فقال فقه الرجل فى دينه واصلاحه معاشه وحسن مخالفته للناس۔ فقال فما النجدة؟

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۲۷ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی رضی اللہ عنہما طبع بیروت

قال الذب عن الجارة والاقدام على الكريهة قال فما الجود؟ قال التبرع بالافضال والاعطاء قبل السوال و الاطعام عند الامحال قال معاوية رضی اللہ عنہ اشهد بالله لقد صدقت))[1]

اور شیعہ علماء میں سے شیخ صدوق نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں حضرت امیر معاویہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی ''مروت'' سے متعلق گفتگو کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((قال عبدالرحمن بن العباس و رفعه قال سأل معاوية الحسن بن علی علیہ السلام عن المروة فقال شح الرجل على دينه واصلاحه ما له وقيامه بالحقوق فقال معاوية احسنت يا با محمد احسنت يا با محمد))[2]

''مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروت کے متعلق سوال کیا کہ مروت کیا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ''آدمی کا اپنے دین کی حفاظت میں حرص کرنا (ناجائز طریقے سے بچانے کے لیے) اپنے مال کی اصلاح رکھنا اور حقوق کی ادائیگی قائم کرنا'' یہ جواب معلوم کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابومحمد آپ نے بہترین جواب دیا ہے۔''

عبدالرحمٰن بن عباس نے کہا کہ اس کے بعد جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور مزید گفتگو کرتے تو مجھے پسند تھا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بات کو لوٹاتے اور دہراتے تھے۔

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا باہم ربط تھا اور کوئی عناد اور کدورت نہیں رکھتے تھے اور ایک دوسرے کی مجالس میں بے تکلفی سے علمی مذاکرات جاری رکھتے تھے۔

سیدنا حسین اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

سابقہ مندرجات میں حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی تعلق کی چند چیزیں ذکر کی ہیں۔ اب اس مقام پر سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی روابط کی بعض اشیاء مختصراً درج کی جاتی ہیں جن سے ان حضرات کا بہتر ربط و تعلق ثابت ہوتا ہے:

① عامر شعبی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک بار مسماۃ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ام ابراہیم (ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہل قریہ کے جزیہ کے متعلق (جو ولایت مصر میں تھا) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سفارش قبول کرتے ہوئے) اس جزیہ کو معاف کر دیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبطیوں کے ساتھ خیر کی وصیت فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] کتاب معانی الاخبار (شیخ صدوق شیعی) ص ۷۵ باب نمبر ۱۰۴ طبع قدیم۔

((عن الشعبی ان علی بن الحسین رضی اللہ عنہ او الحسین رضی اللہ عنہ نفسه کلم معاویة فی جزیة اهل قریة ام ابراهیم ابن رسول الله ﷺ بمصر فوضعها عنهم۔ کان النبی ﷺ یوصی بالقبط خیرا))[1]

تنبیہ

واقعہ ہذا کے متعلق مورخین کی نقل عبارت میں اس طرح کا فرق پایا جاتا ہے کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ سفارش سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کی تھی یا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے؟ اس اختلاف سے اصل واقعہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ہمارے مضمون کی تائید ہر صورت میں پائی جاتی ہے۔

اور بعض مقامات پر علی بن حسین رحمہ اللہ کا نام بھی اس موقع پر منقول ہے وہ بظاہر نقل ناقلین کا سہو ہے۔ واللہ اعلم

واقعہ ہذا کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شہر والوں سے ان کے احترام و تکریم کی بنا پر خراج (ٹیکس) معاف کر دیا ففعل معاویة ذالك رعایة لحرمتهم[2] اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا جناب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سفارش منظور فرمائی جوان کی قدر دانی کا عمدہ ثبوت ہے۔

④ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں مقام ینبع میں زرعی زمین کی بغیبغہ اور عین ابی نیرز نامی دو جائدادیں تھیں جو آپ نے فقرائے مدینہ اور مسافروں پر وقف کر رکھی تھیں اور ساتھ یہ بھی شرط لگا دی تھی کہ حسن یا حسین (رضی اللہ عنہما) کو کسی مجبوری کے وقت ان کی ضرورت پڑے تو انھیں ان جائدادوں سے فائدہ اٹھانے کا پورا حق ہے۔

واقعہ ہذا کے آخر میں یہ بات مذکور ہے کہ ایک بار حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر عہد خلافت علوی کے بعد بہت سا قرض ہو گیا اور وہ ان حالات میں مجبور ہو گئے۔ جب یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے عین ابی نیرز کی جائداد کے متعلق پیشکش کی کہ اسے میرے ہاتھ ایک لاکھ میں فروخت کر دیں لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس وقف جائداد کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور اس وقف کو بحال رکھا۔

((انه وقفهما علی فقراء المدینة وابن السبیل الا ان یحتاج الحسن رضی اللہ عنہ او الحسین رضی اللہ عنہما فهما طلق وفی اخر الخبر ان الحسین رضی اللہ عنہ احتاج لاجل دین علیه فبلغ ذالك معاویة رضی اللہ عنہ فذفع له فی عین ابی نیرز مائة الف۔ فابی ان

---

[1] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۲۶ تحت فتوح مصر و مغرب۔ طبع مصر
سیرت حلبیہ (علی بن برہان الدین حلبی شافعی) ص ۳۵۰، ج ۳۔

[2] سیرت حلبیہ ص ۳۵۰ ج ۳ باب ذکر اولاده ﷺ

يبيعها وامضى وقفها))[1]

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عین ابی نیرز کی زرعی زمین خریدنے کے لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دو لاکھ دینار ارسال کیے مگر حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے جائداد ہذا کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا (اور اس وقف کو بحال رکھا)۔

((قال ابن هشام فركب الحسين رضي الله عنه دين فحمل اليه معاوية بعين ابى نيرز مائتى الف دينار۔ فابى ان يبيع))[2]

واقعہ ہذا سے معلوم ہوا کہ

- سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ضرورت کے باوجود اپنے اکابر کے اوقاف کو اپنی صحیح نوعیت پر قائم رکھا اور انھیں ضائع نہیں کیا۔
- نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ضرورت کا اپنی جگہ پر احساس کرتے ہوئے ان کی ضرورت کو پورا کرنے کی پیشکش کی اور حاجت روائی کا لحاظ کیا۔

④ مسافع بن شیبہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج پر تشریف لائے۔ ردم کے مقام پر پہنچے تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سواری کی باگ روک کر اسے بٹھا دیا۔ اس کے بعد دونوں حضرات (سیدنا حسین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) نے طویل سرگوشی کی صورت میں گفتگو کی۔ پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے مقام کی طرف واپس ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار ہو کر آگے تشریف لے گئے۔

((عن مسافع بن شيبة قال: حج معاوية فلما كان عند الردم اخذ الحسين رضي الله عنه بخطام ناقته فاناخ به راحلته ثم ساره طويلا ثم انصرف وزجر معاوية راحلته وسار))[3]

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے مابین کوئی عناد نہیں تھا بلکہ تعلق تھا اور عند الضرورت گفتگو کرتے اور احوال سے آگاہ ہوتے تھے۔

باہم معاہدہ کی رعایت اور بیعت کا لحاظ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح و مصالحت کا عہد کر چکے تھے اور بیعت خلافت

---

[1] الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۹۸ ج ۴ تحت ۱۱۷۰، ابو نیرز مع الاستیعاب طبع مصر

[2] وفاء الوفاء (نور الدین سمہودی) ص ۱۲۷۲ ج ۴ تحت عین ابی نیرز۔

[3] کتاب انساب الاشراف بلاذری) ص ۵ ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، قسم اول جز رابع

کو تسلیم کر چکے تھے۔ عراق کے لوگ ان کو خلاف کرنے پر زور دیتے تھے۔ چنانچہ شیعہ کے اکابر علماء مثلاً شیخ مفید وغیرہ نے مسئلے کو اس طرح لکھا ہے کہ

① سیدنا حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد عراق کے شیعوں نے سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر آمادہ کرنے کی پر زور کوشش کی اور ان کی بیعت کو توڑ دینے کے لیے تحریر کیا۔ لیکن اس صورت میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے عراقی ہوا خواہوں کے جواب میں اپنے مافی الضمیر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ معاویہ اور میرے درمیان صلح کا معاہدہ اور بیعت کا عقد ہو چکا ہے اب میں اس عہد ہذا کے نقض کرنے کو ناجائز سمجھتا ہوں حتیٰ کہ اس کی مدت ختم ہو جائے (یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت تمام ہو جائے)۔

((لما مات الحسن علیہ السلام تحرکت الشیعة بالعراق وکتبوا الی الحسین علیہ السلام فی خلع معاویة والبیعة له فامتنع علیهم وذکران بینه وبین معاویه عهدا وعقد لا یجوز له نقضه حتی تمضی المدة))[1]

اور دیگر مورخین نے بھی اس چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے۔ چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس طرح لکھا ہے کہ

((فکان اهل الکوفة یکتبون الی الحسین رضی اللہ عنہ ویسألونه الخروج الیهم۔ وکان ذالك ایام خلافة معاویة رضی اللہ عنہ فکان یابی ولا یجیبهم الی طلبهم))[2]

اور شیعہ کے قدیم تر مورخ دینوری نے بھی اس واقعہ کو اخبار الطوال میں درج کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے برہم ہونے والے معاندین نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے خلاف نقض عہد کرنے اور بیعت کو ختم کر ڈالنے پر آمادہ کرنا چاہا تھا لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

((فقال الحسین انا قد بایعنا وعاهدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا))[3]

"یعنی ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر چکے ہیں اور صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں اب بیعت ہذا کے توڑنے کی کوئی صورت نہیں۔"

اکابر شیعہ کے بیانات سے واضح ہوا کہ حضرت حسین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا باہم ربط اور تعلق معاہدہ کی صورت میں موجود تھا اور بیعت خلافت کرنے کے بعد وہ اس عہد پر قائم تھے اور اسی صورت حال پر

---

1. الارشاد (شیخ مفید) ص۱۸۲ ذکر حالات الحسین فصل فی بیعۃ الحسین عن الناس، طبع تہران۔
2. تلخیص ابن عساکر ص۳۲۶ ج۴ تحت ذکر قصہ واقعہ الحسین رضی اللہ عنہ وفضلہ
3. اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص۲۲۰ بحث مبایعہ معاویہ بالخلافہ وزیاد بن ابیہ مطبوعہ قاہرہ مصر

ہمیشہ رہے، اس میں تبدیلی نہیں کی اور یہ معاہدہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت تک رہا۔

نوٹ

قبل ازیں حوالہ ہذا جواب المطاعن (بحث قتل حجر بن عدی) میں اور کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۹۳ پر درج ہو چکا ہے۔ یہاں تسلسل مضمون کی خاطر ذکر کیا گیا۔

④ نیز شیعہ مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک بار مدینہ طیبہ کے والی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آپ کی خلافت کی مخالفت میں کچھ اقدام کرنا چاہتے ہیں۔

یہ چیز معلوم کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے والی مدینہ منورہ کو اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو الگ الگ مکتوب ارسال کیے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے والی مدینہ کی طرف تحریر کیا کہ آپ جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کے متعلق کچھ فکر نہ کریں اور کوئی تعرض نہ کریں کیونکہ انھوں نے ہمارے ساتھ بیعت کر رکھی ہے اور وہ اپنی بیعت کو توڑنے والے نہیں اور وہ اپنی ذمہ داری کے عہد کو ختم نہیں کریں گے۔

((فکتب الیه معاویة رضی اللہ عنہ: لا تعرض للحسین فی شی فقد بایعنا ولیس بناقض ببیعتنا و لا مخضر ذمتنا))[1]

''اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکتوب ارسال کیا اور اس میں تحریر کیا کہ بعض چیزیں آپ کی طرف سے ہمارے ہاں پہنچی ہیں جو آپ کی شان کے لائق اور مناسب نہیں۔ اس لیے کہ جس شخص نے اپنے دائیں ہاتھ سے بیعت کا عہد کر دیا ہے یہ امر وفا کا متقاضی ہے اور ایفا کرنے کے لائق ہے۔ آپ پر اللہ کریم کی رحمت ہو۔ خیال رکھیے کہ آپ کو خفیف العقل لوگ جو فتنہ انگیزی کو پسند کرتے ہیں غیر مطمئن اور مضطرب نہ کر دیں۔ والسلام''

((وکتب الی الحسین اما بعد: فقد انتهت الی امور عنك لست بها حریا۔ لان من اعطی صفقة یمینه جدیر بالوفاء۔ فاعلم رحمك الله انی متی انکرك تستنکرنی ومتی تکدنی اکدك۔ فلا یستفزنك السفهاء الذین یحبون الفتنة۔ والسلام))[2]

اس کے بعد مکتوب ہذا کے جواب میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط روانہ کیا

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۴ تحت بین معاویہ و عمرو بن عاص (طبع مصر)

[2] اخبار الطوال (احمد بن داود دینوری شیعی) ص ۲۲۴-۲۲۵ طبع مصر تحت بین معاویہ و عمرو بن عاص

اور لکھا کہ

((فکتب الیہ الحسین ما ارید حربك ولا الخلاف علیك))[1]

''یعنی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا کہ ہمارا آپ کے ساتھ محاربہ وقتال کرنے کا کوئی قصد نہیں اور نہ مخالفت کا کوئی ارادہ ہے۔''

اور ابن عساکر نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((فکتب الیہ الحسین رضی اللہ عنہ: اتانی کتابك وانا بغیر الذی بلغك عنی جدیر والحسنات لا یهدی لها الا الله وما اردت لك محاربة ولا علیك خلافا))[2]

''یعنی جناب حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جواب ارسال کیا کہ آپ کا مکتوب مجھے ملا ہے۔ جو کچھ بات آپ کو میری طرف سے پہنچی ہے وہ میرے لائق نہیں بلکہ میں اس کے خلاف ہوں۔ نیک کاموں کی جانب اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتے ہیں۔ آپ کے ساتھ جنگ وجدال کا میرا ارادہ بالکل نہیں اور نہ مخالفت کرنے کا قصد ہے۔''

اکابر شیعہ کی طرف سے مزید تائید وتصدیق

سابقہ سطور میں ہم نے سیدنا حسین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان رفع نزاع کے سلسلے میں باہمی خط وکتابت پیش کی ہے۔ اس کے بعد ان حالات کا جائزہ بطور الزام شیعہ کے اکابر مورخین کے بیانات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ دینوری شیعی نے لکھا ہے کہ

((قالوا ولم یر الحسن ولا الحسین طول حیاة معاویة منه سوء فی انفسهما ولا مکروها۔ ولا قطع عنهما شیئا مما کان شرط لهما ولا تغیر لهما عن بر))[3]

''یعنی مورخین کہتے ہیں کہ حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی آپ کی طرف سے کوئی برائی یا ناپسندیدہ بات نہیں دیکھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان تمام شرائط میں سے کسی ایک شرط کو بھی ضائع نہیں کیا (جو ان حضرات کے درمیان طے ہوئی تھی) اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے حق میں کسی احسان اور بھلائی کے امر کو تبدیل نہیں کیا (اور ان کے مفادات کے خلاف نہیں کیا)۔''

---

[1] اخبار الطوال (دینوری شیعی) ص ۲۲۵ تحت بین معاویہ وعمرو بن عاص

[2] تلخیص ابن عساکر، ابن بدران ص ۳۲۷ ج ۴ تحت ذکر واقعہ الحسین رضی اللہ عنہ وفضلہ

[3] الاخبار الطوال (احمد بن داود دینوری شیعی المتوفی ۲۸۲ھ) ص ۲۲۵ تحت بحث بین معاویہ وعمرو بن عاص طبع مصر قاہرہ

نوٹ

حوالہ ہذا ''مسئلہ اقربا نوازی'' ص ۱۹۴ پر قبل ازیں درج ہو چکا ہے۔
مختصر یہ ہے کہ:

- مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرات حسنین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مصالحت اور بیعت خلافت منعقد ہو چکی تھی وہ صحیح اور درست تھی اور اس میں مخادعت و دھوکا دہی کا کوئی دخل نہیں تھا۔
- ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی عداوت اور دشمنی نہیں تھی اور نہ ان دونوں حضرات نے ایک دوسرے کے ساتھ خلاف کرنا پسند کیا بلکہ باہمی حقوق کی رعایت پوری طرح قائم رکھی۔
- باوجودیکہ بغض پرخاش رکھنے والے لوگوں نے ان دونوں حضرات کے درمیان منافرت اور نزاع پیدا کرنے کی پوری کوشش کی لیکن حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اسلامی اتحاد کو قائم رکھنے کی خاطر کوئی مخالفانہ اقدام نہیں کیا اور وحدت ملّی کو ملحوظ رکھا۔

حاصل یہ ہے کہ حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے عملی تعاون کے ذریعے سے ثابت ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح اور برحق تھی اور آں موصوف جائر اور ظالم خلیفہ نہیں تھے۔ اس وجہ سے کہ از روئے قواعد شرعی یہ حضرات ظالموں کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتے تھے۔

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشہور صاحبزادے ہیں اور حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے بعد ان کا اہم درجہ ہے بڑے اہل علم اور صاحب شجاعت جوان تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال سے قبل حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کو ان کے حق میں حسن سلوک کی وصیت فرمائی تھی۔

اہل تراجم نے لکھا ہے کہ ان کی کنیت ابو القاسم اور ابو عبداللہ تھی لیکن ابن حنفیہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر تھا جو قبیلہ بنی حنیفہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور یہ لونڈی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی تھی۔ بعدہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے بطن سے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ مذکور متولد ہوئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ بطور وفد کے آں موصوف کے پاس تشریف لاتے تھے۔

((محمد بن علی بن ابی طالب ابو القاسم و ابو عبداللہ ایضا وھو المعروف بابن الحنفیة وکانت سوداء سنھدیة من بنی حنیفة اسمھا خولة (بنت جعفر)

ولد محمد فی خلافة عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ))

((وکان محمد بن علی من سادات قریش ومن الشجعان المشهورین ومن الاقویا المذکورین))

((ووفد علی معاویة رضی اللہ عنہ وعلی عبدالملك بن مروان...... الخ))[1]

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے باب حدیث میں ان کی علمیت وقابلیت کے سلسلے میں ذکر کیا ہے کہ ابن حنفیہ رحمہ اللہ اپنے والد گرامی حضرت علی اور حضرت عثمان، عمار، معاویہ بن ابی سفیان، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث کے ناقل اور راوی ہیں اور ان کے تلمیذ ہیں۔

((روی (محمد بن الحنفیة) عن ابیه وعثمان وعمار و معاویة بن ابی سفیان و ابن عباس رضی اللہ عنہم))[2]

مورخین نے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کی زور آزمائی کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس میں ان کی قوت اور شجاعت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے عہد خلافت میں پیش آیا۔

مصنفین نے لکھا ہے کہ رومیوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زور آزمائی کے لیے ایک پہلوان آیا اور وہ اپنی زور قوت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ ہاشمی جوان موجود تھے۔ ان کے ساتھ اس پہلوان کا مقابلہ کرایا گیا اور محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اس مقابلہ میں غالب رہے۔ یہ واقعہ بہ عبارت ذیل منقول ہے:

((ثم وجه معاویة رضی اللہ عنہ الی محمد بن الحنفیة فحضر فخبر بما دعی له۔ فقال (ابن الحنیفة) قولوا له ان شاء فلیجلس ولیعطنی یده حتی اقیمه۔ او یقعدنی و ان شاء فلیکن، هو القائم وانا القاعد۔ فاختار الرومی الجلوس فاقامه محمد وعجز الرومی عن اقعاده۔ ثم اختار ان یکون محمد هو القاعد فجذبه محمد فاقعده وعجز الرومی عن اقامته))[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۸ ج ۹ تحت محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۲۲۷ ج ۱۵ تحت محمد بن علی رحمہ اللہ (ابن حنفیہ)

[2] تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) ص ۳۵۴ ج ۹ تحت محمد بن علی (ابن حنفیہ)

[3] الکامل (مبرد) ص ۲۵۷ ج ۲، ص ۳۰۸ ج ۱، طبع مصر
وفیات الاعیان، (ابن خلکان) ص ۴۴۹ ج ۱ تحت محمد بن علی بن ابی طالب، طبع مصر قدیمی
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۰۲ ج ۸ تحت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ۔

شیعہ اکابر کی طرف سے بھی اس واقعہ کی تائید پائی جاتی ہے۔ اور شیعہ کے مشہور فاضل ابن ابی الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں ص ۲۳۷ ج ۳ طبع قدیم بیروت پر "فی ذکر بعض فخرت بنو هاشم ممن لم یوجد مثله فی الامویه" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔

اس واقعہ کا مفہوم یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کی طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور ان کو جس مقصد کے لیے بلایا گیا اس سے آگاہ کیا۔ اس پر محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ پہلوان سے کہیے کہ اگر وہ چاہے تو بیٹھ جائے اور مجھے اپنا ہاتھ پکڑا دے، میں اس کو کھڑا کر دوں گا۔ یا وہ مجھے بٹھا لے اور اگر وہ چاہے تو کھڑا ہو جائے اور میں بیٹھ جاتا ہوں (مجھ کو کھڑا کر لے)۔

رومی نے بیٹھنا پسند کیا لیکن محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے اسے کھڑا کر دیا اور وہ انھیں بٹھانے سے قاصر رہا۔ پھر اس رومی نے کہا کہ محمد بن حنفیہ بیٹھ جائیں تو ابن حنفیہ رحمہ اللہ نے پہلوان کو بھی ساتھ بٹھا دیا اور رومی پہلوان محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کو کھڑا کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔ اس طرح رومی شکست خوردہ ہو کر واپس چلا گیا۔

واقعہ ہذا سے ابن حنفیہ رحمہ اللہ کے اوصاف جلیلہ اور قوت و شجاعت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی آمد و رفت کے ساتھ ان کی مجالس میں زور آزمائی کے جوہر دکھانا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی عزت افزائی اور قدردانی کا پایا جانا بھی واضح ہے۔ پس یہ چیزیں ان حضرات کے مابین روابط پر واضح دلالت کرتی ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وظائف اور عطیات

یہ عنوان قبل ازیں ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں مستقلاً ذکر ہو چکا ہے تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح میں اسے دہرانے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے تاکہ اس فصل کے سابقہ روابط میں یہ مسئلہ مستقل عنوان کی صورت میں پیش ہو سکے اور عطیات و وظائف کے سلسلے میں جو مزید حوالہ جات دستیاب ہیں ان کو سابقہ حوالہ جات سے ملا کر ایک ترتیب سے پیش کیا جا سکے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اکابر بنی ہاشم حضرات کی ان کے ہاں دارالخلافہ دمشق میں آمد و رفت جاری رہتی تھی یہ حضرات اپنی ضروریات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور آں موصوف ان حضرات کو نہایت اکرام و اعزاز کے ساتھ وافر عطیات و وظائف دے کر رخصت کرتے تھے۔

چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ:

((فلما استقرت الخلافة لمعاويه رضی اللہ عنہ كان الحسين رضی اللہ عنہ يتردد اليه مع اخيه الحسن رضی اللہ عنہ فيكرمهما معاوية رضی اللہ عنہ اكراما زائدا ويقول لهما مرحبا واهلا

ویعطیھما عطاء جزیلا))[1]

''یعنی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوگئی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے برادر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی معیت میں آں موصوف کے پاس تشریف لایا کرتے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان حضرات کا بہت زیادہ اکرام واحترام کرتے تھے انھیں خوش آمدید اور مرحبا کہتے تھے اور بہت زیادہ عطیات عنایت کرتے تھے۔''

اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اصمعی کی روایت کے ذریعے سے اسی مسئلے کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وروی الاصمعی قال وفد الحسن وعبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما علی معاویۃ رضی اللہ عنہ فقال للحسن رضی اللہ عنہ مرحبا و اھلا بابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر لہ بثلاث مائۃ الف وقال لابن الزبیر رضی اللہ عنہ مرحبا واھلا بابن عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر لہ بمائۃ الف))[2]

''یعنی سیدنا حسن اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس (بصورت وفد) تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مرحباً و اہلاً یابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باوقار الفاظ سے خوش آمدید کہا اور ان کے لیے تین لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے لیے مرحباً واہلاً یابن عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے خوش آمدید کہا اور ان کے لیے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔''

اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے اسی چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((ان الحسن والحسین رضی اللہ عنہما کانا یقبلان جوائز معاویۃ رضی اللہ عنہ))[3]

''یعنی سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عطیات کو قبول فرماتے تھے۔ (یہ چیز ان حضرات کے خوش تر مراسم کا واضح ثبوت ہے)۔''

اس سلسلے میں مورخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت حسن، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہم کو دس لاکھ درہم بطور عطیہ اور وظیفہ کے پیش کرتے تھے۔

((ان معاویۃ رضی اللہ عنہ کان یجیز فی کل عام الحسن والحسین وعبداللہ بن

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین وسبب خروجہ من مکہ الی العراق (واقعہ شہادت)

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (قلمی مخطوط) ص ۳۹ ۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی عکسی) ص ۴۰ ۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

عباس و عبدالله بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ كل واحد منهم بالف الف درهم))[1]

اور شیعہ کے اکابر علماء میں سے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اسی مسئلے کو یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((ومعاوية اول رجل في الارض وهب الف الف درهم فانه كان يجيز الحسن والحسين ابنى على في كل عام لكل واحد منهما بالف الف درهم وكذالك كان يجيز عبدالله بن عباس وعبدالله بن جعفر))[2]

(۲) عطیات کے سلسلے میں دیگر روایات میں محدثین و مورخین عبداللہ بن بریدہ سے اس طرح بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں آپ کی خدمت میں اتنی مقدار عطیہ پیش کرتا ہوں جس قدر اس سے قبل آپ کی خدمت میں کسی نے پیش نہ کیا ہو۔ اور فی الوقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دونوں حضرات کی خدمت میں دو لاکھ درہم پیش کیے۔

اور بعض روایات کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس واقعہ پر چار لاکھ درہم کا عطیہ پیش کرنا بھی بعض کتب میں منقول ہے۔

تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ:

((عن عبدالله بن بريدة رضی اللہ عنہ قال دخل الحسن والحسين رضی اللہ عنہما على معاوية رضی اللہ عنہ فامر لهما في وقته بمأتى الف درهم وقال خذاها...... الخ))[3]

اور بعض روایات یہ عبارت ذیل منقول ہیں:

((عن عبدالله بن بريدة رضی اللہ عنہ قال قدم الحسن بن على رضی اللہ عنہما على معاوية رضی اللہ عنہ فقال له لاجيزنك بجائزة لم يجزها احد كان قبلى، فاعطاه اربع مائة الف۔ ووفد اليه مرة الحسن والحسين رضی اللہ عنہما فاجازهما على الفور بمأتى

---

[1] لطائف المعارف (ابو منصور عبدالملک بن محمد بن اسماعیل ثعالبی المتوفی ۴۲۹ھ) ص ۲۱-۲۲۔ طبع مصر

[2] شرح نہج البلاغہ (ابی الحدید شیعی) ص ۷۰۵-۷۰۶۔ ج ۳ بحث فی المقارنۃ بین جود ملوک بنی امیہ و ملوک بنی ہاشم، طبع قدیم طبع بیروت

[3] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۳۹، ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الف وقال لهما ما اجاز بهما احد قبلی))[1]

محدث ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے مصنف میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو عطیہ کا یہ مسئلہ بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((حدثنی عبدالله بن بریدة رضی اللہ عنہ ان حسن بن علی رضی اللہ عنہما دخل علی معاویة رضی اللہ عنہ فقال: لاجیزنك بجائزة لم اجزبها احدا قبلك ولا اجیزبها احدا بعدك من العرب ، فاجازه باربعمائة (الف) فقبلها)) [2]

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے عطیات خصوصی

تاریخ کے علماء نے اس مسئلے کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں صلح اور مصالحت کر لی تو اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بعض مطالبات پیش ہوئے تھے ان میں یہ بات بھی تھی کہ کوفہ کے بیت المال میں فی الوقت جو کچھ اموال نقدی وغیرہ موجود ہیں وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حاصل کریں گے۔

چنانچہ اہل تاریخ نے مختلف اقوال میں تصریح کی ہے کہ خزانہ کوفہ میں پچاس لاکھ درہم تھے اور بعض کے نزدیک ستر لاکھ درہم تھے اور یہ تمام اموال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن کو ادا کر دیے تھے۔ اسی طرح دار ابجرد کے علاقے کی سالانہ آمدنی بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے مقرر کر دی گئی تھی۔ پس اسی طرح عطیات اور ہدایا مذکورہ اموال کے علاوہ بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات ۴۹ھ تک ملتے رہے۔

((حاصل ذالك انه اصطلح (الحسن رضی اللہ عنہ) معاویة رضی اللہ عنہ علی ان یاخذ ما فی بیت المال الذی بالكوفة فوفی له معاویه رضی اللہ عنہ بذالك فاذا فيه خمسة الاف الف وقيل سبعة الاف الف وعلى ان يكون خراج و قيل دارا بجرد له فی كل عام فامتنع اهل تلك الناحية عن اداء الخراج اليه فعوضه معاوية رضی اللہ عنہ عن كل ستة الاف الف درهم فی كل عام۔ فلم يزل يتناولها مع ماله فی كل زيادة من الجوائز والتحف والهدايا الى ان توفی فی هذا العام ۴۹ھ)) [3]

---

[1] الاصابہ، مع الاستیعاب ص ۳۲۹ ج ا تحت تذکرہ امام حسن رضی اللہ عنہ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین ..... الخ
سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۰۳ ج ۳ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طبع جدید مصر۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴ ج ۱۱ کتاب الامراء، طبع کراچی

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۱-۴۲ ج ۸ تحت تذکرہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

ایک ملاقات

مورخ بلاذری نے اپنی کتاب انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے باہمی احوال پر گفتگو ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ اے برادر زادے! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ پر کچھ دین (قرض) ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ یقیناً میں مقروض ہوں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ کتنی مقدار ہے؟ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک لاکھ درہم ہے۔

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ کے لیے تین لاکھ درہم کی ادائیگی کا حکم دے دیا ہے۔ اس میں سے ایک لاکھ درہم تو آپ اپنا قرض ادا کریں اور ایک لاکھ درہم اپنے اہل بیت اور اقربا میں تقسیم کردیں اور ایک لاکھ درہم خاص آپ کی ذات کے لیے ہے یہ آپ قبول کرلیں۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ یہ عطیہ وصول کر کے واپس تشریف لائے۔

((ثم قال یا ابن اخی بلغنی ان علیك دینا قال ان علی دینا قال وکم هو؟ قال مائة الف۔ قال فقد امرنا لك بثلاث مائة الف ثم قال مائة الف لقضاء دینك ومائة الف تقسمها فی اهل بیتك ومائة الف لخاصة بدنك۔ فاقبض صلتك))[1]

شیعہ اکابر کی طرف سے تائید

شیعہ کے عالم کبیر ملا باقر مجلسی نے اپنی مشہور تصنیف جلاء العیون میں امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے عطیات کے سلسلے میں ایک مفصل روایت ذکر کی ہے، جس میں مندرجات مذکورہ کی تائید پائی جاتی ہے

''از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ روزے حضرت امام حسن بحضرت امام حسین وعبداللہ بن جعفر فرمود کہ جائزہ ہائے معاویہ در روز اول ماہ بشما خواہد رسید۔ چوں روز اول ماہ شد چنانچہ حضرت فرمودہ بود اموال معاویہ رسید جناب امام حسن قرض بسیارے داشت از آنچہ اوفرستادہ بود برائے آنحضرت قرض ہائے خودرا ادا کرد۔ باقی رامیان اہل بیت وشیعان خود قسمت کرد جناب امام حسین قرض خودرا ادا کرد وآنچہ ماندہ بود بہ قسمت کرد یک حصہ را باہل بیت وشیعان خود داد ودو حصہ را برائے عیال خود فرستاد وعبداللہ بن جعفر قرض خودرا ادا کرد باقی را برائے خوش آمدید معاویہ

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص۸۴-۸۵ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

برسول او داد و چوں ایں خبر بمعاویہ رسید برائے او مال بسیار فرستاد[1]

''یعنی ایک دن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے برادر سیدنا حسین اور چچا زاد برادر عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اس ماہ کی پہلی تاریخ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہدایا وتحائف تمھارے پاس پہنچ جائیں گے۔ جب اس مہینہ کی اول تاریخ ہوئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کثیر مال پہنچ گیا اور ان ہر سہ حضرات کو دے دیا گیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر بہت سا قرض تھا انھوں نے ان اموال سے پہلے اپنا قرض ادا کیا، باقی ماندہ کو اپنے اہل وعیال اور اپنے خاص لوگوں میں تقسیم فرمایا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی پہلے اپنا قرض ادا کیا، باقی مال کو اس طرح تقسیم کیا کہ ایک حصہ اپنے رشتہ داروں اور خصوصی شیعوں (ساتھیوں) کو دیا اور دو حصے اپنے اہل وعیال کو عنایت فرمائے۔

اور عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما نے بھی اس مال سے اپنا قرض ادا کیا اور باقی مال میں سے کچھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاصد کو دے دیا۔

جب یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے لیے اور زیادہ مال بھیج دیا۔''

نوٹ

حوالہ ہذا قبل ازیں ہماری کتاب ''مسئلہ اقربا نوازی'' میں ص ۲۰۵ پر درج ہو چکا ہے۔

مالی امداد کا ایک دیگر واقعہ

ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ میں درج کیا ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ تقسیم کے لیے کچھ مال بھی لائے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر دریافت کیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے اطلاع دی کہ آپ مکہ مکرمہ روانہ ہو چکے ہیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان اموال کے ساتھ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں پہنچنے پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان کی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو محمد! (یہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) میں مدینہ طیبہ میں آیا اور میرے پاس کچھ اموال تھے جنھیں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا لیکن جب آپ کا مکہ شریف تشریف لے جانا معلوم ہوا تو اس مال کو لے کر یہاں پہنچا ہوں۔ آپ یہ مال لے لیں اور اس میں حسب منشا تصرف کریں۔ جواب میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی قرابت داری میں وصل پیدا کرے اور آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

---

[1] جلاء العیون فارسی (از ملا باقر مجلسی) ص ۲۰۷ باب دربیان نصوص امامت ومعجزات امام دوم حسن ست، طبع تہران

((عن عمرو بن عیسٰی قال قدم معاویہ رضی اللہ عنہ المدینۃ بمال یرید ان یقسم بھا. فسأل عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہما فاخبر انہ شخص الی مکۃ فادرك المال ومضی الی مکۃ فخرج الیہ الحسن متلقیا فقال یا ابا محمد! انی قدمت المدینۃ ومعی مال ارید ان اقسمہ بھا فلما بلغنی شخوصك ارکبتہ وھا ھو ذافرا فیہ رأیك۔ قال وصل اللہ قرابتك یا امیر المؤمنین! واحسن جزاك...... الخ))[1]

عین صید کا عطیہ

اسی طرح مشہور مورخ بلاذری نے اپنی تصنیف فتوح البلدان میں ایک یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت سیدنا حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عین صید نامی چشمہ مع ملحقات عطا کیا گیا تھا اور وہ اس سے منتفع ہوتے تھے۔

((وکان معاویۃ رضی اللہ عنہ اقطع الحسن بن علی رضی اللہ عنہما عین صید ھذہ عوضا من الخلافۃ مع غیرھا))[2]

ایک قریہ کا عطیہ

شیعہ کی مشہور کتاب ناسخ التواریخ جلد نہم (طراز المذہب مظفری) میں مندرجہ ذیل واقعہ مذکور ہے:

عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے ان کی صاحبزادی زینب کا رشتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کے لیے مروان بن حکم کے ذریعے سے طلب کیا تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے یہ معاملہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے میں گفتگو ہوئی تو انھوں نے ارشاد فرمایا:

''ما چناں بصواب شمردیم کہ زینب را بہ پسر عمش قاسم بن محمد بن جعفر کابین بندم و اورا با قاسم تزویج کردم و کابین اورا بقریہ کہ در مدینہ دارم و معاویہ در ازائے دہ ہزار دینار بمن دادہ است مقرر داشتم و زینب را ایں مبلغ کفایت می کند۔''[3]

''یعنی ہم نے یہ رشتہ اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن جعفر کو دے دیا ہے اور حق مہر کے طور پر زینب کے لیے وہ گاؤں دے دیا ہے جو مدینہ کے علاقے میں ہے اور وہ ہمیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دس ہزار

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی) ص ۵۲۵ ج ۱۳ تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

[2] فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۰۷ تحت امر مدینۃ السلام، طبع مصر قدیم

[3] ناسخ التواریخ (طراز المذہب مظفری) ص ۳۸۰ ج ۹ در بیان احتجاج عبداللہ بن جعفر با معاویہ و حکایت او...... الخ طبع قدیم ایران از مرزا عباس قلی خان سپہر

دینار کے عوض میں دیا تھا اور یہ مہر زینب کے لیے کافی ہوگا۔"

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں ایک گاؤں بھی باقی عطیات و وظائف کی طرح ملا ہوا تھا جسے اب وہ بطور مہر نکاح کے صرف کر رہے تھے (حوالہ ہذا ہماری کتاب "اقربا نوازی" ص ۲۰۹ پر قبل ازیں درج ہو چکا ہے)۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے عطیات خصوصی

اس مقام پر قبل ازیں ہدایا اور عطیات کا مسئلہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی ضمن میں بعض چیزیں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق محدثین اور مورخین ذکر کرتے ہیں، ان کو مختصراً ذکر کر دینا مناسب خیال کیا ہے۔

① چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں تحریر کیا ہے کہ

((ولما توفي الحسن رضي الله عنه كان الحسين رضي الله عنه يفد الى معاويه رضي الله عنه في كل عام فيعطيه ويكرمه))[1]

"یعنی جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس (بطور وفد) تشریف لایا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا اعزاز و اکرام کرتے اور عطایا پیش کرتے تھے۔"

② معروف بزرگ حضرت شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ (المعروف داتا گنج بخش لاہوری) نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب کے باب ثامن میں واقعہ ذیل نقل کیا ہے:

"حسین رضی اللہ عنہ وے را گفت بنشین کہ ما را رزقی در راہ است تا بیارند۔ بسی بر نیامد کہ پنج صرہ از دینار بیاوردند از نزد معاویہ رضی اللہ عنہ۔ اندر ہر صرہ ہزار دینار بود۔ و گفتند کہ معاویہ رضی اللہ عنہ از تو عذر میخواہد۔ و میگوید کہ ایں مقدار اندر وجہ کہتراں صرف باید کرد واں ہر پنج صرہ بدو داد از وی عذر خواست۔"[2]

"یعنی ایک روز حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک سائل حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند! میں ایک درویش آدمی ہوں، عیال دار ہوں، آپ مجھے آج کا کھانا عنایت فرمائیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں ٹھہر جائیے ہمارا رظیفہ پہنچنے والا ہے، وہ پہنچ جائے تو دے دیں گے۔ کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پانچ تھیلیاں جن میں سے ہر ایک تھیلی ایک ہزار دینار پر مشتمل تھی قاصد نے لا کر خدمت میں پیش کیں اور کہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معذرت کرتے تھے کہ یہ قلیل سی مقدار ہے اسے صرف فرمائیں۔ حضرت

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین رضی اللہ عنہ وسبب خروجہ من مکہ...... الخ، طبع اول مصر

[2] کشف المحجوب از شیخ علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری ص ۹۲-۹۳، باب ۸ طبع سمرقند فی ذکر ائمتہم من اہل البیت۔

حسین رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلیاں سائل کو دے دیں اور معذرت بھی کر دی۔"

عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے لیے عطایا و ہدایا

جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے لیے ہدایا، عطیات اور وظائف پیش کیے جاتے تھے اور وہ حضرات انھیں بخوشی قبول فرماتے تھے اسی طرح ان کے چچا زاد برادر عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کو بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کافی عطیات اور ہدایا دیے جاتے تھے۔

جناب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اولاد ابی طالب میں مشہور بزرگ ہیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی برادر زادے ہیں اور اس کے علاوہ آں موصوف کے داماد بھی ہیں اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے بہنوئی ہیں۔

محدثین اور مورخین نے عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے لیے عطیات اور ہدایا کے متعلق واضح تصریحات ذکر کی ہیں۔ ان تمام کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے، اس لیے یہاں صرف چند ایک حوالہ جات پر اکتفا کیا جاتا ہے:

① حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں ذکر کیا ہے:

((وفد عبدالله بن جعفر رضي الله عنهما على معاوية رضي الله عنه فامر له بالفى الف درهم))[1]

"یعنی ایک دفعہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بطور وفد تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے بیس لاکھ درہم پیش کرنے کا حکم دیا۔"

② اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ:

((كان لعبدالله بن جعفر رضي الله عنهما من معاوية رضي الله عنه الف الف فى كل عام))[2]

"یعنی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہر سال دس لاکھ درہم ملتے تھے۔"

③ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں لکھا ہے کہ:

((وبعث الى عبدالله بن جعفر بمائه الف......الخ))[3]

"یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی طرف ایک لاکھ دُرہم ارسال کیے۔"

مختصر یہ ہے کہ اولاد ابی طالب کے مشاہیر بزرگوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے لاکھوں لاکھ ہدایا، عطیات اور وظائف ہمیشہ دیے جاتے تھے اور یہ حضرات انھیں بخوشی قبول کر کے اپنے مصارف میں

---

[1] مستدرک (حاکم نیشاپوری) ص ۵۶۷ ج ۳ تحت ذکر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۰۴، ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷، ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

صرف کرتے تھے۔ یہ ان حضرات کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ احسن تعلقات کا بین ثبوت ہے جس کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین اور معاندین بھی انکار نہیں کر سکتے۔

ایک لطیفہ

شیعہ کے اکابر علماء اور مورخین نے عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے متعلق ایک عجیب بات تحریر کی ہے، جسے ایک لطیفہ سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادے کا نام ''معاویہ'' تھا اور اپنے والد کی طرف سے وصی تھا۔ اس کا نام معاویہ اس لیے رکھا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے تقاضا کیا کہ آپ اپنے فرزند کا نام ''معاویہ'' رکھیں تو میں آپ کو ایک لاکھ درہم عطا کروں گا۔ اس پر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے یہ بات قبول کرتے ہوئے فرزند کا نام معاویہ رکھ دیا۔

((منهم معاوية بن عبدالله كان وصى ابيه وانما سمى معاوية لان معاوية بن ابى سفيان طلب منه ذالك فبذل له مائة الف درهم وقيل الف الف درهم))[1]

اس واقعہ کو صاحب ناسخ التواریخ (طراز المذہب مظفری) نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

''کنیت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ابو معاویہ است چہ گاہیکہ معاویہ بن عبداللہ متولد شد۔ عبداللہ نزد معاویہ بود واز ولادت فرزندش بشارت اوروند عبداللہ نیز با معاویہ بگفت معاویہ گفت ایں پسر ترا معاویہ نام کن وصد ہزار درہم بگیر۔ عبداللہ از معاویہ قبول کرد۔''[2]

''یعنی صاحب ناسخ التواریخ نے اس واقعے کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کی کنیت ابو معاویہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرزند جب متولد ہوا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے فرزند کی ولادت کی خوشخبری وہیں سنائی گئی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ بشارت سنائی تو اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس فرزند کا نام معاویہ رکھیے اور سو ہزار درہم (ایک لاکھ درہم) لے لیجیے تو عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما (برادر علی المرتضی رضی اللہ عنہ) نے یہ بات قبول کر لی۔''

تنبیہ

مطلب یہ ہے کہ بقول شیعہ اکابرین اولاد ابی طالب کے بزرگ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کے اسماء اپنی اولاد میں کچھ درہم لے کر رکھ لیتے تھے اور ان سے عطایا و وظائف اور ہدایا خوب وصول کرتے تھے اور اپنے استعمال میں لاتے تھے۔ صاحب انصاف کے نزدیک ان

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (جمال الدین ابن عنبہ شیعی) ص ۳۸ تحت ذکر عقب جعفر طیار

[2] ناسخ التواریخ (طراز المذہب مظفری) ص ۳۹۵ ج ۹ در احوال زینب کبریٰ، طبع قدیم ایران۔

حضرات کی یہ کردارکشی ہے اور درحقیقت مذمت ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور صحیح فہم عطا فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے عطیہ

مورخین نے لکھا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد برادر ہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی آمد و رفت ہوتی تھی۔ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ

((عن قتادة قال قال ابن عباس رضي الله عنهما لمعاوية رضي الله عنه لا يحزنني الله ولا يسؤني ما ابقا الله امير المومنين۔ قال فاعطاه الف الف ورقة وعروضا واشياء وقال خذها فاقسمها في اهلك))[1]

''یعنی قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کی وجہ سے غمزدہ نہ کرے اور کوئی برائی نہ پہنچائے جب تک کہ امیر المومنین زندہ سلامت رہیں۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دس لاکھ درہم کا عطیہ عنایت فرمایا اور کچھ سامان اور چند چیزیں دیں اور کہا کہ ان تمام کو آپ اپنے اہل و عیال میں تقسیم کر دیں۔''

جیسا کہ قبل ازیں درج ہو چکا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دیگر ہاشمی بزرگوں کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور وہ انھیں ہمیشہ ہدایا اور وظائف سے نوازتے تھے۔

اسی ربط اور تعلق کے سلسلے میں مورخین نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک دیگر واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بار قیصر روم نے ایک شیشی ارسال کی اور کہلا بھیجا کہ اس میں ایسی چیز ہماری طرف روانہ کریں جس میں سب چیزیں آ جائیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شیشی میں پانی ڈال کر ان کی طرف ارسال کر دیں۔

جب یہ چیز قیصر روم کے پاس پہنچی تو رومی بادشاہ نے کہا کہ ان کے آباء کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر ہو، یہ کتنا عقل مند اور زیرک آدمی ہے۔

ادھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ پانی کو ارسال کرنا کیسے تجویز کیا؟ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ الآیہ

((ان ملك الروم وجه الى معاوية بقارورة فقال ابعث الي فيها من كل شيء۔ فبعث الى ابن عباس رضي الله عنهما فقال لتملاء له ماء فلما ورد بها على ملك الروم قال لله ابوه ما ادهاه۔ فقيل لابن عباس رضي الله عنه كيف اخترت ذالك؟ فقال لقول

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی عکسی) ص ۷۴۱ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

اللہ عزوجل: وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ))[1]

امام زین العابدین رحمہ اللہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت کے دوران میں جس طرح سابقہ اوراق میں ہاشمی بزرگوں کے وظائف اور ہدایا کا بیان کیا گیا ہے اسی طرح سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے علی بن حسین (امام زین العابدین رحمہ اللہ) کے وظیفہ کے متعلق شیعہ کے اکابر نے ذکر کیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن حکم کو مدینہ طیبہ کا والی اور عامل مقرر کیا گیا۔ اس وقت آں موصوف نے مروان کو حکم دیا کہ قریش کے نوجوانوں کے لیے وظائف اور ہدایا مقرر کریں۔ زین العابدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں بھی اسی سلسلے میں مروان بن حکم کے پاس پہنچا۔ مروان نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میرا نام علی بن حسین ہے۔ پھر اس نے کہا کہ آپ کے بھائی کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اس کا نام بھی علی ہے۔ اس پر مروان نے کہا کہ آپ کے والد اپنی اولاد کے نام علی ہی رکھتے ہیں؟ جناب زین العابدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر اس نے میرے لیے مالی وظیفہ مقرر کر دیا۔ جب میں اپنے والد کے پاس آیا تو میں نے انھیں اس تمام مذکورہ گفتگو کی اطلاع کی۔

((استعمل معاوية مروان بن الحكم على المدينة وامره ان يفرض لشباب قريش ففرض لهم۔ فقال: على بن الحسين عليه السلام فاتيته۔ فقال ما اسمك؟ فقلت على بن الحسين۔ فقال: ما اسم اخيك؟ فقلت على۔ فقال على وعلى: ما يريد ابوك ان يدع احدا من ولده الا سماه عليا؟ ففرض لى۔ فرجعت الى ابى عليه السلام فاخبرته))[2]

رعایت کا معاملہ

سابق صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اولاد ابی طالب کے لیے ہدایا اور وظائف کے متعلق جو چیزیں تاریخ میں ملتی ہیں ان میں سے بعض مختصراً ذکر کی ہیں۔ ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان حضرات کا اکرام کرنا اور حسن سلوک سے پیش آنا برملا ثابت ہوتا ہے۔

اب اس سلسلے میں ایک دیگر اہم چیز ذکر کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام پہنچے ہیں تو آں موصوف نے اپنے اخلاف کے لیے بعض ضروری وصایا فرمائی تھیں۔ ان

[1] الکامل (مبرد) ص ۴۵۷ ج ۲، ص ۳۰۸ ج ۲ طبع مصر

[2] فروع کافی (محمد بن یعقوب کلینی رازی شیعی) ص ۲۶۲-۲۶۳ ج ۲ کتاب العقیقہ باب الاسماء والکنی طبع نول کشور لکھنؤ۔
ناسخ التواریخ ص ۴۰ ج ۱۱ کتاب دوم ص دراحوال زین العابدین تحت مکالمہ مروان باآں حضرت، طبع قدیم ایران

میں سے خصوصی طور پر مورخین نے ان کی ایک وصیت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق خصوصی تاکید فرماتے ہوئے اپنے فرزند یزید کو ارشاد فرمایا کہ:

((ان له رحما ماسة وحقا عظيما وقرابة من محمد ﷺ ولا اظن اهل العراق تاركيه حتى يخرجوه فان قدرت عليه فاصفح عنه فانى لو انى صاحبه عفوت عنه))[1]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) کے لیے بہت قرابت قریبہ ہے اور حق عظیم ہے اور نبی اقدس ﷺ کے ساتھ ان کی رشتہ داری ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اہل عراق ان کو اپنی حالت پر نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ ان کو مخالفت پر آمادہ کریں گے۔ پس اگر تو ان پر قدرت پائے تو ان سے رعایت کرنا۔ اگر میرے سامنے یہ معاملہ آئے تو میں ان سے درگزر کروں گا۔''

اور بعض روایات میں اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنی وفات سے قبل بلایا اور اس کو جو وصیت کرنی تھی وہ وصیت فرمائی۔ ان وصایا میں یہ بات خاص طور پر فرمائی کہ جناب حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا احترام ملحوظ رکھنا۔ تحقیق وہ لوگوں کی نظروں میں زیادہ پسندیدہ ہیں۔ پس ان سے صلہ رحمی کرنا اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا، تو تیرے لیے معاملہ اپنی جگہ پر درست رہے گا۔

((ثم ان معاويه لما حضرته الوفاة دعا ابنه يزيد فاوصاه بما اوصاه به وقال له انظر حسين بن على يعنى ابن فاطمة بنت رسول الله ﷺ فانه احب الناس الى الناس فصل رحمه وارفق به يصلح لك امره))[2]

گزشتہ سطور میں مسئلہ ہذا پر مورخین کے بعض حوالہ جات ذکر کیے گئے ہیں۔ اب اس مسئلہ میں شیعہ کے اکابر علماء اور مورخین کے حوالہ جات تائیداً پیش کیے جاتے ہیں تاکہ مسئلہ ہذا اپنی جگہ پر بین الفریقین قابل تسلیم ہو جائے۔

چنانچہ اس سلسلے میں شیعہ کے مشہور اور قدیم مورخ دینوری کا قول درج کیا جاتا ہے:

((فاما الحسين بن على رضي الله عنهما فاحسب اهل العراق غير تاركيه حتى

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۰ ج ۶ تحت ذکر ما کان فیہ من الاحداث سنہ ۶۰ھ طبع مصر
کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۲۳ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۵ ج ۸ تحت سنہ ۶۰ھ طبع اول مصر

[2] کتاب تلخیص ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳۲۷ ج ۴ ذکر قصہ واقعہ الحسین رضی اللہ عنہ وفضلہ

((فاما الحسين بن علي رضي الله عنهما فاحسب اهل العراق غير تاركيه حتى يخرجوه، فان فعل، فظفرت به، فاصفح عنه))[1]

''مطلب یہ ہے کہ یزید کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اہل عراق جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کو نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ وہ ان کو مخالفت پر آمادہ کریں گے اور اگر ان سے یہ بات صادر ہو اور تو ان پر غلبہ حاصل کر لے تو ان سے درگزر کرنا (اور ان کی اذیت کے درپے نہ ہونا)۔''

اور شیعہ کے ایک دیگر مشہور مورخ ابن طقطقی نے یہ مضمون بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فان خرج (الحسين رضي الله عنه) وظفرت به فاصفح عنه فان له رحما ماسة وحقا عظيما و قرابة من محمد صلوات الله عليه وسلامه))[2]

''یعنی (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید سے کہا) اگر جناب حسین (رضی اللہ عنہ) مخالفت پر آمادہ ہو جائیں اور تو ان پر کامیابی پائے تو ان سے اعراض کرنا۔ تحقیق جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کے لیے قرابت قریبہ ہے اور حق عظیم ہے اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی رشتہ داری ہے۔''

اور شیعہ کے مشہور مجتہد ملا باقر مجلسی نے اسی مسئلہ کو شیخ صدوق ابن بابویہ قمی شیعی سے معتبر سند کے ساتھ بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

''وامام حسین پس میدانی نسبت وقرابت او را بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم واو پارۂ تن آنحضرت است و از گوشت وخون آنحضرت پرورده است ومن میدانم که البته اہل عراق او را بسوئے خود خواہند برد و یاری او نخواہند کرد واو را تنہا خواہند گزاشت اگر باو ظفر یابی حق حرمت او را بشناس ومنزلت وقرابت او را با پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آور داو را بکرده ہائے او را مواخذه مکن وروابطی که من باو دراین مدت محکم کرده ام قطع مکن زنہار که باو مکروہے وآسیبے مرساں۔''[3]

''اس فارسی عبارت کا مفہوم اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند یزید سے کہا کہ جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کے متعلق تمھیں معلوم ہے کہ انھیں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کی نسبت ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ٹکڑا ہیں اور ان کا جسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پرورش یافتہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ اہل عراق ضرور ان کو اپنی طرف بلائیں گے اور ان کی مدد نہیں کریں گے اور ان کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ اگر تجھے ان پر غلبہ ہو تو ان کی عزت کے حق کو

---

1. بحار الانوار (ملا باقر مجلسی) ص ۲۳۸ ج ۱۰ طبع قدیم تحت ما جری علیہ بعد بیعۃ الناس یزید
2. تاریخ الفخری (محمد بن علی بن طباطبا المعروف بابن طقطقی شیعی) ص ۱۰۳ تحت حالات معاویہ
3. جلاء العیون فارسی از ملا باقر مجلسی شیعی ص ۳۸۸ تحت فصل دوازدہم در بیان توجہ جناب سید الشہداء بجانب مکہ۔

پہچاننا اور پیغمبر ﷺ کے ساتھ ان کی قرابت کے مرتبہ کو یاد رکھنا اور ان کے اعمال کا مواخذہ نہ کرنا اور میں نے ان کے مابین جو روابط اس مدت میں قائم کر رکھے ہیں ان کو قطع نہ کرنا۔ خبردار انھیں کوئی مکروہ اور تکلیف دہ چیز نہ پہنچانا۔''

تنبیہ

گزشتہ سطور میں ہم نے گیارھویں صدی کے مشہور مجتہد ملا باقر مجلسی شیعی کی جلاء العیون سے ایک روایت پیش کی ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت مذکور ہے۔

اس روایت کے متعلق آج کل کے بعض شیعہ صاحبان نے ''موضوع'' ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سنیوں کی روایت ہے۔

اس دعویٰ کے جواب میں بعض چیزیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

① ایک تو یہ چیز قابل توجہ ہے کہ معترض نے اس روایت کے موضوع ہونے کا دعویٰ تو کیا ہے مگر اپنے دعویٰ کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہیں کی اور اس روایت کو سنیوں کی روایت قرار دینے پر اکتفا کیا ہے۔

② روایت کو موضوع قرار دینے کے لیے ضروری تھا کہ معترض اپنے سابق اکابر شیعہ علماء کے اقوال پیش کرتا جنھوں نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے یا خود وہ وجوہ ذکر کرتا جس کی بنا پر فن روایت کے لحاظ سے اسے موضوع قرار دیا جا سکتا، بصورت دیگر یہ محض ادعا ہی ٹھہرے گا جس کی کسی لحاظ سے بھی کوئی وقعت نہیں۔

③ مشہور شیعی مجتہد ملا باقر مجلسی نے شیخ صدوق ابن بابویہ قمی کی معتبر سند کے ساتھ یہ روایت امام زین العابدین رحمہ اللہ سے نقل کی ہے۔ اب معترض کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے ثقہ مجتہد شیخ صدوق کی پیش کردہ صحیح سند کو معتبر دلائل کے ساتھ رد کرے۔

④ نیز یاد رہے کہ ملا باقر مجلسی نے اپنی اس تصنیف جلاء العیون کے مقدمہ میں صرف معتبر اور صحیح روایات درج کرنے کا التزام کیا ہے۔

⑤ اور ہم نے یہ روایت بطور الزام شیعہ کے اکابر سے نقل کی ہے۔ اگر انھوں نے دروغ گوئی کی ہے تو اس میں ہمارا دخل نہیں۔ ناظرین کرام خود فیصلہ فرمائیں۔

اگر روایت درست ہے (جیسا کہ ان کے مجتہدین کے عمل سے ظاہر ہے) تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے وصیت ہذا کر کے جناب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی رعایت کی پوری کوشش کی اور حمایت کا حق ادا کر دیا۔ اگر اس پر عمل درآمد نہیں ہوا تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصور نہیں اور وہ مورد الزام نہیں ہو سکتے۔

اور شیعہ کے متاخرین مورخین میں مرزا محمد تقی لسان الملک اپنی مشہور کتاب ناسخ التواریخ میں لکھتے ہیں

کہ (معاویہ نے کہا:)

''اے یزید زنہار ہزار زنہار! حسین را ہیچ گونہ رنجانی وہیچ نوع زحمت نرسانی مگر ندیدی مرا کہ از حسین چند تحمل کردم و ازوی کلمات درست درد ناک شنیدم و پاسخ ندادم چہ او فرزند مصطفیٰ است۔ اکنوں آنچہ دانستم وواجب شمردم باتو گفتم وحجت تمام کردم...... الخ''[1]

''یعنی معاویہ نے اپنے فرزند یزید کو خطاب کر کے فرمایا کہ خبردار جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کو کسی طرح تکلیف نہ پہنچانا اور انھیں زحمت نہ دینا، ایذا رسانی نہ کرنا۔ تو نے دیکھ نہیں لیا کہ میں جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کے معاملہ میں کس قدر تحمل کرتا رہا ہوں؟ ان سے سخت سخن (گفتگو) سننے کے باوجود کوئی ناروا جواب نہیں دیا کیونکہ وہ فرزند مصطفیٰ ہیں۔ اب جو واجب بات تھی وہ میں نے تجھے کہہ دی اور حجت تمام کر دی۔''

فوائد ونتائج

فصل ہذا میں بنی ہاشم حضرات اور خصوصاً حسنین شریفین رضی اللہ عنہما اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات پیش کیے گئے ہیں۔ مندرجات بالا کی روشنی میں ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں:

① سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے بعد اکابر ہاشمی حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برخلاف نہیں تھے بلکہ ان کے منصب خلافت کو درست تسلیم کرتے تھے اسی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات اور روابط استوار کیے ہوئے تھے اور ان سے اپنے ہدایا وعطیات و وظائف بخوشی قبول کرتے اور اپنے مصارف میں صرف کرتے تھے اور ان کا یہ باہمی حسن سلوک آخر تک جاری رہا۔

② ان حضرات کے درمیان قبائلی تعصب اور خاندانی تفریق نہیں تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہاشمی حضرات ہوں یا اموی ہوں سب کو وظائف دیے جاتے تھے۔ خاندانی تعصب سے بالاتر ہو کر بنی ہاشم کے ساتھ مالی تعاون کیا جاتا اور ان کی قدر شناسی کی جاتی تھی اور یہ چیزیں ان کے ساتھ ہمدردی کا بین ثبوت ہیں۔

③ اور یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی غاصبانہ نہیں تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متغلب خلیفہ اور ظالم حکمران نہیں تھے۔ اور اگر یہ معروضات صحیح نہیں ہیں تو پھر ان اکابر بنی ہاشم نے کیا قرآن مجید پر عمل کرنا ترک کر دیا تھا؟ قرآن مجید کا حکم ہے کہ

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (پ ۱۲)

---

[1] ناسخ التواریخ از مرزا محمد تقی شیعی ص ۱۵۷ ج ۶ از کتاب دوم تحت شرح حالات سید الشہداء علیہ السلام تحت وصیت معاویہ بایزید، طبع ایران۔

''یعنی اہل ظلم کی طرف میلان نہ کرو ورنہ تم کو (جہنم کی) آگ لگ جائے گی۔''

نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تصرفات دینی احکام کے برخلاف نہیں تھے بلکہ شریعت کے عین مطابق تھے اسی بنا پر اس دور کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اعاظم بنی ہاشم حضرات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر معترض نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ متفق اور متعاون تھے۔

④ ان حالات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن ظلم اور تعدی کے طعن سے صاف ہے اور حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ عناد و دشمنی کے اعتراضات سے آں موصوف بری ہیں۔

⑤ ان حقائق اور دلائل کے باوجود اگر کوئی شخص ان حضرات کے درمیان دائمی عداوت اور دیرینہ دشمنی کا قول کرتا ہے تو وہ مبنی بر حسد و عناد ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ

از حسد اول تو دل را پاک دار
خویشتن را بعد زاں مومن شمار

فصل دہم

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ حسن سلوک

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھتے تھے اور ان کے ساتھ علیٰ حسب المراتب حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ اسی طرح آں موصوف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ بھی قدر دانی کا معاملہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ربط اور تعلق کی چند چیزیں مختصراً پیش کرتے ہیں اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدر دانی کے کچھ واقعات بھی درج کرتے ہیں جن میں ان کے مقام و مرتبت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پورا پورا اکرام و احترام کرتے تھے اور صدق دل سے عظمت و فضیلت کے قائل تھے۔

① ایک بار حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی عجیب شان رفعت بیان کی۔

عبداللہ بن وردان کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کی عظمت کا یہ مقام ہوتا ہے کہ ان کی بات کو ان پر لوٹایا اور رد نہیں کیا جا سکتا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا انھی لوگوں میں سے ایک ہیں۔

((عن عبداللہ بن وردان قال معاویۃ رضی اللہ عنہ ان من الناس من لا یرد علیہ امرہ وان عائشۃ رضی اللہ عنہا منھم))[1]

روایت ہذا قبل ازیں جواب المطاعن (قتل صدیقہ کے الزام) میں درج ہو چکی ہے لیکن اس مقام پر ربط و تعلق کے مضمون کے تحت اس کو لایا گیا ہے۔

② اسی سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مابین بعض اوقات مراسلت ہوئی اس چیز کو کبار محدثین اور مورخین نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ چند ایک مراسلات

[1] تاریخ الکبیر (امام بخاریؒ) ص ۲۲۰ ج ۳ قسم اول طبع دکن باب عبداللہ تحت الواؤ

جو ہمیں دستیاب ہوئے ہیں وہ ایک ترتیب سے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

(الف) عامر شعبی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک مختصر مکتوب ارسال فرمایا:

((عن الشعبی قال کتبت عائشة رضی اللہ عنہا الی معاویة رضی اللہ عنہ اما بعد: فانه من یعمل بسخط الله (یصیر) حامده من الناس ذاما))[1]

اور اسی چیز کو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الزہد والرقائق میں اور امام حمیدی رحمہ اللہ نے اپنے مسند میں یہ عبارت ذیل نقل درج کیا ہے:

((کتبت عائشة رضی اللہ عنہا الی معاویة رضی اللہ عنہ انه من یعمل بمعاصی الله یصیر حامده من الناس ذاما))[2]

''ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ حمد وصلوٰۃ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تحریر فرماتی ہیں کہ جو شخص ایسا عمل کرتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں تو اس کی تعریف کرنے والے لوگ بھی مذمت اور بدگوئی کرنے لگ جاتے ہیں۔''

(ب) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادے عروہ اپنی خالہ محترمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک مراسلہ ارسال کیا اور اس میں تحریر فرمایا کہ:

((عن هشام عن ابیه (عروة) عن عائشة رضی اللہ عنہا انها کتبت الی معاویة رضی اللہ عنہ: اوصیك بتقوی الله فانك ان اتقیت (الله) کفاك الناس (فان اتقیت الناس) لم یغنوا عنك من الله شیئا۔ فعلیك بتقوی الله اما بعد))[3]

''یعنی (ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرماتی ہیں) کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے خوف کھانے کی وصیت کرتی ہوں (کیونکہ) اگر تم اللہ تعالیٰ سے خوف کھاؤ گے تو وہ تمہارے لیے لوگوں سے کفایت کرے گا اور اگر تم لوگوں سے خوفزدہ ہو گے تو یہ لوگ تمہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکیں گے اور کچھ فائدہ نہیں پہنچائیں گے، پس تم تقویٰ اختیار کرو۔''

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲۳ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی

[2] کتاب الزہد والرقائق (عبداللہ بن مبارک) ص ۶۶ باب الاخلاص والنیۃ
مسند حمیدی ص ۱۲۹ تحت احادیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا طبع مجلس علمی ڈابھیل

[3] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۱ ج ۱۴ کتاب الزہد طبع کراچی
کتاب المعرفۃ والتاریخ (بسوی) ص ۵۵۰ ج ۱ تحت عروہ بن زبیر

(ج) اسی طرح ایک دیگر روایت میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کر کے تقاضا کیا کہ آپ مختصر سی نصیحت و وصیت تحریر کر کے میری طرف روانہ فرمائیں اس میں تطویل نہ ہو۔ تو اس کے جواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تحریر ارسال فرمائی کہ

((قال کتب معاویة رضی اللہ عنہ الی عائشة رضی اللہ عنہا ان اکتبی الی کتابا توصینی فیه ولا تکثری قال فکتبت عائشة رضی اللہ عنہا الی معاویة رضی اللہ عنہ سلام علیك اما بعد: فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول: من التمس رضا الله بسخط الناس کفاه الله مئونة الناس ومن التمس رضا الناس بسخط الله وکّله الله الی الناس۔ والسلام علیك))[1]

''یعنی حمد و صلوٰۃ کے بعد آپ پر سلام ہو! میں نے نبی اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ آنجناب فرماتے تھے کہ جس شخص نے لوگوں کی ناراضی اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی طلب کی تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے بوجھ اور سختی سے اس کی کفایت کرے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی اٹھا کر لوگوں کی رضامندی کا طلبگار ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی طرف سونپ دیتے ہیں اور اپنی کفالت سے خارج کر دیتے ہیں۔''

تنبیہ

- یہ چیز قابل ذکر ہے کہ یہ روایت کتاب ہذا میں قبل ازیں دور چہارم کے فصل سوم میں مراسلات وخطوط کے تحت درج ہو چکی ہے۔ یہاں پھر ان حضرات کے مابین روابط کے سلسلے میں ذکر کی گئی۔
- نیز یہ چیز یہاں سے واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں کی زبان بندی نہیں تھی اور حق گوئی کے سلسلے میں ان کی زبانوں پر قفل نہیں چڑھائے گئے تھے۔ بلکہ حق گوئی میں آزادی تھی، اہل حق حق بات کہتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق بات کو بخوشی قبول کرتے تھے۔ اسی بنا پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی درخواست پر حق بات کا اظہار فرمایا اور حق گوئی کا فریضہ ادا کیا۔
- اور معلوم ہوا کہ آں موصوفہ مکرمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دور کے امیر و فرماں روا کو وہ نصائح ارشاد فرمائے جن کی ان کو ضرورت تھی۔

---

[1] ترمذی شریف ص ۳۴۸ تحت ابواب الزہد آخر باب ہذا، طبع قدیم لکھنؤ

کتاب الزہد والرقائق (حضرت عبداللہ بن مبارک) ص ٦٦ باب الاخلاص والنیه، طبع مالیگاؤں ہند

مسند اسحاق بن راہویہ ص ۶۰۰ ج ۳ روایت نمبر ۱۱۷۵، ۱۲۳۲ طبع مدینہ منورہ

مصابیح السنہ (امام بغوی) ص ۴۰۶، ۴۰۷ ج ۳ کتاب الآداب باب الظلم، روایت نمبر ۳۹۸۲

کیمیائے سعادت (فارسی) از امام غزالی ص ۲۲۰، طبع قدیم بمبئی

عطیات و ہدایا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بعض اوقات ہدایا اور وظائف ارسال فرماتے تھے اور آں موصوفہ رضی اللہ عنہا انھیں شرف قبولیت بخشتی تھیں۔

① عبدالرحمٰن بن عصمہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک قاصد ہدایا لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ امیر المومنین کی طرف سے یہ ہدیہ پیش خدمت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ ہدیہ قبول فرمالیا۔

جب قاصد واپس چلا گیا تو ہم نے عرض کیا: اے ام المومنین! کیا ہم مومن نہیں اور وہ ہمارے امیر نہیں؟ تو جواب میں آں موصوفہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ تم مومن ہو اور وہ تمھارے امیر ہیں اور امیر المومنین ہیں۔

((عن عبدالرحمن بن عصمة قال: كنت عند عائشة رضي الله عنها فاتاها رسول من معاوية رضي الله عنه بهديه فقال ارسل بهذا امير المؤمنين فقبلت هديته فلما خرج الرسول قلنا: (يا) ام المؤمنين! السنا مؤمنين وهو اميرنا؟ قالت انتم ان شاء الله المؤمنون وهو اميركم))[1]

روایت ہذا سے جہاں ربط و تعلق کا پایا جانا ثابت ہوتا ہے وہاں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امارت کے برحق ہونے کی تصدیق بھی پائی جاتی ہے کہ وہ مومنوں کے بلاشبہ امیر ہیں۔

② سابقہ طریقے کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جناب میں ایک بیش قیمت قلادہ (ہار) ہدیتاً ارسال کیا جس کی قیمت اس دور کے مطابق ایک لاکھ درہم تھی۔ چنانچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ ہدیہ قبول فرمایا اور دیگر امہات المومنین میں تقسیم فرما دیا۔ بقول بعض یہ ہدیہ مکہ شریف میں پیش کیا گیا تھا۔

((عن حجاج عن عطاء ان عائشة رضي الله عنها بعث اليها معاوية رضي الله عنه قلادة قومت بمائة الف فقبلتها وقسمتها بين امهات المؤمنين))[2]

---

1. مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۹ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۰ ج ۶ تحت کتاب البیوع والاقضیہ طبع کراچی روایت نمبر ۳۷۳

2. مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۰ ج ۶ تحت کتاب البیوع والاقضیہ طبع کراچی
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۳۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

③ اسی طرح ایک بیش قیمت ہدیہ کا ذکر ہشام نے اپنے والد عروہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم کا ہدیہ ارسال کیا تو آں موصوفہ نے اس ہدیہ کو فی الوقت تقسیم کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ تمام ہدیہ کو تقسیم کر ڈالا اور اس میں سے کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ بریرہ پاس بیٹھی ہوئی تھیں انھوں نے عرض کیا کہ آپ روزہ دار ہیں، ایک درہم بچا لیتیں تو اس سے آپ کی افطاری کے لیے گوشت خرید لیا جاتا تو اس وقت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر تو یہ بات تقسیم کے وقت یاد دلا دیتی تو میں ایسا کر لیتی۔

((عن هشام بن عروه عن ابيه ان معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنهما بعث الى عائشة رضي الله عنها بمائة الف۔ فقسمها حتى لم تترك منها شيئا فقالت بريرة انت صائمة فهلا ابتعت لنا بدرهم لحما فقالت عائشة رضي الله عنها لو انى ذكرت لفعلت))[1]

④ کبار مورخین نے یہ بات ذکر کی ہے کہ ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قرض کے زیر بار ہو گئیں تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قرض کی ادائیگی کے لیے اٹھارہ ہزار دینار یکمشت ارسال کر کے انھیں سبکدوش کر دیا۔

((حدثنا سعيد ان معاوية رضي الله عنه قضى عن عائشة رضي الله عنها ثمانية عشر الف دينار))[2]

زہد و تقویٰ

ناظرین کرام کے پیش نظر یہ بات آ گئی ہے کہ آں موصوفہ کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بیش قیمت ہدایا اور کثیر دراہم بطور وظیفہ کے پہنچتے تھے لیکن ان حالات کے باوجود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زہد و ترک دنیا کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے خواہر زادے (بھانجے) عروہ رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ

((قال عروة فما كانت عائشة رضي الله عنها تستجد ثوبا حتى ترقع ثوبها وتنكسه (تجعل اعلاه اسفله)...... الخ))[3]

---

1. مستدرک حاکم ص ۱۳ ج ۴ تحت باب افضل الرجال ابوبکر و افضل نساء عائشہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۶-۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ، طبع مصر
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۳۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
2. کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۴۱۰ ج ۲ تحت مکحول، طبع بیروت
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۳۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
3. الترغیب والترہیب (حافظ منذری) ص ۱۲۶ ج ۵ طبع مصر

''یعنی جس کپڑے کو استعمال کرتیں اس کو جب تک پیوند نہ لگا لیتیں ترک نہیں کرتی تھیں......الخ''

اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ

((عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قال رأیتھا تصدق بسبعین الفا وانھا لترقع جانب درعھا))[1]

''یعنی عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ستر ہزار درہم صدقہ کرتے دیکھا ہے۔ اور ان کی حالت یہ تھی کہ اپنی قمیص کو پیوند لگایا کرتی تھیں۔''

حصول تبرک

مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک سے تبرک حاصل کرنے کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ آپ میری طرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک (انبجانیہ) اور موئے مبارک ارسال فرمائیں۔ تو روایت کرنے والی خاتون (مرجانہ) کہتی ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ دونوں چیزیں میرے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھجوائیں۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حصول برکت کی خاطر چادر مذکورہ کو اوڑھ لیا اور شعر مبارک (بال مبارک) کو پانی سے دھو کر وہ پانی پی لیا اور بقیہ پانی اپنے جسم پر مل لیا)۔

((وروی علقمۃ بن ابی علقمۃ عن امہ قالت قدم معاویۃ رضی اللہ عنہ المدینۃ فارسل الی عائشۃ رضی اللہ عنہا ارسلی الی بانبجانیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشعرہ فارسلت بذالك معی احملہ فاخذ الانبجانیۃ فلبسھا وغسل الشعر بماء فشرب منہ وافاض علی جلدہ))[2]

واقعہ ہذا کے ذریعے سے ثابت ہوا کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال عقیدت رکھتے تھے اور آنجناب کے ساتھ محبت و اشتیاق میں کچھ کم نہ تھے اور شان نبوت کے کما حقہ قدر دان تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۴۵ ج ۸ تحت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۰ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۲ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۲۱۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

لائق توجہ یہاں یہ بات ہے کہ جو شخص اپنے آقا کے ساتھ اس طرح کی والہانہ عقیدت رکھتا ہے کیا وہ اپنے سردار کے فرمودات وارشادات پر عمل نہیں کرے گا؟ اور اجرائے احکامات میں ان کی شریعت کی پیروی نہیں کرے گا؟

مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے عہد خلافت کو احکام اسلامی کی صریح خلاف ورزی کرنے والا قرار دینا اور ان کو سیاسی اغراض کے لیے شرعی حدود کو توڑنے والا کہنا کسی صورت میں صحیح نہیں۔ یہ بات دانشمندی کے برخلاف ہونے کے ساتھ ساتھ واقعات کے بھی مطابق نہیں۔ ایک دانشمند آدمی ان واقعات کی روشنی میں ان امور کا تجزیہ خود کر سکتا ہے۔

حصول تبرک بآثار نبوی کے بعض واقعات آئندہ بھی نقل ہوں گے (ان شاء اللہ) تھوڑا سا انتظار فرمائیں۔

ہمشیرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے عطیہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قدر دانی کرتے اور ان کو ہدایا اور وظائف ارسال کرتے تھے اور ان کی ضروریات پورا کرنے میں سعی تام کرتے تھے اسی طرح ان کی ہمشیرہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کو بھی بعض دفعہ معقول عطیات سے نوازتے تھے۔

چنانچہ کتب احادیث میں منقول ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک بار اپنے برادر زادوں (قاسم بن محمد بن ابی بکر اور عبداللہ بن ابی عتیق رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ میں تمھیں ایک لاکھ درہم بطور ہدیہ دیتی ہوں جو مجھے معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

((وقد اعطانی معاویة مائة الف فهو لكما))[1]

قدر دانی و نفع رسانی

ماقبل میں ہم نے چند ایک واقعات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عطایا اور ہدایا کی نوعیت کے ذکر کیے ہیں اب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور دیگر حضرات کی قدر دانی کا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے۔

① مدینہ منورہ کی تاریخ لکھنے والے علماء نے اپنی تصانیف میں یہ چیز درج کی ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعض منازل خرید کی تھیں۔ اس سلسلے میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک مکان ایک لاکھ اسی ہزار درہم میں خرید کیا۔

((واشتری معاویة رضی اللہ عنہ من عائشة رضی اللہ عنہا منزلها بمائة الف وثمانين الف

---

[1] بخاری شریف ص ۳۵۴ ج ۱، باب ہبۃ الواحد للجماعۃ، طبع دہلی
فتح الباری (ابن حجر) ص ۱۷۲ ج ۵ باب الہبۃ المقبوضۃ وغیر المقبوضۃ.....الخ

درھم))[۱]

③ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔ خیبر کے قیدیوں میں آئی تھیں۔ آپ اہل کتاب میں سے تھیں اور طبعی ذہانت کی بنا پر اپنے قبیلہ کی معزز خواتین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کرنے کے بعد اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔[۲]

مشہور محدث سعید بن منصور رحمہ اللہ نے ان کے متعلق اپنی کتاب السنن میں ذکر کیا ہے کہ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا نے اپنی ضرورت کے تحت اپنا حجرہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم کے عوض میں فروخت کیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی رعایت فرماتے ہوئے انھیں ایک کثیر رقم پیش کر دی۔

((سعید قال: نا سفیان عن ایوب عن عکرمة ان صفیة بنت حیی رضی اللہ عنہا باعت حجرتها من معاویة رضی اللہ عنہ بمائة الف)) [۳]

④ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ہمشیر رقیقہ بنت خویلد بن اسد تھیں۔ ان کی دختر امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی خواہر زادی ان خواتین میں سے ہیں جنھوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ امیمہ ہذا کے متعلق اہل تراجم نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کی قدر شناسی کرتے ہوئے ان کو شام میں منتقل کیا اور وہاں ان کے لیے رہائشی مکان کا انتظام کیا۔

((ونقلها (امیمةبنت رفیقة رضی اللہ عنہا) معاویة رضی اللہ عنہ الی الشام وبنی لها دارا وکذا قال زبیر بن بکار وزاد کان لها بدمشق دار و موالی)) [۴]

⑤ مدینہ طیبہ کی تاریخ مرتب کرنے والے علمائے کرام میں سے مشہور عالم نور الدین سمہودی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف وفاء الوفاء میں ابن شبہ کی روایت نقل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ایک دار (حویلی) جسے ''رحبۃ القضاء'' کہتے تھے مدینہ طیبہ میں تھی۔ آنجناب کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو آں موصوف نے اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرے ذمے اتنا قرض ہے اسے رحبۃ القضاء کو فروخت کر کے ادا کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور ولایت میں ان حضرات سے یہ حویلی (رحبۃ القضاء) خرید لی۔ (اور اس طرح ان کی ضروریات کو پورا کر دیا)

---

۱ وفاء الوفاء (سمہودی) ص ۴۶۳ ج ۲ تحت الفصل التاسع، حجرات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۲ تجرید اسماء الصحابہ (ذہبی) ص ۲۹۷-۲۹۸ ج ۲ تحت حرف الصاد، النساء

۳ کتاب السنن (سعید بن منصور) ص ۱۱۰ ج ۳ قسم الوتحت باب وصیہ الصبی

وفاء الوفاء (نور الدین سمہودی) ص ۴۶۴ ج ۲ تحت الفصل التاسع، حجرات نبوی

۴ الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۳۵ ج ۴ تحت (۹۷) امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا مع الاستیعاب۔

((فباعوها من معاوية ابن ابی سفيان رضی اللہ عنہما وكانت تسمى دار القضاء قال ابن ابی فديك: فسمعت عمي يقول: ان كانت تسمى دار قضاء الدين، قال: وكان معاوية رضی اللہ عنہ اشتراها عند ولايته))[1]

⑤ محدثین اور سیرت نگار حضرات نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے واقعہ افک میں (غلطی کی بنا پر) حصہ لیا تو صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے انھیں خوب زدوکوب کیا۔ بعدہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی شکایت کی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ تو صفوان کو یہ غلطی معاف کر دے تو حسان رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق انھیں معاف کر دیا۔ اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کھجور کا عمدہ باغ اور ایک جاریہ (لونڈی) عنایت فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے مال کثیر کے عوض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں فروخت کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسان رضی اللہ عنہ کی ضروریات پوری کرتے ہوئے ان کو ایک خطیر رقم دی تھی۔

((عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قالت عائشة رضی اللہ عنہا ثم باع حسان رضی اللہ عنہ ذالك الحائط من معاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما فی ولايته بمال عظيم))[2]

⑥ مورخین نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کے تحت یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں قریش کا ایک دار الندوہ تھا۔ وہ قبیلہ قریش کے لیے ایک عز و شرف اور عدل کا مقام تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اس دار الندوہ کو ایک کثیر رقم (ایک لاکھ درہم یا چالیس ہزار دینار) کے عوض میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس وقت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے قریش کی عزت اور شوکت کی ایک چیز کو فروخت کر دیا! جواب میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سابقہ مکارم کی چیزیں اب رخصت ہو چکی ہیں۔ ظہور اسلام کے بعد اب عزت اور شرف صرف تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے اور دین کے ذریعے سے شوکت قائم ہے۔

پھر حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اس زر کثیر کو للہ فی اللہ صرف کر دیا۔ حکیم موصوف ایک بہت بڑے متوکل بزرگ تھے۔

((وقد كان بيده حين اسلم الرفاده ودار الندوة فباعها بعد من معاوية رضی اللہ عنہ بمائة الف وفی رواية باربعين الف دينار فقال له ابن الزبير رضی اللہ عنہما بعت مكرمة

---

[1] وفاء الوفاء (سمہودی) ص ۶۹۸-۶۹۹ الجزء الاول تحت فصل ۳۲ باب القضاء

[2] مجمع الزوائد (ہیثمی) ص ۲۳۴ ج ۹ باب فضائل عائشہ رضی اللہ عنہا تحت حدیث افک
سیرۃ الحلبیہ ص ۳۲۲ ج ۲ تحت غزوہ بنی المصطلق تحت بحث افک

قریش فقال له حکیم (بن حزام رضی اللہ عنہ) ابن اخی ذهبت المکارم فلا کرم الا التقوی۔ یا ابن اخی! انی اشتریتها فی الجاهلیة بزق خمر ولاشترین بها دارا فی الجنة اشهدك انی قد جعلتها فی سبیل الله وهذه الدار کانت لقریش بمنزلة العدل))[1]

⑦ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت حویطب رضی اللہ عنہ ایک مشہور جلیل القدر صحابی ہیں جو عام الفتح میں اسلام سے مشرف ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آنجناب کے دفن میں شریک ہوئے تھے۔

حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک دار (حویلی) مکہ مکرمہ میں تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حویلی چالیس ہزار دینار میں خرید لی۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ اس دار کی یہ قیمت بہت زیادہ ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حویطب کا کنبہ پانچ افراد پر مشتمل ہے اوران کی ضروریات کے پیش نظر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں۔

((وکان حویطب ممن شهد دفن عثمان رضی اللہ عنہ واشتری منه معاویة رضی اللہ عنہ داره بمکة باربعین الف دینار فاستکثرها الناس۔ فقال وما هی فی رجل له خمسة من العیال۔ قال الشافعی رحمہ اللہ کان حویطب جید الاسلام))[2]

حاصل کلام یہ ہے کہ فصل ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور دیگر حضرات کے تعلقات اور روابط ونفع رسانی کی چند ایک چیزیں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نہایت قدر شناسی فرماتے اوران کے احترام اور رفعت ومنزلت کو ملحوظ رکھتے تھے، اور دیگر حضرات صحابہ کی بھی قدر دانی فرماتے تھے اور نفع رسانی کرتے تھے۔
- اور وہ روایات جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان حضرات کے حق میں بدسلوکی و بد معاملگی اور تنفر وغیرہ نقل کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہیں بلکہ بے اصل ہیں۔ اور مذکورہ بالا واقعات اس مسئلے پر قرائن وشواہد کا درجہ رکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں عمدہ سلوک کے روادار اور اعلیٰ اخلاق وکردار کے حامل تھے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۹ ج ۸ تحت ترجمہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ
اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۴۱ ج ۲ تحت ترجمہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۷۰ ج ۸ تحت تذکرہ حویطب بن عبدالعزیٰ العامری رضی اللہ عنہ۔

فصل یازدہم

آخری مراحل

اسلامی حکومت کی وسعت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حضرت موصوف کی مساعی جمیلہ سے اسلام کا غلبہ بیشتر ممالک پر ہو چکا تھا اور اشاعت اسلام کے لیے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوششیں بارآور ہو چکی تھیں اور مشہور مشہور ممالک اسلام کی حکومت کے تحت ہو چکے تھے۔

مورخین نے اس دور میں اسلامی حکومت کی حدود کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ بخارا سے لے کر مغرب میں قیروان تک اور اقصائے یمن سے قسطنطنیہ تک یہ تمام ممالک اسلامی حکومت کے زیر نگیں تھے۔

اور بقول بعض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خراسان سے لے کر مغرب میں بلاد افریقہ تک اور قبرص سے لے کر یمن تک یہ سب ممالک اسلامی حکومت کے ماتحت تھے۔[1]

((فانه كان فى ولايته من خراسان الى بلاد افريقية بالمغرب ومن قبرص الى اليمن))[2]

بیعت یزید کا مسئلہ

ظاہر بات ہے کہ اتنی عظیم سلطنت کے نظم و انتظام کو قائم رکھنے اور اس کے استحکام کی بڑی ضرورت تھی اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا جانشین اور ولی عہد تجویز کرنے کی طرف توجہ کی اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر اپنے فرزند یزید کو اس منصب کے لیے مناسب سمجھا۔

مسئلہ ہذا قبل ازیں جواب المطاعن میں درج ہو چکا ہے اور وہ مطالعہ کے لائق اور عمدہ فوائد پر مشتمل ہے۔ تاہم اختصاراً تسلسل مضامین کے لحاظ سے یہاں یہ مسئلہ درج کیا جاتا ہے۔ تفصیلات کے لیے ناظرین کرام جواب المطاعن میں ''مسئلہ استخلاف یزید'' کے عنوان کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ اور مسئلہ ہذا کے

---

[1] دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۸ ج اتحت سنہ ۶۰ھ طبع دکن
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۸۹ طبع مصر

[2] منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۶ ج ۳ طبع لاہور۔

متعلقہ حوالہ جات بقدر ضرورت وہاں ذکر کر دیے گئے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولی عہد کے انتخاب کے سلسلہ میں جو صورت اختیار فرمائی وہ اس دور کے حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور کے فتنہ سے لے کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح تک اہل اسلام میں جو فکری انتشار اور نظریاتی اختلاف پیدا ہو گیا تھا اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے بصد مشکل قابو پایا اور لوگوں کو بڑی سیاسی تدابیر سے ایک نظم میں منسلک کیا۔

پھر آں موصوف نے اپنے عہد خلافت میں اسلام کی بہتری کی خاطر اور اہل اسلام کی خیر خواہی کے پیش نظر مسئلہ خلافت و امارت میں افتراق و انتشار نہیں واقع ہونے دیا اور جو اس سلسلے میں عوارض پیش آئے ان کو رفع کیا۔ اور انیس سال چند ماہ آپ کی بالاستقلال خلافت کا عہد ہے۔ اس تمام دور میں اسلام کی ترقی کے لیے ہر ملک اور ہر علاقے میں اسلام کے استحکام کی پوری کوششیں جاری رکھیں اور پرچم اسلام کو ہر مقام پر بلند کیا اور لوائے اسلام کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

نیز مسئلہ استخلاف پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہ تھی اور اس کوشش میں تھے کہ جو اسلام کا شیرازہ بڑی محنتوں سے پھر سے بندھا ہے وہ منتشر نہ ہونے پائے۔ اس سلسلے میں وہ اس دور کے اہل الرائے سے استفادہ اور مشورہ بھی حاصل کرتے رہے۔ آخر کار ان کی یہ رائے ہوئی کہ اگر چہ ان کے فرزند یزید سے دیگر حضرات تقویٰ اور علم میں زیادہ فوقیت رکھتے ہیں لیکن انتظام مملکت کے سلسلے میں اور قبائلی اتحاد کے پیش نظر یہی صورت بہتر ہے کہ یزید کو ولی عہد بنایا جائے۔ اگر اس کے ماسوا کوئی دیگر صورت اختیار کی جاتی تو قبائلی انتشار کا شدید خدشہ تھا، خصوصاً قریش کا عظیم قبیلہ (بنو امیہ) کسی دوسری صورت پر رضامند ہونے کو آمادہ نہ تھا۔

اس مسئلے کے متعلق صحیح طور پر واقعہ کو ترتیب میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم عام روایات پر نظر ڈالنے اور اپنی معلومات کی حد تک اس واقعہ کو مختصراً اس طرح ذکر کیا جا سکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جب یزید کے لیے بیعت حاصل کرنے کی رائے پختہ ہو گئی تو بعض روایات کے اعتبار سے انھوں نے ۵۶ ھ میں اپنے ماتحت ولاۃ اور حکام کو یزید کی ولی عہدی کے متعلق لکھا اور اپنے حکام کو مختلف قبائل اور علاقہ کے اکابر سے یزید کی امارت کے لیے بیعت لینے کا حکم صادر فرمایا۔

چنانچہ اس دور میں مدینہ طیبہ پر مروان بن حکم والی اور حاکم تھا۔ اس نے مدینہ منورہ کے اکابرین کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو اس موقع پر بعض حضرات مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم نے اس مسئلے میں خلاف کیا اور مروان کی ان حضرات کے ساتھ گفتگو میں شدت پیدا ہو گئی اور خلاف

کرنے والے افراد نے اپنے اختلاف رائے کو برملا ظاہر کر دیا۔

اور بعض دیگر روایات کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور واپسی پر جب مدینہ طیبہ میں پہنچے تو اس وقت کے اکابر صحابہ کرام جناب عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جناب عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو طلب کیا اور ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا۔

ان حضرات کی رائے دوسری تھی انھوں نے اس مسئلہ میں اختلاف رائے کا اظہار کیا خصوصاً عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما یزید کی ولی عہدی کے لیے نامزدگی کے سخت خلاف تھے جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نرمی کا رویہ اختیار فرمایا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو بیعت یزید کے لیے کہا تو مذکورہ بالا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ماسوا دوسرے لوگ اس چیز پر آمادہ ہو گئے اور بیعت کو تسلیم کر لیا۔

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واپس شام تشریف لائے۔ کچھ مدت کے بعد جناب عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور جناب عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیعت یزید منظور کر لی۔ لیکن سیدنا حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنی اختلافی رائے پر قائم رہے۔

اسلامی مملکت کے دیگر علاقوں سے اس مسئلہ میں کوئی قابل ذکر اختلاف رائے کا اظہار نہیں کیا گیا اور عام طور پر بیعت یزید قبول کر لی گئی۔

بعض شیعہ مورخین نے انتخاب کے مسئلے کا یہ واقعہ ۵۹ھ میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عراق اور دیگر بلاد سے وفود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے اور اس موقع پر ولی عہدی کا فیصلہ یزید کے حق میں کیا گیا۔[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ضعیف العمر ہو گئے تو انھوں نے اپنے فرزند یزید کو جہاں دیگر وصایا فرمائے وہاں یہ وصیت بھی تاکیداً ذکر کی کہ میرے بعد تمھاری امارت کے سلسلے میں جناب حسین اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہما) کے ماسوا کسی سے اختلاف کی توقع نہیں۔ اگر اہل عراق حسین ابن علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) کو تمھاری مخالفت پر آمادہ کر کے سامنے لائیں تو ان سے نہایت نرمی کا سلوک کرتے ہوئے درگزر کا معاملہ کرنا۔ جیسا کہ قبل ازیں ''رعایت کا معاملہ کرنے کی وصیت'' کے عنوان کے تحت فصل نہم میں اسے ذکر کیا گیا ہے اور حوالہ جات دے دیے ہیں۔

تنبیہ

استخلاف یزید کے متعلق مختلف النوع روایات پائی جاتی ہیں۔ بعض میں بیعت یزید کے لیے حضرت امیر

[1] مروج الذہب (مسعودی) ص ۳۶ ج ۳ تحت ذکر خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ

وعیار رضی اللہ عنہ کی طرف سے ظلم اور زیادتی اور جبر و اکراہ کا مفہوم پایا جاتا ہے گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ بزور قوت طے کیا۔ اور اس مقام کی بعض روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تہدید قتل اور جواب میں مخاطب کی طرف سے لعن طعن کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس نوع کی روایات مجروح ہیں اور ان کی سند میں روایت کرنے والا کہتا ہے کہ قال حدثنی رجل بنخلة...... الخ (یعنی ایک شخص نے مجھے یہ روایت نخلہ کے مقام پر بیان کی......الخ) یعنی اس روایت کو بیان کرنے والا ایک ''رجل'' ہے اور یہ ''رجل'' ایک مجہول الذات والصفات شخص ہے۔ معلوم نہیں یہ کون ہے اور کن نظریات کا حامل شخص ہے؟ نیز جب یہ واقعہ پیش آیا راوی اس زمانے کا شخص نہیں بلکہ بعد کے دور کا ہے۔ پھر کس شخص نے اس کو یہ واقعہ بتلایا؟ اس صورت میں روایت ہذا میں واضح طور پر انقطاع زمانی موجود ہے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ تاریخ میں تنقید کا معیار تب ہی کمزور رکھا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے نہ ٹکرائیں اور بنا بر قبول ان کے اثرات عقائد کو نہ چھوتے ہوں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور اتباع شریعت کی روایات آپ سابقاً پڑھ آئے ہیں اب ان بے سروپا تاریخی مرویات کے سہارے ہم ان اصولی روایات کو کیسے چھوڑ دیں؟ اور ان غیر مستند اور غیر معتمد (مرسل و منقطع) مرویات کو کیسے قبول کر لیں؟ جن کا تاریخی ملغوبات سے زیادہ کچھ وزن نہیں۔

بہرکیف اس نوع کی روایات کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو گرایا نہیں جا سکتا اور ان کی وجہ سے ان عظیم المرتبت شخصیات کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ بیعت یزید میں اگرچہ بعض حضرات نے اختلاف رائے کیا تھا لیکن بعد میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم وغیرہم نے بیعت ہذا تسلیم کر لی تھی، اور سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے نظریاتی اختلاف پر قائم رہے۔ لیکن اس دور کے باقی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور دیگر لوگوں نے عموماً مسئلہ بیعت کو تسلیم کر لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کوئی تشدد اور ظلم و زیادتی نہیں کی بلکہ مسئلہ ہذا کو بہتر طریق سے انجام دیا۔ اس چیز کی تائید میں ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین شیعہ حضرات کا بیان پیش کرتے ہیں جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ

((ولم یکرههم علی البیعة))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیعت یزید پر مجبور نہیں کیا اور جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا۔''

---

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۲۹ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی، طبع بیروت۔

مکہ مکرمہ میں خطبہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ ہو گئے تھے اور اپنے جسمانی و طبعی تقاضوں میں بہت ضعف محسوس کرتے تھے اور یہ صحیح ہے کہ آپ میں کافی ضعف آ چکا تھا۔

ان ایام میں آپ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا۔ جب آپ مکہ مکرمہ کے قریب ابواء کے مقام پر پہنچے تو وہاں بقول مورخین آپ پر مرض لقوہ کا حملہ ہوا۔ اسی حالت میں آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر جب طبیعت کچھ سنبھلی تو لوگوں کو ملاقات کا موقع دیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! ابن آدم پر مصیبت وارد ہوتی ہے اور ابتلا آتا ہے تاکہ اسے (صبر کرنے پر) اجر ملے یا بعض اوقات کسی معصیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کی جاتی ہے اور اسے طلب رضائے الٰہی کا موقع دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے مالک کو رضامند کر سکے۔

میں اس مرض میں مبتلا ہوا ہوں مجھ سے پہلے بھی اخیار لوگ مرض میں مبتلا ہوئے ہیں اور میں صالحین میں سے ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ اگر مجھے معاف کر دیا جائے تو مجھ سے قبل خطا کاروں کو معاف کر دیا گیا ہے اور میں معافی یافتہ لوگوں میں شمار ہونے سے ناامید نہیں ہوں۔

((ثم اذن للناس فلما اخذوا مجالسهم حمد الله واثنى عليه وصلى على محمد ﷺ ثم قال: ایها الناس ان ابن آدم یعرض بلاء اما مبتلا لیوجروا ما معاقب بذنب واما مستعتب لیعتب۔ فان ابتلیت فقد ابتلی الصالحون قبلی وانی لارجوا ان اکون منهم ...... الخ))[1]

شام میں خطبہ

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملک شام واپس تشریف لائے اور حسب دستور سابق اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ پھر ایک بار بطور نصائح کے ایک خطبہ دیا (جس میں دنیا کی بے ثباتی اور خلافت و امارت پر تجزیہ پیش کیا)۔

عبادہ بن نسی کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ ہماری مثل ایک کھیتی کی ہے جو بوئی گئی اور پھر مدت پوری ہونے پر اس کو کاٹ دیا گیا۔ میں تم پر ایک مدت تک

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۹۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
انساب الاشراف (بلاذری) ص ۲۲ ج ۴ طبع یروشلم، تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۴۴، در آخر صواعق المحرقہ، طبع مصر۔

والی اور حاکم رہا ہوں۔ مجھ سے قبل والے امراء اور خلفاء مجھ سے بہتر تھے اور میرے بعد مجھ سے بہتر آنے والے کی امید نہیں ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔ پھر فرمایا اے اللہ! میں تیری ملاقات کو پسند کرتا ہوں تو میری ملاقات کو پسند فرما کر بہتر بنا دے۔

((عن عبادة بن نسيى قال خطب معاوية رضي الله عنه الناس فقال انى من زرع قد استحصد وقد طالت امرتى عليكم ولا ياتيكم بعدى خير منى كما ان من كان قبلى كان خيرا منى وقد قيل من احب لقاء الله احب الله لقاءه۔ اللهم انى قد احببت لقاءك فاحب لقائى))[1]

نصف مال دینا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری اوقات میں جو حالات پیش آئے ان میں سے یہ چیز قابل ذکر ہے کہ آں موصوف نے آخری اوقات میں اپنے ذاتی اموال کے متعلق یہ وصیت فرمائی کہ میرے ذاتی اموال کا نصف اسلامی بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ گویا کہ وہ ازراہ احتیاط اپنے مال کو صاف کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح آخری اوقات میں اپنا مال تقسیم کر دیا۔

((عن محمد بن الحكم عمن حدثه ان معاوية رضي الله عنه لما احتضر اوصى بنصف ماله ان يرد الى بيت المال كانه اراد ان يطيب له۔ لان عمر بن الخطاب رضي الله عنه قاسم عماله))[2]

موئے مبارک سے تبرک حاصل کرنا

دوسری چیز مورخین نے یہ ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کا زمانہ جب قریب ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند تبرکات محفوظ ہیں ان میں سے ایک چیز موئے مبارک ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں صفا کے مقام پر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال مبارک کٹوانے کا ارادہ فرمایا تو یہ خدمت میں نے سرانجام دی اور مشقص (بال کاٹنے کا آلہ) کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹے۔ ان میں سے چند بال میں نے حاصل کیے۔

---

1. تاریخ ابن عساکر (مخطوط عکسی) ص ۷۰۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
   البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
2. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
   انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۲ ج ۴ ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

اب وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان کو میرے منہ اور ناک میں رکھ دیا جائے۔
چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ

((عن معاویة رضی اللہ عنہ قال قصرت عن رسول اللہ ﷺ بمشقص))[1]

اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لما احتضر معاویة رضی اللہ عنہ قال یا بنی انی کنت مع رسول اللہ ﷺ علی الصفا وانی دعوت بمشقص فاخذت من شعرہ وھو فی موضع کذا وکذا فاذا انامت فخذوا ذالك الشعر فاحشوا بہ فمی ومنخری))[2]

ناخن کے تراشے

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جناب نبی اقدس ﷺ کے ناخن مبارک کے کچھ تراشے تھے جو انھوں نے اپنے پاس محفوظ کیے ہوئے تھے۔ اس موقع پر ان کے متعلق بھی وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو ناخن مبارک کے تراشوں اور بال مبارک کو میرے منہ، ناک، آنکھوں اور کانوں میں ڈال دیا جائے۔ امید ہے ان کی برکت سے معافی ہو جائے گی۔

بلاذری نے اسی چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وقلم اظفارہ فاخذت قلامتھا فاذا مت فالبسونی القمیص وخذوا القلامة فاجعلوھا فی عینی فعسی اللہ......))[3]

ابن عساکر نے تحریر کیا ہے کہ:

((قراضة من شعر واظفارہ فاستودع القراضة انفی واذنی وعینی......الخ))[4]

اور ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ

((وقلم اظفارہ فاخذت القلامة فجعلتھا فی قارورة فاذا مت۔ واقطعوا تلك القلامة واستحقوھا واجعلوھا فی عینی فعسی))[5]

---

[1] بخاری شریف ص ۲۳۳ ج ۱ تحت باب الحلق والتقصیر، کتاب مناسک الحج۔

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۵۵۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[3] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[4] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۵۰۷ ج ۱۶، ص ۵۵۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[5] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۵۰۷ ج ۱۶، ص ۵۵۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

اور امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء واللغات میں ذکر کیا ہے کہ:

((وکان عندہ قلامۃ اظفار رسول اللہ ﷺ فاوصی ان تسحق وتجعل فی عینیہ وفمہ وقال افعلوا ذالک بی وخلوا بینی وبین ارحم الراحمین))[1]

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے درج کیا ہے کہ:

((وان رسول اللہ ﷺ قلم یوما اظفارہ واخذ من شعرہ فجمعت ذالک۔ فاذا مت فاحش بہ فمی وانفی۔ وخبات قلامۃ اظفارہ فی قارورۃ فاذا مت فاجعلوا المقمیص علی جلدی واستحقوا تلک القلامۃ واجعلوھا فی عینی فعسی اللہ ان یرحمنی ببرکتھا))[2]

"مندرجات بالا کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید الکونین ﷺ کے ناخن مبارک کے تراشے اور موئے مبارک وقمیص مبارک میں نے محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان تبرکات کو میرے منہ، ناک، اور آنکھوں میں ڈالا جائے اور قمیص مبارک میرے بدن کے ساتھ لگائی جائے، پھر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ امید ہے اللہ کریم ان چیزوں کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائیں گے۔"

مسئلہ ہذا کو بے شمار اکابر نے اس مقام پر درج کیا ہے ہم نے بعض حوالہ جات کی عبارتیں اہل علم کی تسلی کے لیے ذکر کر دی ہیں اس کے ماسوا بعض معتمد علماء کے صرف حوالہ جات نقل کیے ہیں۔ جو صاحب تسلی کرنا چاہیں وہ مقامات ذیل کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:

① الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۳۸۰ ج ۳ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (مع الاصابہ)

② اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۸۷ ج ۴ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

③ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۸، ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

④ مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۲۶۷ ج ۱ کتاب العلم الفصل الاول طبع ملتان۔

⑤ الناہیہ عن ذم معاویہ رضی اللہ عنہ از مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ ص ۳۱ تحت فصل فی فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ طبع ملتان۔

⑥ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۵۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۳ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[2] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۲ ج ۶ تحت سنہ ۶۰ ھ ذکر العلۃ التی کانت فیہا وفاتہ

قمیص مبارک سے تبرک

کبار علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری اوقات میں جو وصایا فرمائے تھے ان میں قمیص نبوی کے متعلق ایک تاکیدی وصیت بھی فرمائی تھی۔ اگرچہ ضمناً پہلے اس کا ذکر آ گیا ہے لیکن اب بالاصالت ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرانے کی سعادت حاصل کی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر شفقت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے معاویہ! میں تجھے ایک قمیص نہ پہناؤں؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ ضرور مجھ پر عنایت فرمائیں۔ آنجناب نے اپنا قمیص مبارک اتار کر مجھے پہنا دیا۔ میں نے وہ قمیص مبارک کچھ دیر پہنا اور پھر اس کو میں نے اپنے پاس محفوظ رکھ لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس قمیص مبارک کو اس وقت کے لیے محفوظ رکھا ہوا تھا اب اس قمیص مبارک کو میرے کفن کے اندر داخل کر دیا جائے اور یہ میرے جسم سے متصل ہونا چاہیے۔

بلاذری و ابن عساکر رحمہما اللہ ذکر کرتے ہیں کہ

((میمون بن مهران عن ابیه ان معاویه رضی اللہ عنہ قال: فی مرضه الذی مات کنت اوضی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی الا اکسوك قمیصا قلت بلی بابی وامی۔ فنزع قمیصا کان علیه فکسانیه...... الخ))[1]

اور امام نووی رحمہ اللہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

((ولما حضرته الوفاة اوصی ان یکفن فی قمیص کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کساه ایاه وان یجعل ما یلی جسده...... الخ))[2]

آثار نبوی کا احترام، کساء (چادر) مبارک سے تبرک

سیرت و تراجم نگار علماء نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذوق و شوق اور عقیدت مندی کا ایک واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک مشہور شاعر کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ رضی اللہ عنہ تھے جو اسلام لانے سے قبل اسلام کے خلاف اپنے شاعرانہ کلام میں سراسر ہجو گوئی کرتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے کعب

---

[1] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تہذیب الاسماء (نووی) ص ۱۰۳ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

بن زہیر موصوف کو ہدایت بخشی تو وہ مشرف باسلام ہوئے اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کمال شفقت فرماتے ہوئے وہ چادر مبارک جو زیب تن فرمائے ہوئے تھے انھیں عطا فرمائی۔

یہ چادر مبارک کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسے دس ہزار درہم میں خریدنے کی کوشش فرمائی مگر کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے یہ چادر مبارک فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر جب کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے یہ چادر بیس ہزار درہم کے عوض میں حاصل کی۔

یہ وہی چادر مبارک تھی جس سے خلفائے بنوامیہ اور پھر بنوعباس تبرک حاصل کرتے رہے اور عیدین میں اس کو پہنتے تھے۔ اس چیز کو علی بن برہان الدین حلبی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف سیرۃ حلبیہ میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((القی علیه (کعب بن زهیر رضی الله عنه) صلی الله علیه واله وسلم بردة کانت علیه صلی الله علیه وسلم وقد اشتراها معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنهما من آل کعب بمال کثیر ای بعد ان دفع لکعب رضی الله عنه فیها عشرة الاف۔ فقال ما کنت لا اوثر بثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم احدا فلما مات کعب رضی الله عنه اخذها من ورثته بعشرین الفا وتوارثها خلفاء بنی امیة ثم خلفاء بنی العباس))[1]

اور اصابہ واسد الغابہ میں ہے کہ:

((فکساه النبی صلی الله علیه وسلم بردة له فاشتراها معاویة (بن ابی سفیان رضی الله عنهما) من ولده فهی التی یلبسها الخلفاء فی الاعیاد...... الخ))[2]

ایک دیگر واقعہ

ماقبل کے صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آثار نبوی کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی چند ایک چیزیں ذکر کی ہیں۔ اب اس کے بعد اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت نبوی اور عقیدت کا ایک دیگر واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جو کبار علماء اور مورخین نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت کے احترام واکرام کے جذبات کا مظاہرہ اور ان کی ایمانی کیفیات کا مشاہدہ پایا جاتا ہے۔

---

[1] سیرۃ حلبیہ ص۲۴۲ ج۳ تحت باب یذکر فیہ ما یتعلق بالوفود التی وفدت علیہ صلی اللہ علیہ وسلم

[2] الاصابہ (ابن حجر) مع الاستیعاب ص۲۷۹ ج۳ تحت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ

اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص۲۴۱ ج۴ تحت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ

واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کے علاقہ میں ایک شخص کابس بن ربیعہ سامی بصری رہتے تھے ان کی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک گونہ صورتاً مشابہت پائی جاتی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب کابس بن ربیعہ مذکور کے متعلق علم ہوا تو انھوں نے والی اور حاکم بصرہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال کیا کہ کابس بن ربیعہ کو احترام کے ساتھ میری طرف روانہ کریں۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطور وفد روانہ کیا۔

جب کابس بن ربیعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو آں موصوف کو کابس کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرط عقیدت میں اپنی مسند سے اتر پڑے اور پاپیادہ چل کر کابس بن ربیعہ کا استقبال کیا اور ان سے ملاقات کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شوق اور تکریم کی بنا پر کابس بن ربیعہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور پیشانی کی تقبیل کی (یعنی پیشانی چومی)۔

بعدۂ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے مرو کے علاقے میں ایک قطعہ اراضی مستقلاً متعین کر دیا جس کو مرغاب کہتے تھے تاکہ آپ سہولت اور خوشحالی سے اپنا وقت بسر کر سکیں۔ یہ صرف آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کے احترام کے پیش نظر کیا اور ان کی قدر شناسی کی سعادت حاصل کی۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب جناب کابس کو دیکھتے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہونے کے سبب سے گریہ فرماتے تھے۔

((وکان بلغ معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ان بالبصرة رجلا یشبه برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فکتب الی عامله علیها وهو عبدالله بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ ان یوفده الیه فاوفد کابسا (کابس بن ربیعة) فلما دخل الی معاویه رضی اللہ عنہ نزل عن سریره ومشی الیه حتی قبل بین عینیه واقطعه المرغاب))[1]

اسی چیز کو قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے الشفاء میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وبلغ معاویة رضی اللہ عنہ ان کابس بن ربیعة (بن مالك بن لؤی السامی البصری) یشبه برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم (بنوع من الشبه) فلما دخل علیه من باب الدار قام عن سریره وتلقاه وقبل بین عینیه (تکریما لمشابهته لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وکان انس بن مالك رضی اللہ عنہ اذا راٰه بکی لتذکرة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم) و اقطعه المرغاب

[1] کتاب المحبر (ابوجعفر بغدادی) ص ۴۶-۴۷ تحت المشبهون بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۴۹۲-۴۹۳ ج ۱۴ تحت الکاف (کابس بن ربیعہ السامی)

((اسم ارض بمرو) لشبهه صورة رسول الله ﷺ))[1]

نیز تراجم نویس علماء نے ذکر کیا ہے کہ ہاشمی حضرات میں سے جناب قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی ظاہری شکل وصورت سردار دو جہاں ﷺ کے ساتھ ایک گونہ مشابہ تھی (اور یہ چیز قبل ازیں فتوحات خراسان وترکستان کے تحت تنبیہ کے ذیل میں ذکر ہو چکی ہے)

((كان (قثم بن عباس رضی اللہ عنہما) يشبه بالنبی ﷺ))[2]

مختصر یہ ہے کہ آثار نبوی کے ساتھ تبرک واستفادہ کی چند ایک چیزیں گزشتہ صفحات میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں۔ یہاں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایمانی کیفیت اور عقیدت مندی واضح ہے۔ اور یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کا احترام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے اور آنجناب کی شریعت کی پابندی کرنا ان کا مقصد حیات تھا۔ یہی چیز ارادت مندی کا صحیح تقاضا اور عقیدت کا ثبوت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آں موصوف ارشادات نبوی اور شرعی قواعد کا ہرگز خلاف نہیں کرتے تھے ان کے یہ آخری اعمال اس بات کے شاہد ہیں۔

بعض دیگر وصایا

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی اسلام کی ترقی اور اس کے احیا و بقا کے لیے وقف رہی اور آں موصوف زندگی کے آخری مراحل تک اسلام کی اشاعت اور بقا کے لیے مساعی فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ آخری وصایا میں بھی اس بات کی تلقین فرمائی کہ رومیوں کے گلے کو خوب دبا کر رکھا جائے اور ان پر کنٹرول مضبوط کیا جائے تا کہ ان کے ذریعے سے باقی اقوام کو بدنظمی سے بچا کر ایک ضبط میں رکھا جا سکے۔

((كان آخر ما اوصاهم به معاوية رضی اللہ عنہ ان شدوا خناق الروم فانكم تضبطون بذالك غيرهم من الامم))[3]

وجہ یہ ہے کہ روم اس دور کی بڑی اہم قوت تھے اور وسیع علاقہ جات پر ان کے اثرات تھے ان کو اسلام کے زیر نگین کرنے سے ہی اسلامی سرحدوں کی مکمل حفاظت ہو سکتی تھی۔ دور اندیشی کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

نسیم الریاض شرح الشفا (شہاب الدین خفاجی) ص ۶۳ ج ۳ فصل من توقیرہ ﷺ ...الخ

جمع الجوامع (سیوطی) ج ۱۴ ص ۱۹ تحت مسند انس بن مالک، طبع بیروت

الاصابہ مع الاستیعاب ص ۲۱۸ ج ۳ تحت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

الاستیعاب مع الاصابہ ص ۲۶۴ ج ۳ تحت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۲۰ ج ۱ تحت سنہ ۶۰ھ

نے حفاظتی تدابیر کو ملحوظ رکھا اور رومیوں کو نظم و ضبط میں رکھنے کی وصیت فرمائی۔ یہ ان کی کمال فراست اور عاقبت اندیشی کا ثبوت ہے۔

تقویٰ کی تلقین

آخری ایام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت زیادہ علیل ہوگئی اور بیماری کا غلبہ ہوگیا اور علاج معالجہ کے باوجود کوئی افاقہ نہ ہوسکا۔ اس دوران میں بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر غنودگی طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت پر شدت مرض کی وجہ سے اغماء ہوا۔ پھر جب کچھ صحو ہوا اور حالت سنبھلی اور آپ ہوش میں آئے تو فرمایا:

((فقال لمن حضره من اهله اتقوا الله فان الله يقى من اتقاه ولا يقى لمن لا يتقى الله ثم قضى۔ رحمه الله))[1]

اور البدایہ میں ہے کہ

((اغمى عليه ثم افاق فقال لاهله اتقوا الله فان الله تعالىٰ يقى من اتقاه ولا يقى من لا يتقى۔ ثم مات۔ رحمه الله))[2]

"یعنی اپنے حاضرین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرو۔ جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا اللہ تعالیٰ اس کو مہالک سے بچا لیتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتا اس کے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اللہ کریم ان پر رحم فرمائیں۔"

وفات، جنازہ اور دفن

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت میں وصایا اور ہدایات فرمائیں۔ پھر طبیعت نہایت مضمحل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وقت مقرر تھا وہ آپہنچا اور آپ انتقال فرما کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

بقول بعض مورخین آپ کا فرزند یزید بن معاویہ اس موقع پر موجود نہیں تھا اور حوارین کے مقام پر گیا ہوا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا۔ ضحاک بن قیس فہری رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے باعتماد افراد میں سے تھے۔ وہ انتقال کے بعد کفن ہاتھ میں لیے ہوئے ان کے مکان سے باہر آئے اور لوگوں کو حمد و ثنا کے بعد کہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا ہے آپ تمام

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۵۵۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۲ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۴۹ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

عرب کے لیے سور البلد (شہر پناہ) کی طرح جائے پناہ اور معاون و مددگار تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے خانہ جنگی کو ختم فرمایا اور بے شمار ممالک ان کی سربراہی میں مفتوح ہو کر مملکت اسلامی میں شامل ہوئے اب ہم ان کو اس کفن میں داخل کریں گے۔

ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک قاصد کے ذریعے سے یزید کی طرف حوارین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی اطلاع ارسال کی اور اسے جلد واپس پہنچنے کے لیے لکھا۔ پھر اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا گیا اور حسب وصیت وہ تبرکات جو آں موصوف نے محفوظ کیے ہوئے تھے کفن میں شامل کیے گئے۔ (جیسا کہ قبل ازیں وصایا میں ذکر کیا گیا ہے)۔

((وقد ورد من غير وجه انه اوصى اليه ان يكفن في ثوب رسول الله ﷺ الذي كساه اياه۔ وكان مدخرا عنده لهذا اليوم وان يجعل ما عنده من شعره وقلامه اظفاره في فمه وانفه وعينيه واذنيه))[1]

جب تجہیز و تکفین کے مراحل طے ہو چکے تو نماز ظہر ادا کرنے کے بعد ضحاک بن قیس فہری مذکور رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ مسجد جامع دمشق میں پڑھائی اور بعدہ بقول بعض مورخین انھیں دارالامارۃ دمشق (جسے خضراء کہتے ہیں) میں دفن کیا گیا۔

بقول امام ذہبی رحمہ اللہ باب الجابیہ اور باب الصغیر (دمشق) کے درمیان دفن ہوئے۔

اور جمہور اہل تاریخ کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جسد کو باب الصغیر کے نزدیک جو مقابر تھے ان میں سپرد خاک کیا گیا۔ (اللہ اعلم) يغفر الله له و يرحمه۔

((قال لما مات معاوية رضي الله عنه صعد الضحاك بن قيس المنبر فخطب الناس۔ واكفان معاوية رضي الله عنه على يديه فقال بعد حمد الله والثنا عليه: ان معاوية الذى كان سور العرب وعونهم وجدهم۔ قطع الله به الفتنة وملكه على العباد وفتح به البلاد الا انه قد مات وهذه اكفانه۔ وبعث البريد الى يزيد بن معاوية يعلمه ويستحثه على المجيئ۔ كان ابنه يزيد غائبا فصلى عليه الضحاك بن قيس رضي الله عنه بعد صلوة الظهر بمسجد دمشق۔ ثم دفن فقيل بدارالامارة وهى الخضراء وقيل بمقابر باب الصغير وعليه الجمهور فالله اعلم))[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۲، ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ طبری ص ۱۸۲ ج ۶ تحت ذکر الخبر عن من صلی علی معاویہ رضی اللہ عنہ
مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۸۷ ج ۲۵ طبع دمشق

((ودفن بين باب الجابية و باب الصغير فيما بلغني))[1]

یہی مضمون ابن عساکر میں ص ۷۵۷ ج ۱۶ (مخطوطہ عکسی) اور صفحہ ۱۹۶ ج ۲ طبع اول دمشق میں ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے تحت مذکور ہے۔ تسلی کے لیے ناظرین کرام رجوع فرمائیں۔

اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ

((وصلى عليه الضحاك بن قيس الفهرى رضي الله عنه لغيبة يزيد فى ذالك الوقت و دفن بدمشق))[2]

یزید کی واپسی

یزید کو حوارین کے مقام پر اپنے والد کے انتقال کی اطلاع ملی تو وہ واپس دمشق پہنچا۔ پہلے باب الصغیر کے مقابر کی طرف گیا اور والد کے مزار پر جنازہ پڑھا اور دعائے مغفرت کی اور پھر اس کے بعد اپنی منزل کی طرف آیا۔

((ثقل معاوية رضي الله عنه و يزيد بحوارين فاتاه الرسول بخبره فجاء وقد دفن معاوية رضي الله عنه فلم يدخل منزله حتى اتى قبره فترحم عليه ودعا له۔ ثم انصرف الى منزله))[3]

تنبیہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مزار اور دفن کے متعلق گزشتہ سطور میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ قدیم دور کے مؤلفین کی تصریحات کے مطابق ہے۔ مرور زمانہ کے بعد بے شمار تبدیلیاں اور تصرفات ہوئے اور لاتعداد حکومتیں تبدیل ہوئیں اب اس دور میں آں موصوف کے مزار کی جو کیفیت ہے وہ موجودہ دور کے ایک مشہور فاضل اور معتمد عالم دین (مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کراچی) نے اپنے رسالہ ''البلاغ'' میں یہ عبارت ذیل ذکر کی ہے:

''معلوم ہوا کہ اس مزار کو حکومت (دمشق) نے عام زیارت کے لیے بند کر رکھا ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بعض روافض یہاں آ کر شرارت اور مزار کی بے حرمتی کا ارتکاب کرتے تھے۔ لہٰذا محکمہ

---

1. تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۴ ج ۲
2. تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی علیہما السلام
3. کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۵۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اوقات (دمشق) نے یہ پابندی لگا دی ہے کہ اجازت نامے کے بغیر کسی کو اندر نہ بھیجا جائے۔

...... یہ ایک پرانے طرز کا (بوسیدہ) مکان تھا جس کے لمبوترے صحن سے گزر کر ایک بڑا سا کمرہ نظر آیا جس میں چند قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک قبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بتائی جاتی ہے۔ یہاں سلام عرض کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔"[1]

حوالہ ہذا کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ شیعہ احباب کو جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے ساتھ قلبی عداوت ہے اسی طرح آں موصوف کی قبر کے ساتھ بھی کامل عناد ہے۔ ان کو موقع ملے تو قبر کے ساتھ بھی دشمنی پوری کرنے سے نہیں چوکتے حالانکہ اسلام میں قبر کا بھی احترام ہے۔

تاریخ وفات وعمر و مدت خلافت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات، ان کی عمر اور مدت خلافت کے متعلق علمائے فن کے متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔

اس بنا پر ان ہر سہ امور کے متعلق ذیل میں چند مشہور اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

((توفی معاویة رضی اللہ عنہ فی رجب لاربع لیال خلت منه سنة ستین))[2]

((وفی سنة ستین توفی امیرالمؤمنین معاویة رضی اللہ عنہ فی رجب لاربع لیال خلت منه))[3]

ابن حبان رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ

((مات یوم الخمیس النصف من رجب سنة ستین (۶۰ھ) وهو ابن ثمانین سنة فکانت ولایته تسع عشر سنة وثلاثة اشهر واثنین وعشرین لیلة))[4]

اور بلاذری نے لکھا ہے کہ

((توفی معاویة رضی اللہ عنہ للنصف من رجب سنة ستین وله اثنتان وثمانون سنة))[5]

---

[1] ماہنامہ "البلاغ" کراچی ص ۲۰-۲۱ بابت ماہ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ دسمبر ۱۹۸۷ء تحت مضمون بعنوان "احد سے قاسیون تک" از حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ دارالعلوم کراچی نمبر۱۴

[2] کتاب المعرفۃ والتاریخ (بسوی) ص ۳۲۴ ج ۳ تحت سنہ ۶۰ھ

تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۱۰ ج ۱ تحت ذکر ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ۱ تحت سنہ ۶۰ھ

[4] کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۳۷۳ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[5] کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۲ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (طبع یروشلم)

اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ

((مات لیلة الخمیس للنصف من رجب سنة ستین وهو یومئذ ابن ثمان وسبعین سنة))[1]

اور تاریخ خلیفہ ابن خیاط میں امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق ایک قول اس طرح مذکور ہے کہ

((وفیها مات معاویه رضی اللہ عنہ بدمشق یوم الخمیس لثمان بقین من رجب۔ مات معاویة رضی اللہ عنہ وهو ابن اثنتین وثمانین سنة ویقال ثمانین ویقال ست وثمانین وکانت ولایة تسع عشر سنة وثلاثة اشهر وعشرین یوما))[2]

((ومات یوم الخمیس لثمان بقین من رجب سنة ستین قال خلیفة وعمر بن علی وقال عمرو وهو ابن ثمان وسبعین سنة۔ واجتمع الناس علیه الی ان مات تسع عشرة سنة واربعة اشهر))[3]

اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ

((وکانت ولایته تسع عشرة سنة وثمانیة اشهر))[4]

اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں جو متعدد اقوال اس مسئلے میں پائے جاتے ہیں جمع کر دیے ہیں۔

((لا خلاف انه توفی بدمشق فی رجب سنة ستین۔ فقال جماعة لیلة الخمیس للنصف من رجب سنة ستین۔ وقیل لیلة الخمیس لثمان بقین من رجب سنة ستین۔ قاله ابن اسحاق وغیر واحد۔ وقیل لاربع خلت من رجب قاله اللیث))[5]

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات، عمر اور مدت خلافت کے بارے میں جو اقوال سطور بالا میں درج کیے گئے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ:

- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات بعض کے نزدیک ۴ رجب ۶۰ھ ہے اور بعض کے نزدیک یوم الخمیس

---

1. طبقات ابن سعد ص ۱۲۸ ج ۷ قسم ثانی تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
2. تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۵-۲۱۶ ج ۱ تحت سنہ ۵۹ھ
3. تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۷۴۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
4. تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۸ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی علیہ السلام
5. البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

البدایہ ص ۱۱۶ ج ۸ تحت سنہ ۶۰ھ

۱۵ رجب ۶۰ ھ ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ آپ ۲۲ رجب ۶۰ ھ میں فوت ہوئے۔ برصغیر پاک و ہند میں شیعہ حلقوں میں یہ ۲۲ رجب ہی زیادہ مشہور ہے۔

❁ اور انتقال کے وقت آپ کی عمر بعض کے نزدیک ۷۸ سال اور بعض کے نزدیک ۸۰ یا ۸۲ سال اور ایک قول کے مطابق ۸۶ سال کی تھی۔

❁ اور آں موصوف کا عہد خلافت و ولایت بقول مورخین ۱۹ برس اور تین ماہ یا چار ماہ پر محیط تھا اور یعقوبی شیعی کے قول کے مطابق آپ کی خلافت و ولایت ۱۹ سال ۸ ماہ تھی۔

ازواج و اولاد

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ازواج اور اولاد کے متعلق مورخین نے مندرجہ ذیل تصریحات ذکر کی ہیں:

① پہلی زوجہ میسون بنت بحدل بن انیف کلبیہ تھی۔ اس سے یزید بن معاویہ اور ایک لڑکی امہ رب المشارق (جو بچپن میں ہی فوت ہوگئی تھی) پیدا ہوئے۔

② فاختہ بنت قرظہ بن عمرو سے عبدالرحمٰن اور عبداللہ پیدا ہوئے اور ایک بیٹی ہند بنت معاویہ تولد ہوئی جس کا نکاح عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

③ ایک زوجہ نائلہ بنت عمارہ کلبیہ تھی۔ اس زوجہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور مطلقہ کر دی گئی۔

④ کنود، کتوہ، کنوہ (علیٰ اختلاف الاقوال) بنت قرظہ بن عمرو یہ فاختہ بنت قرظہ کی بہن ہے اور فاختہ کے الگ ہونے کے بعد اس کو نکاح میں لیا۔ اس زوجہ سے رملہ بنت معاویہ پیدا ہوئی جس کا نکاح عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا۔

((فولد معاوية بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما يزيد وامه ميسون بنت بحدل بن انيف۔ وعبدالله بن معاوية و هند بنت معاوية تزوجها عبدالله بن عامر بن كريز رضی اللہ عنہ امهما فاختة بنت قرظة بن عبدعمرو بن نوفل بن عبدمناف۔ ورملة بنت معاوية تزوجها عمرو بن عثمان بن عفان مولات خالدا وعثمان امها كنود بنت قرظة اخت فاختة بنت قرظة))[1]

اور طبری نے لکھا ہے کہ

((ومنهن فاختة ابنة قرظة بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف ولدت له عبدالرحمن و عبدالله ابنی معاوية))[2]

---

[1] کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۲۸ تحت ولد معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۳ ج ۶ تحت تذکر نساءہ وولدہ سنہ ۶۰ ھ طبع قدیم

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۴-۱۴۵ ج ۸ تحت ذکر من تزوج من النساء ومن ولد لہ...... الخ

اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ

((وخلف من الذكور اربعة يزيد وعبدالله ومحمدا وعبدالرحمن))[1]

یعنی آں موصوف کی اولاد نرینہ چہار فرزند تھے: یزید، عبداللہ، محمد، عبدالرحمٰن۔

اختتامی گزارش

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے عہد (چہارم) کے قریباً گیارہ عدد فصول تمام ہوئے۔ ان میں آں موصوف کی ''ملی خدمات'' مختلف عنوانات کے تحت گزشتہ فصول کی شکل میں پیش کی گئی ہیں، جن سے آنجناب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا تفوق، غلبہ اسلام کا ظہور، اعدائے دین کی مغلوبیت، نمایاں طور پر ثابت ہوتی ہے اور ان کے اعلیٰ کردار اور بہترین نظم ونسق کی وجہ سے رعایا میں آپ کی مقبولیت واضح طور پر پائی جاتی ہے۔

- اور ثابت ہوتا ہے کہ آنجناب اپنے مقام پر اخلاق و دیانت میں کامل تھے۔
- اور بلند پایہ اخلاص کے حامل تھے۔
- ملت وقوم کے بہترین خیر خواہ تھے۔
- ایک بالغ نظر مدبر اور صاحب فکر ونظر خلیفہ تھے۔
- اور اسلام کے عظیم المرتبت فاتح تھے۔
- اسلام کے خلاف عراقی فتنوں اور شام کے یہود ونصاریٰ کی سازشوں کا قلع قمع کرنے والے مرد مجاہد تھے۔

---

[1] تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت وفاۃ الحسن بن علی علیہ السلام، طبع بیروت

فصل دوازدہم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکابرین امت کی نظروں میں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت (یعنی دور چہارم) کی یہ آخری دوازدہم فصل ہے۔ اس میں ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو اکابرین امت کے بیانات، مشائخ عظام کے فرمودات اور علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں بیان کرتے ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ آں موصوف کے متعلق امت کے اکابر کیا رائے رکھتے ہیں؟ اور مشاہیر حضرات کے کیا نظریات ہیں؟

یہ تمام قوم کے تاثرات کا بیان تو نہیں البتہ بعض حضرات کی آراء کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے امید ہے کہ قارئین کرام کے لیے یہ بیانات موجب اطمینان ہوں گے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوءِ ظن سے اجتناب کرنے اور حسن ظن رکھنے کے لیے مفید ہوں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات

رابع خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں متعدد فرمودات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک ذیل میں پیش خدمت ہیں:

① جن ایام میں ''جمل و صفین'' کے واقعات پیش آ چکے تھے، اس کے بعد بعض لوگ اہل جمل و صفین کے حق میں غلو کرنے لگے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے جواب میں فرمایا:

((لا تقولا الا خیرا...... الخ))[1]

''یعنی ان لوگوں (اہل جمل و صفین) کے حق میں کلمہ خیر کے بغیر کچھ نہ کہو۔''

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وقتی طور پر ان کے اور ہمارے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا تھا اور حالات برگشتہ ہو گئے تھے لیکن اب تم انھیں برائی سے یاد نہ کرو۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر کامل ص ۳۲۹ ج ۱ طبع دمشق (طبع ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۱ء)
منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱ ج ۳
المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۳۵ طبع مصر۔

④ اس سلسلے میں جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک دیگر فرمان پیش کیا جاتا ہے جو آنجناب سے ناقلین حضرات نے اس طرح نقل کیا ہے کہ صفین سے واپسی کے موقع پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بعض ایسی چیزیں بیان فرمائیں جو اس سے قبل آپ ذکر نہیں فرمایا کرتے تھے ان میں یہ چیز بھی تھی جس کو بڑے اہتمام سے بیان فرمایا:

((فتكلم باشياء كان لا يتكلم بها۔ وحدث باحاديث كان لا يتحدّث بها۔ فقال فيما يقول: ايها الناس! لا تكرهوا امارة معاوية، والله! (لو قد فقدتموه) لقد رأيتم الرءوس تندر من كواهلها كالحنظل))[1]

''یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ امارت وحکومت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو مکروہ مت جانو کیونکہ اگر یہ امارت ختم ہو جائے گی اور نہ رہے گی تو تم دیکھو گے کہ تمھارے سروں کو تمھارے دوش سے حنظل (اندرائن) کی طرح زائل کر دیا جائے گا۔''

مقصد یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کا عہد نہ رہا تو اس کے بعد حالات دگرگوں ہو جائیں گے اور شدید تر واقعات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (اس لیے آنے والے ایام سے ان کا دور ہی بہتر ہے)۔

گزشتہ نوع کے فرامین کو بہت سے محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے حوالہ حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں اگرچہ وقتی طور پر سیاسی اختلافات رونما ہوئے اور قتال تک نوبت پہنچی، تاہم آں موصوف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور ان کی امارت کے متعلق ہدایت فرماتے تھے کہ اس کو مکروہ نہیں جاننا چاہیے یہ مذمت کے قابل نہیں۔

اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آیندہ دور امارت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت تھی اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تسلیم نہ کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے بھی ہمچوں قسم کا فرمان منقول ہے کہ جب باہمی صلح کے بعد آں موصوف کوفہ سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بعض لوگوں نے بطور طعن و اعتراض کہا: یا مذل المومنین

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۳-۲۹۴ ج ۱۵ کتاب الجمل تحت باب ما ذکر فی صفین، طبع کراچی
کتاب السنہ (امام احمد) ص ۱۹۴ طبع مکہ مکرمہ
انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۰ ج ۴ طبع یروشلم، قسم اول
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۰۴ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۸ ج ۶ تحت اخبارہ علیہ السلام ...... الخ
کنز العمال (علی متقی الہندی) ص ۸۷-۸۸ ج ۶ تحت الصفین طبع اول
تاریخ الاسلام (ذہبی) ص ۳۲۰ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

(اے مومنوں کو ذلت میں ڈالنے والے!) تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ایسا مت کہو! کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایام ولیالی (دن رات) نہیں گزریں گے یہاں تک کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) حکمران ہوں گے۔

((یقول (صلی اللہ علیہ وسلم) لا تذهب الایام واللیالی حتی یملك معاویة))[1]

مقصد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا امیر وحکمران ہونا ان حضرات کے نزدیک برا نہیں تھا، بلکہ بطور اعتراف حقیقت یہ امارت وحکومت درست ہے اور قابل اعتراض نہیں۔

تنبیہ

نیز اکابر بنی ہاشم حضرات کے ساتھ ربط وتعلق کی چیزیں ہم نے قبل ازیں فصل (۹) کی شکل میں ذکر کر دی ہیں ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ جو ان حضرات کے ہاں ہے وہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیانات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اکابر بنی ہاشم میں شمار ہوتے ہیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے خاص حامیوں میں سے تھے اور مدت العمر ان حضرات کے معاون ومددگار رہے۔ ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ اور فضیلت کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے بعض چیزیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

① رکعات وتر کے مسئلے پر جب بحث ہوئی ہو تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ

((اصاب انه فقیه))[2]

② اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر اس طرح فرمایا:

((اصاب ای بنی لیس احد منا اعلم من معاویة))[3]

''یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں بہت درست ارشاد فرمایا ہے کیونکہ وہ فقیہ ہیں (اور مجتہد ہیں)۔''

اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ مسئلہ انھوں نے ٹھیک بیان کیا ہے۔ اے عزیزو! آج کے دور میں ہم سے

---

[1] البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۱ ج ۸ طبع اول مصر، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۸۸-۳۸۹ طبع مصر
بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ باب الذکر تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع دہلی
مشکوۃ شریف ص ۱۱۲-۱۱۳ ج ۱ الفصل الثالث باب الوتر، طبع دہلی

[3] السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۶ ج ۳ باب الوتر، طبع حیدرآباد دکن
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۲۰۷ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اس مسئلے پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ عالم کوئی دوسرا نہیں۔

اور اس مقام پر حافظ ذہبی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ:

((فهذه شهادة الصحابة بفقهه و دينه والشاهد بالفقه ابن عباس رضي الله عنهما))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور دینداری کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہ شہادت پائی گئی ہے ان کے فقیہ ہونے پر ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے ثقہ آدمی شاہد ہیں۔''

یہ معمولی درجہ کی شہادت نہیں بلکہ ''حبر الامت'' جن کا لقب ہے ان کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجتہد ہونے کی گواہی ہے۔

③ ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ نے آپ سے ذکر کیا کہ قصر شعر (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹنے) کی روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماسوا کسی دیگر صحابی سے منقول نہیں تو جواب میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی صداقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

((ما كان معاويه على رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم متهما))[2]

''یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اتہام لگانے والے نہیں (ان کی یہ بیان کردہ روایت صحیح ہے)۔''

④ نیز اکابر علماء نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ملکی نظم ونسق کے متعلق فرماتے تھے کہ

((ما رأيت احدا كان اخلق للملك من معاوية))[3]

''یعنی ملکی نظم ونسق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ موزوں فرمانروا میں نے نہیں دیکھا۔''

⑤ اور ایک دیگر روایت میں ہے کہ

((ما رأيت احدا كان احق بالملك من معاوية))[4]

---

[1] المنتقیٰ (ذہبی) ص ۳۸۸-۳۸۹ طبع مصر
الناہیہ عن طعن امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۵ تحت فصل فی فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ از مولانا عبدالعزیز پرہاروی، طبع ملتان

[2] مسند امام احمد ص ۱۰۲ ج ۴ تحت حدیث معاویہ
منحۃ المعبود فی ترتیب مسند طیالسی ص ۲۱۹ ج ۱ تحت باب فسخ الحج الی العمرۃ۔

[3] تاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۷ ج ۴ باب تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۰۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[4] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۷ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۳ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
غریب الحدیث (ابن قتیبہ) ص ۳۵۳ ج ۲ تحت ابن عباس رضی اللہ عنہ

''یعنی حکمرانی کے زیادہ لائق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شخصیت (اس دور میں) میں نے نہیں دیکھی۔''

⑥ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو اس وقت ان کے حق میں آں موصوف نے اظہار افسوس کرتے ہوئے ان کا مقام بیان فرمایا اور تاثرات ظاہر کیے کہ

((اما واللہ ما کان مثل من قبلہ ولا یاتی بعدہ مثلہ))[1]

''یعنی اللہ کی قسم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ماقبل خلفاء کی مثل نہیں تھے لیکن ان کے بعد ان کی مثل نہیں آئے گا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ مختصراً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تاثرات ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اس دور کے مشاہیر ہاشمی بزرگوں میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فرمودات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیادت اور حکمرانی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ

((ما رأیت احدا بعد رسول اللہ ﷺ اسود من معاویۃ))[2]

''یعنی نبی کریم ﷺ کے بعد میں نے کسی کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حکمران نہیں دیکھا۔''

کسی نے ان سے کہا کہ سابق خلفاء سے بھی یہ بہترین حکمرانی کرنے والے تھے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ سابق خلفاء امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خیر اور بہتر تھے لیکن حکمرانی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فائق اور بہترین فرماں روا تھے۔

مطلب یہ ہے کہ نیکی، تقویٰ اور زہد وغیرہ اپنی جگہ پر کامل صفات ہیں لیکن اسلام میں حکمرانی اور فرمانروائی کے اصول وضوابط الگ صفات خیر ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فطرت سلیمہ میں قدرت کی طرف سے ودیعت کیے گئے تھے۔ اس چیز کو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم بیان فرما رہے ہیں۔

قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ

اسی طرح قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

((ما رأیت رجلا اثقل حلما ولا ابطا جھلا ولا ابعد اناۃ منہ))[3]

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳-۴ ج ۴ تحت امر یزید بن معاویہ
الامامہ والسیاسہ (ابن قتیبہ) ص ۲۱۳ تحت وفات معاویہ

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۰۳ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع اول مصر
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع اول مصر

''یعنی بڑا حوصلہ مند، جہالت سے بہت دور، بڑا باوقار، بہت بردبار شخص (اس دور میں) معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ میں نے نہیں دیکھا۔''

گویا صحابہ کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصی عظمت کو ان مختصر الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انصاف اور عوام کے حقوق کی ادائیگی کے متعلق فرماتے ہیں کہ

((ما رأیت بعد عثمان اقضی بحق من صاحب هذا الباب))[1]

''یعنی میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حق کو پورا کرنے والا اور حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔''

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تقویٰ اور حسن نماز کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ

((قال ما رأیت احدا اشبه صلوة برسول الله ﷺ من امامکم هذا یعنی معاویة رضی اللہ عنہ))[2]

''مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ میں نے اس دور میں تمھارے اس امام (معاویہ) سے بہتر کوئی نہیں دیکھا۔''

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ

عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں اور صاحب زہد و تقویٰ ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں علاقہ حمص کے والی اور حاکم تھے۔ وقتی تقاضوں کے تحت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر کے ان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر فرمایا تو اس وقت لوگ کہنے لگے کہ عمیر (رضی اللہ عنہ) کو معزول کر کے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو (جو نو عمر ہیں) والی بنا دیا ہے۔ اس موقع پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ:

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۴۴ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸-۳۸۹ تحت ثناء الائمۃ الاعلام علیٰ معاویہ رضی اللہ عنہ ..... الخ طبع مصر

((لا تذكروا معاوية الا بخير فانی سمعت رسول الله ﷺ يقول: اللهم اهده))[1]

''یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ خیر و خوبی کے بغیر مت کرو، میں نے جناب نبی اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ان کے حق میں دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ انھیں ہدایت عطا فرما۔''

یہاں سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے ہدایت کی جاتی ہے کہ آں موصوف کو خیر سے ہی یاد کرو، طعن و اعتراض ان پر مت کرو اور جناب نبی کریم ﷺ کی طرف سے جو دعائیں ان کے حق میں پائی جاتی ہیں ان کو ملحوظ رکھو۔

تابعین وغیرہم رحمہم اللہ کی نظروں میں

سعید بن مسیب رحمہ اللہ

سعید بن مسیب رحمہ اللہ نہایت ثقہ تابعی اور معتمد بزرگ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کے متعلق ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے سوال کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ

((من مات محبا لابی بکر وعمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم وشهد للعشرة بالجنة و يرحم على معاوية رضی اللہ عنہ كان حقا على الله ان لا يناقشه الحساب))[2]

''یعنی سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی گواہی دے اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں رحمہ اللہ کہے، امید ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص سے حساب کتاب کا مناقشہ نہیں فرمائے گا اور محاسبہ سے درگزر فرمائے گا۔''

مطلب یہ ہے کہ اکابر تابعین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں عقیدت مندی اور حسن ظن رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں اور اس چیز کو یوم آخرت میں مواخذہ و محاسبہ سے نجات کا باعث قرار دیتے ہیں۔

---

[1] التاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۸ ج ۴ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع دکن
جامع ترمذی ص ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[2] تاریخ ابن عساکر ص ۷۴۵ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

کعب احبار رحمہ اللہ

((قال كعب لن يملك احد من هذه الامة ما ملك معاوية رضي الله عنه))[1]

''یعنی جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکمرانی کی ہے اس درجہ میں اس امت میں سے کسی نے حکمرانی نہیں کی ہوگی۔ یعنی سلیقہ حکمرانی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔''

ابومجلز رحمہ اللہ کا بیان

ابومجلز رحمہ اللہ ایک مشہور ثقہ تابعی ہیں۔ ان کا نام لاحق بن حمید بن سعید سدوسی بصری ہے۔ آپ نے اکابر صحابہ کرام ابوموسیٰ اشعری، حضرت حسن بن علی، معاویہ بن ابی سفیان، عمران بن حصین اور عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایات لی ہیں اور قتادہ اور ابن سیرین رحمہما اللہ جیسے مشہور تابعین آپ سے روایات کے راوی ہیں اور آپ کو تابعین کے طبقہ ثالثہ (وسطیٰ) میں شمار کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ عمران بن حدیر نے ابومجلز موصوف رحمہ اللہ سے ''بیع مصحف'' کا مسئلہ دریافت کیا (کہ مصحف یعنی قرآن مجید کی کتابت فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟) آں موصوف نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیع مصحف ہوئی ہے (فلہٰذا یہ کام جائز ہے)۔ میں نے پوچھا کہ کیا میں مصحف کی کتابت کروں؟ ابومجلز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تو اپنے ہاتھ کو حسب منشا، (جائز) کام میں استعمال کر سکتا ہے۔

((عن عمران بن حدير قال: سالت ابا مجلز عن بيع المصاحف قال: انما بيعت في زمن معاوية رضي الله عنه قلت فاكتبها؟ قال استعمل يدك بما شئت)) [2]

یہاں سے واضح ہوا کہ ثقہ تابعین کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت شرعی مسائل میں استشہاد اور استناد کا درجہ رکھتا ہے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۵۸ھ) کا بیان

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت اور صداقت کے متعلق امام اوزاعی رحمہ اللہ (عبدالرحمٰن بن عمرو) کا ایک تجزیہ اور تبصرہ پیش خدمت ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں اسے بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((قد قال ابو زرعة الدمشقي رحمه الله عن دحيم عن الوليد عن الاوزاعي رحمه الله قال ادركت خلافة معاوية رضي الله عنه عدة من الصحابة منهم اسامة وسعد و جابر

---

[1] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰۰ ج ۴ قسم اول ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۳۱ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[2] انساب الاشراف (بلاذری) ص ۷ ج ۴ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

وابن عمر و زید بن ثابت و مسلمة بن مخلد و ابو سعید و رافع بن خدیج و ابوامامة وانس بن مالك رضی اللہ عنہم ورجال اكثر واطيب ممن سمينا باضعاف مضاعفة كانوا مصابيح الهدى، واوعية العلم، حضروا من الكتاب تنزيله، ومن الدين جديده وعرفوا من الاسلام مالم يعرفه غيرهم۔ واخذوا عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تاويل القرآن ومن التابعين لهم باحسان ما شاء الله منهم المسور بن مخرمة وعبدالرحمن بن الاسود بن عبديغوث وسعيد بن المسيب وعبدالله بن محيريز رحمہم اللہ، وفى اشباه لهم لم ينزعوا يدا من جماعة من جمعه فى امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم))[1]

''اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو پایا۔ ان میں اسامہ، سعد، جابر، ابن عمر، زید بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید، رافع بن خدیج، ابوامامہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور ان مذکور افراد سے بھی بہت زیادہ صحابہ کرام موجود تھے۔

یہ لوگ اپنے دور میں ہدایت کے چراغ اور علم کے ظروف تھے، اللہ کی کتاب کی تنزیل کے وقت حاضر تھے اور دین اسلام کے متعلق ایسی پہچان اور معرفت رکھتے تھے جو دوسروں کو حاصل نہیں اور قرآن مجید کے معانی ومفاہیم انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست حاصل کیے۔

اوراحسان کے ساتھ تابعداری کرنے والے تابعین میں سے بہت سی جماعت اس دور میں تھی ان میں سے مسور بن مخرمہ، عبدالرحمن بن اسود، سعید بن مسیب، عبداللہ بن محیریز اور دیگر اکابر ہیں۔

امت محمدیہ کی اس جماعت میں سے (اس وقت) کسی نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت وفرمانبرداری سے ہاتھ نہیں کھینچا اور جماعتی وحدت سے جدا نہیں ہوئے۔''

امام اوزاعی رحمہ اللہ کے اس بیان سے واضح ہوا کہ امت کے اکابر صحابہ کرام اور تابعین (جو اس دور کے قریب تر ہیں) کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح تھی اور آپ برحق خلیفہ وامیر تھے یعنی ان کی جابرانہ اور ظالمانہ حکومت نہیں تھی اور نہ وہ ازخود متغلب خلیفہ بنے ہوئے تھے۔ ورنہ اس دور کے مذکور اکابر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم نہ کرتے اور ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ کے اس بیان سے بہت سے شبہات مرتفع ہو گئے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ

جناب عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کبار علمائے امت میں شمار ہوتے ہیں اوران کی جلالت شان اور وثاقت جمہور علماء میں تسلیم شدہ ہے۔ ان سے بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ

((ما اقول فی رجل قال رسول الله ﷺ سمع الله لمن حمده۔ فقال معاوية رضی اللہ عنہ من خلفه ربنا لك الحمد))[1]

''یعنی میں ایسی شخصیت کے حق میں کیا کچھ کہہ سکتا ہوں کہ جب جناب نبی کریم ﷺ نمازوں میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ان کے پیچھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اقتداء میں ربنا لک الحمد کے کلمات ادا کرتے تھے۔''

یہ آنحضرت ﷺ کی گواہی ہے کہ جس نے اللہ رب العزت کی حمد کی اللہ نے اس کی حمد سن لی۔ اب اس کے فوراً بعد صحابہ کہتے اے ہمارے رب حمد تیرے لیے ہے۔ صحابہ کی اس حمد کی حضور ﷺ نے پہلے سے گواہی دے دی کہ اللہ نے سن لیا ہے۔ سو جو حضرات حضور ﷺ سے اور پھر اللہ سے یہ قرب پا چکے ہیں ان کے بارے میں میں (عبداللہ بن مبارک) کیا گواہی دے سکتا ہوں۔ انھی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سو وہ اس مقام سے بلند ہیں کہ ہم ان کے بارے میں کوئی رائے دیں۔ یعنی دیگر صحابہ کے ساتھ یہ شرف اور عظمت ان کو بھی حاصل تھی۔ اور اس سے فائق مقام اور مرتبہ کیا ہوسکتا ہے؟

اور بعض دفعہ جناب عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ:

((تراب فی انف معاوية رضی اللہ عنہ فی منخری معاوية رضی اللہ عنہ مع رسول الله ﷺ خير وافضل من عمر بن عبدالعزيز))[2]

''یعنی جناب نبی اقدس ﷺ کی معیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناک کی مٹی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بہتر اور افضل ہے۔''

---

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۴۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۴۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۱۳۱ ج ۱۰ طبع ملتان

اور باعتبار بعض روایات یہ جواب اس طرح مذکور ہے کہ

((فقال والله للغبار الذی دخل انف فرس معاویة رضی اللہ عنہ مع رسول الله ﷺ خیر من مائة واحد مثل ابن عبدالعزیز))

((یرید بذالك ان شرف الصحبة والرؤیة لرسول الله ﷺ وحلول نظرة الکریم لا یعادله عمل ولا یوازیه شرف))[1]

''یعنی ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم جناب نبی کریم ﷺ کی ہمراہی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک کی غبار عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے سو افراد سے بہتر و افضل ہے۔''

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ جناب نبی اقدس ﷺ کا شرف صحبت، آنجناب کا دیدار مبارک اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے نظر شفقت کا حصول یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا کوئی عدیل نہیں اور ان کے موازی اور متساوی کوئی شریک شرف نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۱ھ)

جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اسلام میں مشہور مصنف اور عادل و صالح خلیفہ ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ یہ تھا کہ جب ان کے دور میں بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدکلامی کی تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس شخص کو سزا کے طور پر کوڑے لگوائے۔

اس دور کے ایک بزرگ ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کسی کو اپنے عہد میں کوڑے لگوائے ہوں مگر آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زبان درازی اور بدکلامی کرنے والے شخص کو کوڑے لگوائے۔

((عن ابراهیم بن میسره قال ما رأیت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ضرب احدا فی خلافته غیر رجل واحد تناول من معاویة فضربه ثلاثة اسواط))[2]

((عن ابراهیم بن میسرة قال ما رایت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ضرب انسانا قط الا انسانا شتم معاویة رضی اللہ عنہ فانه ضربه اسواطا))[3]

۱۔ الفتاویٰ الحدیثیہ (ابن حجر ہیثمی) ص ۳۰۵ تحت مطلب فی قول ابن مبارک.....الخ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۱۰، الفصل الثانی فی فضائلہ ومناقبہ.....الخ

۲۔ طبقات ابن سعد ص ۲۸۳ ج ۵ تحت عمر بن عبدالعزیزؒ

۳۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ص ۷۴۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

یہ حوالہ جات قبل ازیں تمہید جواب الطاعن میں گزر چکے ہیں یہاں فصل دوازدہم میں ماقبل کے تسلسل مضامین کے پیش نظر ان کو ذکر کیا گیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان (المتوفی ۱۷۹ھ)

ائمہ اربعہ میں امام مالک رحمہ اللہ ایک اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرنے والے شخص کے بارے میں آنجناب نے فرمایا کہ

((ومن شتم اصحابه ادب وقال ايضا من شتم احدا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابا بكر او عمر او عثمان او معاوية او عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ۔ فان قال كانوا فی ضلال قتل وان شتم بغير هذا من مشاتمة الناس نكل نكالا شديدا))[1]

''یعنی امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرے تو اس کی تادیب کی جائے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک صحابی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ یا عمرو بن عاص وغیرہم رضی اللہ عنہم کے حق میں کہے کہ یہ حضرات گمراہی پر تھے تو اسے قتل کیا جائے لیکن اگر اس لفظ کے بغیر عام لوگوں کی گالیوں کی طرح سب وشتم کرے تو اس کو سخت سزا دی جائے۔''

مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت امیر معاویہ یا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی شان میں بھی گستاخی اور بدگوئی کرنے والے شخص کو اسی فہرست میں شمار کیا گیا ہے جس میں حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی شان میں بدگوئی اور بدکلامی کرنے والے شمار ہیں۔ گویا حضرت معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے حق میں بدکلامی کرنا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق سب کرنے کے مترادف ہے۔

اس بدگوئی میں اگر وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کفر کے قائل ہوں تو یہ بدگوئی ان سے دراصل ان کے ایمان سے تبریہ اور بیزاری ہے۔ انھیں مسلمان سمجھتے ہوئے برا بھلا کہنے کی سزا کوڑے ہیں۔ لیکن یہ آخری درجے کی سزا (قتل) اس صورت میں ہے کہ وہ بدگوئی کرنے والا ان کے کفر کا عقیدہ رکھتا ہو۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے، کسی عام عالم کا نہیں۔ امام مجتہد کا یہ فرما دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے خوب غور فرمائیں۔

اعمش رحمہ اللہ کا بیان

مشہور عالم سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ کی خدمت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے عدل وانصاف کا تذکرہ ہوا تو اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

---

[1] رسائل ابن عابدین شامی ص ۳۵۸ ج ا تحت الباب الثانی فی حکم ساب احد من الصحابہ

((کیف لو ادرکتم معاویة؟ قالوا فی حلمه؟ قال: لا واللہ بل فی عدله))[1]

''مطلب یہ ہے کہ تم کیا شان عمل دیکھتے اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور پاتے؟ سامعین نے کہا: ان کی بردباری کے متعلق؟ فرمایا: نہیں بردباری تو ہے، ان کے عدل و انصاف کی بھی ایک عجیب شان تھی۔''

یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حلم میں نہیں بلکہ خدا کی قسم عدل و انصاف میں بھی فائق تھے۔

ابواسحاق رحمہ اللہ کا قول

اپنے دور کے مشہور فاضل ابواسحاق رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنا نظریہ مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ

((روی ابوبکر بن عیاش عن ابی اسحاق قال ما رأیت بعده مثله یعنی معاویة))[2]

''یعنی ابوبکر بن عیاش نے ابواسحاق سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان جیسا شخص نہیں دیکھا۔''

ابوتوبہ حلبی رحمہ اللہ

ان کا اسم ربیع بن نافع ابوتوبہ حلبی ہے اور مشہور محدث ابوداود رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ابوتوبہ حلبی رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

((یقول معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ستر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کشف الرجل الستر اجتری علی ما وراہ))[3]

''یعنی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک پردہ کے درجہ میں ہیں۔ اگر کوئی شخص پردہ کو کھول دے تو پھر وہ ہر چیز پر جرأت کر سکے گا۔''

---

[1] منہاج السنہ ص ۱۸۵ ج ۳ تحت السبب السابع، طبع لاہور
المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸ تحت ثناء الائمۃ الاعلام علی معاویہ رضی اللہ عنہ (طبع مصر)

[2] المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸ تحت ثناء الائمۃ الاعلام علی معاویہ رضی اللہ عنہ طبع مصر

[3] تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۹ ج ۱ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۴۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ابومسعود معافی بن عمران ازدی موصلی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۸۵ھ)

معافی بن عمران رحمہ اللہ ایک مشہور محدث ہیں۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ؟ تو آپ نے ناراض ہوتے ہوئے سائل سے فرمایا کہ تو ایک صحابی کو تابعی کے برابر قرار دیتا ہے؟ پھر فرمایا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تو صحابی ہیں، کاتب ہیں اور وحی الٰہی پر آپؐ کے امین ہیں اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے اصحاب اور اصہار کو میرے لیے چھوڑ دو۔ جو شخص ان کو سب وشتم کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

((سئل المعافی بن عمران ایهما افضل؟ معاویة او عمر بن عبدالعزیز؟ فغضب وقال لسائل: اتجعل رجلا من الصحابة مثل رجل من التابعین؟ معاویة صاحبه وصهره کاتبه وامینه علی وحی الله وقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم دعوا لی اصحابی واصهاری فمن سبهم فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین))[1]

اور معافی بن عمران مذکور رحمہ اللہ ایک دوسری روایت میں اس طرح فرماتے ہیں کہ:

((قال یوم من معاویة افضل من عمر بن عبدالعزیز عمره))[2]

''یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک روز عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تمام عمر سے افضل ہے۔''

اسی سلسلے میں بعض دیگر علماء نے اس مضمون کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

((قال بعضهم فی معاویة رضی اللہ عنہ وعمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ لیوم شهده معاویة رضی اللہ عنہ مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خیر من عمر بن عبدالعزیز واهل بیته))[3]

''یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک دن حاضر رہنا عمر بن عبدالعزیز

---

[1] تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۹ ج ۱ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
تاریخ ابن عساکر، ص ۷۴۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
الشفا (قاضی عیاض) ص ۵۲ ج ۲ تحت فصل من توقیرہ ..... الخ
کتاب الاباطیل والمناکیر (جوزقانی) ص ۱۹۵ ج ۱ روایت ۱۸۴

[2] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۴۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

[3] الباعث الحثیث (ابن کثیر) ص ۱۸۱، النوع (۳۹) معرفة الصحابہ طبع ثالث مصر

رحمہ اللہ اوران کے گھرانے سے بہت بہتر ہے۔''

مقصد یہ ہے کہ دربار نبوت میں ایک یوم کی حاضری عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تمام زندگی سے فائق ہے۔ (سبحان اللہ)

فضل بن عنبسہ رحمہ اللہ

ایک بزرگ فضل بن عنبسہ رحمہ اللہ مشہور عالم دین ہیں ان سے عیسیٰ بن خلیفہ الحذاء نے سوال کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا خلیفہ عمر بن عبدالعزیز؟ تو فضل بن عنبسہ رحمہ اللہ اس سوال پر متعجب ہوئے اور فرمایا سبحان اللہ! کیا میں اس شخص کو جس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے ایسے شخص کے برابر قرار دوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا؟ فضل رحمہ اللہ نے یہ کلمات تین بار دہرائے۔

((نا عیسی بن خلیفة الحذا قال کان الفضل بن عنبسة جالسا عندی فی الحانوت فسئل معاویة افضل ام عمر بن عبدالعزیز؟ فعجب من ذالك وقال سبحان الله! اجعل من رای رسول الله ﷺ کمن لم یره قالها ثلاثا))[1]

امام احمد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۰، ۲۴۱ھ) کا فرمان

مسئلہ ہذا میں ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ارشاد ان کے ایک تلمیذ میمونی رحمہ اللہ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ میمونی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے امام احمد رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آں موصوف نے فرمایا: لوگوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا ہو گیا ہے کہ ان کی برائی ذکر کرنے لگے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے ہیں۔ اور پھر مجھے خطاب کرتے ہوئے امام موصوف نے فرمایا کہ اے ابوالحسن! جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اصحاب رسول میں سے کسی صاحب کو برائی سے یاد کرتا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

((وقال المیمونی سمعت احمد یقول: ما لهم ولمعاویة نسئل الله العافیة وقال یا ابا الحسن اذا رأیت احدا یذکر اصحاب رسول الله ﷺ بسوء فاتهمه علی الاسلام))[2]

حاصل یہ ہے کہ ائمہ کرام اور فقہائے امت کی تعلیم یہ ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی بھی صحابی کی بدگوئی کرنے سے مسلمان کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور اس کا اسلام قابل اعتبار نہیں رہتا۔ فلہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی کرنا اور سوء ظنی رکھنا ہرگز روا نہیں ایسا کرنے سے ایمان برباد ہوگا

---

[1] تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۷۴۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

[2] الصارم المسلول (ابن تیمیہ) ص ۵۷۳ تحت فصل فی حکم سب اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم وسب اہل بیتہ طبع دکن

اور عاقبت خراب ہوگی۔

ابو شکور سالمی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۵ھ)

علامہ ابو شکور سالمی رحمہ اللہ ''علم عقائد'' کے قدیم فاضل ہیں اور اپنی مشہور تصنیف ''کتاب التمہید'' میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کی توضیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((انا نقول ان معاویة رضی اللہ عنہ کان عالما من غیر فسق و کانت فیه الدیانة ولو لم یکن متدینا لکان لا یجوز الصلح معه۔فلم یوجد منه سوی البغی ثم علی رضی اللہ عنہ صالح معه لان فی بغیه ما جار المسلمین۔ وکان یدعی الحق وکان عادلا فیما بین الناس ثم بعد علی رضی اللہ عنہ کان اماما علی الحق عادلا فی دین اللہ وعمل الناس))[1]

''یعنی فاضل سالمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دین و شریعت کے عالم تھے، ان میں فسق نہیں پایا گیا بلکہ ان میں کامل دیانت تھی اور اگر بالفرض معاویہ رضی اللہ عنہ متدین نہ ہوتے تو ان کے ساتھ (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی) صلح صحیح اور جائز نہ ہوتی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں بغاوت کے سوا کوئی قابل اعتراض چیز نہیں پائی گئی اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے مصالحت کر لی تھی کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت کے دور میں کسی مسلمان پر جور و ظلم نہیں روا رکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق کے داعی تھے اور لوگوں کے درمیان عدل کرنے والے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد امام برحق تھے، اللہ تعالیٰ کے دین میں عادل تھے اور لوگوں کے معاملات میں منصف تھے۔''

حاصل یہ ہے کہ:

1. حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دین و شریعت کے عالم تھے (دین سے ناواقف نہیں تھے)۔
2. آنجناب دیندار اور متدین تھے (کوئی فاسق نہیں تھے)۔
3. ان میں بغی کی صفت پائی گئی لیکن اس مدت میں آپ نے مسلمانوں پر جور و ظلم نہیں کیا۔
4. دینی و دنیوی امور میں عادل اور منصف تھے (ظالم جابر اور جائر نہیں تھے)
5. سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد امام برحق تھے۔

امام غزالی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۵ھ) کا فرمان

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تصوف کے مشہور مقتدا ہیں اور مشائخ صوفیہ میں ان کا بڑا مقام ہے انھوں

[1] کتاب التمہید (ابو شکور سالمی) ص ۱۶۹ تحت القول الثامن فی قتل الحسین رضی اللہ عنہ (محمد بن عبدالسعید بن شعیب الکبشی السالمی) حزب الاحناف، لاہور

نے اپنی تصنیف ''کیمیائے سعادت'' میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نجات اور مغفرت کے متعلق عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا رویائے صالحہ ذکر کیا ہے۔

اس سے امام موصوف کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن ظن واضح طور پر ثابت ہے اور ان کے حق میں سوء ظنی اور بدگمانی کرنے سے اجتناب کی تلقین پائی جاتی ہے۔

اس رویائے صالح کی اصل عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے:

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میگوید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رابخواب دیدم با ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نشستہ چوں با ایشان نشستم ناگاہ علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما رابیاوردند ودرخانہ فرستادند ودر بہ بستند۔ دروقت علی رضی اللہ عنہ رادیدم کہ بیرون آمد وگفت "قضى لى ورب الكعبة" یعنی حق مرانہادند پس بزودی معاویہ رضی اللہ عنہ بیروں آمد وگفت "غفرلى ورب الكعبة" مرانیز عفو کردند وبیامرزیدند۔''[1]

حوالہ ہذا قبل ازیں ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' ص ۳۷۸ تحت بشارت ثانیہ اور سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ابحاث صفین کے تحت ہم نے ذکر کیا ہے۔

رئیس المشائخ حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۶۰ھ) کا بیان

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ''غنیۃ الطالبین'' میں اہل السنہ کے عقائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

((امام خلافة معاوية بن ابى سفيان رضی اللہ عنہما فثابتة صحيحة بعد موت على رضی اللہ عنہ وبعد خلع الحسن بن على رضی اللہ عنہما نفسه عن الخلافة وتسليمها الى معاوية رضی اللہ عنہ لراى راه الحسن رضی اللہ عنہ ومصلحة عامة تحققت له وهى حقن دماء المسملين وتحقق قول النبى صلی اللہ علیہ وسلم فى الحسن رضی اللہ عنہ ابنى هذا سيد يصلح الله تعالى به بين فئتين عظيمتين فوجبت امامته بعقد الحسن رضی اللہ عنہ له فسمى عامة عام الجماعة لارتفاع الخلاف بين الجميع واتباع الكل لمعاوية لانه لم يكن هناك منازع ثالث فى الخلافة))[2]

''یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری اور امر خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دینے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق، ثابت اور صحیح ہے۔

---

[1] کیمیائے سعادت از امام غزالی ص ۴۸۳ تحت پیدا کردن احوال مردگاں کہ مکشوف شدہ است بطریق خواب (طبع محمدی ممبئی)

[2] غنیۃ الطالبین (شیخ عبدالقادر جیلانی) (مترجم) ص ۱۳۸-۱۳۹ فصل ویعتقد اہل السنۃ ص طبع نول کشور، لاہور۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مصلحت عامہ کے پیش نظر کہ مسلمانوں کے درمیان خوں ریزی نہ ہو خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فرمان کہ ''اللہ تعالیٰ میرے اس فرزند کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا'' صحیح ثابت ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عقد وعہد کر لینے سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت میں نزاع مرتفع ہو جانے کی بنا پر اس سال کا نام 'عام الجماعۃ' ٹھہرا۔ اس وقت کوئی تیسرا شخص خلافت کا مدعی نہیں تھا۔ فلہٰذا تمام حضرات نے اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع اور اطاعت کر لی۔''

حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ کے بیان مندرجہ بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال اور حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق اور صحیح ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحیح خلیفہ اور امام برحق ہیں اور طعن وتشنیع کے لائق نہیں۔

بعض لوگوں کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک متغلب حکمران اور ایک عام دنیوی بادشاہ کی حیثیت سے ذکر کرنا درست نہیں۔ اور ساتھ ہی اس طرح مطعون کرنا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سیاست کو دین پر بالا رکھتے تھے اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدود کو توڑنے والے تھے۔ یہ چیز بھی ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ نظریات حضرت شیخ موصوف رحمہ اللہ کے فرمودات بالا کے بالکل برعکس ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۲ھ) کا بیان (بصورت حکایت)

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ اکابر صوفیہ میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کی مثنوی شریف مکارم اخلاق، نصائح اور حقائق تصوف کے بیان میں ایک وقیع تصنیف ہے جو مشائخ اور علماء میں نہایت مقبول اور معتمد ہے۔ اس میں مولانا روم رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابلیس کا نماز کے لیے بیدار کرنے کا طویل مکالمہ ذکر کیا ہے اور اس پر کم وبیش بارہ عدد عنوانات قائم کیے ہیں۔

اس مفصل مکالمے کا اجمالی مضمون اس طرح ہے کہ امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک روز اپنے مقام پر محو خواب تھے۔ نماز باجماعت کا وقت ہو چکا تھا ابلیس نے آ کر آں موصوف کو بیدار کیا کہ نماز باجماعت میں شمولیت کیجیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تو نے مجھے کیوں بیدار کیا ہے؟ تیرا کام تو عبادت سے غفلت دلانا ہے۔ ابلیس نے پہلے تو اصل بات بتلانے سے پس وپیش کی اور حیل وحجت سے کام لیا مگر آخر کار مجبور ہونے پر کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ سے نماز باجماعت چھوٹ جاتی تو آپ اس کوتاہی پر باری تعالیٰ کی جناب میں آہ وزاری کرتے اور اس تضرع وعاجزی کی وجہ سے خداوند کریم کے ہاں آپ کے درجات بلند ہوتے۔ میں نے یہی بہتر جانا کہ آپ نماز باجماعت میں شامل ہو جائیں تا کہ

بلندی درجات سے محروم رہیں۔

اشعار مثنوی

در خبر آمد کہ آں معاویہؓ — خفتہ بد در قصر در یک زاویہ

(بعض نسخوں میں یہ شعر بالفاظ ذیل درج ہے)

در خبر آمد کہ خال موناں — بود اندر قصر خود خفتہ شباں

قصر را از اندروں در بستہ بود — کز زیارت ہائے مردم خستہ بود

ناگہاں مردے و را بیدار کرد — چشم چوں بکشاد پنہاں گشت مرد

(چند اشعار مزید کے بعد فرماتے ہیں)

گفت ہے تو کیستی نام تو چیست — گفت نامم فاش ابلیس شقیست

گفت بیدارم چرا کر دی بجد — راست گو بامن مگو برعکس و ضد

گفت ہنگام نماز آخر رسید — سوئے مسجد زود مے باید دوید

گفت نے این غرض نبود ترا — کہ بخیرے رہنما باشی مرا

گفت امیرؓ اے راہزن حجت مگو — مر ترا رہ نیست در من رہ مجو

اے ابلیس خلق سوز فتنہ جو — بر چیم بیدار کر دی راست گو

اے سگ ملعوں جواب من بگو — راست گو و در دروغ راہ مجو

تا رسی اندر جماعت در نماز — از پے پیغمبر دولت فراز

گر نماز از وقت رفتے مر ترا — ایں جہاں تاریک گشتے بے ضیا

از غبین و درد رفتے اشکہا — از دو چشم تو مثال مشکہا

گر نمازت فوت مے شد آں زماں — مے زدی از درد دل آہ و فغاں

آں تاسف و آں فغاں و آں نیاز — در گزشتے از دو صد ذکر و نماز

من ترا بیدار کردم از نہیب — تا نسوزاند چناں آہے حجیب

تا چناں آہے نباشد مرترا — تا بداں راہے نباشد مرترا

من حسودم از حسد کردم چنیں — من عدوم کار من مکرست و کیں

گفت اکنوں راست گفتی صادقی — از تو ایں آید تو ایں را لائقی [1]

---

[1] مثنوی مولانا روم ص ۶۵-۶۶ دفتر دوم، نول کشور لکھنؤ طبع چہاردہم

مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم ص ۲۳۶ تا ۲۸۰ دفتر دوم حصہ سوم مطبوعہ لاہور

واقعہ ہذا مثنوی شریف میں مولانا روم رحمہ اللہ نے اپنی حسب عادت بہت سی تمثیلات ملا کر نہایت مفصل ذکر کیا ہے اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دینی مقام اور اخلاص فی الصلوٰۃ اور استقلال فی العبادۃ بہت نمایاں ہے۔ آنجناب خلافت و امارت کے مشاغل کے باوجود اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں مشغول و مصروف رہتے تھے اس میں قصور و فتور راہ نہیں پاتا تھا حتیٰ کہ شیطان بھی اس مسئلہ میں ان کو اپنے مکائد میں پھنسا نہ سکا، خداوند کریم نے انھیں اپنے فضل و کرم سے محفوظ فرما لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مشہور بزرگان دین کے جو نظریات پیش خدمت کیے جا رہے ہیں ان میں سے یہ واقعہ بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے تا کہ اکابر صوفیہ کی عقیدت مندی اور حسن ظن آں موصوف کے بارے میں معلوم ہو سکے۔

امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۶ھ) کا قول

محدثین میں امام نووی رحمہ اللہ (ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی) بڑے پایہ کے محدث ہیں۔ شرح حدیث میں ان کا قول حجت قرار دیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی تالیف شرح مسلم شریف کے باب فضل صحابہ کی ابتداء میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کیے ہیں:

((واما معاوية رضي الله عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء.....الخ))[1]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل فاضل اور صاحب نجابت صحابہ کرام میں سے ہیں۔''

مقصد یہ ہے کہ علمائے حدیث کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے کردار اور اعمال میں عادل ہیں (ظالم نہیں) اور احکام شریعت کے عالم فاضل ہیں (ناواقف نہیں) اور صاحب شرافت و نجابت ہیں (یعنی اعلیٰ اخلاق کے حامل ہیں)۔

پھر جن لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیاسی اغراض کی خاطر شرعی قواعد کو توڑنے دینے والا قرار دیا ہے وہ سراسر تعصب کی بنا پر ہے اور واقعات کے برعکس ہونے کے ساتھ ساتھ اکابر محدثین کی تصریحات بالا کے برخلاف ہے۔

ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا بیان

علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت اور اخلاق و کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ

((وفضائل معاوية رضي الله عنه في حسن السيرة والعدل والاحسان كثيرة))[2]

۱۔ شرح مسلم شریف (امام نووی) ص ۲۷۲ ج ۲ ابتدا کتاب فضائل الصحابہ

۲۔ منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳ تحت السبب السابع، طبع لاہور
المنتقی (ذہبی) ص ۳۸۸ طبع مصر، تحت ثناء الائمۃ الاعلام علی معاویہ رضی اللہ عنہ..... الخ

''مطلب یہ ہے کہ عمدہ سیرت، عدل وانصاف اور حسن سلوک میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت سے فضائل پائے جاتے ہیں۔''

ایک دوسرے مقام پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عمدہ سیرت والے ولاۃ اور حکام کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت بھی اپنی رعیت کے حق میں بہترین تھی اور ان کی رعیت ان کے ساتھ محبت کرتی تھی۔ صحیحین میں جناب نبی اقدس ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے کہ آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ تمھارے ائمہ اور والیوں میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ تم محبت رکھتے ہو اور وہ تمھارے ساتھ محبت رکھتے ہیں...... الخ

((وکانت سیرۃ معاویۃ رضی اللہ عنہ مع رعیتہ من خیار سیر الولاۃ وکانت رعیتہ یحبونہ وقد ثبت فی الصحیحین علی النبی ﷺ انہ قال خیار ائمتکم الذین تحبونہم ویحبونکم وتصلون علیہم ویصلون علیکم))[1]

ملا علی قاری رحمہ اللہ کا قول

جید علمائے حدیث میں ملا علی قاری رحمہ اللہ مشہور مصنف ہیں۔ شرح مشکوٰۃ شریف جو ''مرقاۃ المفاتیح'' کے نام سے موسوم ہے اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو بیان کرتے ہوئے آں موصوف فرماتے ہیں کہ

((واما معاویۃ رضی اللہ عنہ فہو من العدول الفضلاء والصحابۃ الاخیار))[2]

''یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل اور صاحب فضیلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور ان کا شمار اخیار صحابہ میں ہوتا ہے۔''

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا بیان

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ علمائے ہند میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں اور مدح صحابہ میں ان کے بیان کو عند العلماء بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آں موصوف اپنی مشہور تالیف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں تنبیہ سوم کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و منزلت کو تحریر فرماتے ہیں کہ

''باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما یکے از اصحاب آنحضرت بود ﷺ وصاحب فضیلت جلیلہ در زمرہ صحابہ رضی اللہ عنہم زنہار در حق او سوء ظن نکنی و در ورطہ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی۔ اخرج ابوداود عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ لا تسبوا اصحابی فو

---

1. منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۹ ج ۳ تحت جوابات مطاعن
2. مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (ملا علی بن سلطان القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ) ص ۲۷۲ ج ۱۱ تحت مناقب الصحابہ طبع ملتان

الذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ"

متعدد احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام رقم کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

"وعقل نیز برآں دلالت مے کند زیرا نکہ از طرق کثیرہ معلوم شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلوم فرمودند کہ وی فی وقت من الاوقات خلیفہ خواہد شد و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوں شفقت وافرہ برامت داشتند کما قال اللہ تعالیٰ: "حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" پس رافت کاملہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم بنسبت امت اقتضا فرمود کہ خلیفہ ایشاں را دعا بہدایت واہتدا نماید۔"

مزید احادیث فضیلت نبوی رقم کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

((وقد استفاض ان النبی ﷺ استکتبه وھو لا یستکتب الا عدلا امینا...... الخ))[1]

"یعنی معلوم ہونا چاہیے کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ہیں اور فضیلت جلیلہ کے حامل اصحاب میں شامل ہیں۔ خبردار! معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور سب وطعن کے چکر میں پڑ کر حرام فعل کا ارتکاب نہ کرنا۔ کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے اصحاب کو سب وشتم مت کرو۔ اللہ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تمھارا ایک آدمی احد پہاڑ کے برابر زر کثیر صدقہ کرے تو وہ ان کے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے ایک مد (قریباً ایک سیر) کے برابر بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (یعنی بہ نسبت دیگر لوگوں کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام ومرتبہ نہایت رفیع ہے)۔"

"(دیگر فضیلت اس طرح ذکر فرمائی) طرق کثیرہ کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم تھا کہ ایک وقت میں وہ خلیفہ ہوں گے چونکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی امت پر شفقت وافرہ ہے جس طرح کہ قرآن مجید میں ہے کہ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ پس امت پر شفقت کے تقاضا کی بنا پر آپ نے اپنے اس خلیفہ (معاویہ رضی اللہ عنہ) کے حق میں ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ ہونے کی دعائیں فرمائیں۔"

"(اور دیگر یہ چیز ذکر کی کہ) یہ بات شہرت کا درجہ رکھتی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب اور منشی قرار دیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم عادل اور امین شخص کے بغیر کسی کو یہ

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء کامل ص ۱۴۶-۱۴۷ تحت تنبیہ سوم تحت مقصد بالا، فصل پنجم از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی طبع اول بریلی۔

منصب نہیں عطا فرماتے تھے۔''

مختصر یہ ہے کہ یہ ''تنبیہ سوم'' تمام ہی فضیلت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مشتمل ہے جس میں سے چند ایک چیزیں نقل کی ہیں اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نظریات واضح ہیں یعنی وہ انھیں عادل اور امین سمجھتے ہیں اور ان کو جلیل القدر صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور ان کی بدگوئی اور بدکلامی سے منع کرتے ہیں۔

حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰۰ھ) کا فرمان

① حضرت خواجہ شمس الدین رحمہ اللہ (سیال شریف، ضلع سرگودھا پنجاب) مشائخ چشت کے مشاہیر بزرگوں میں سے ہیں اور تصوف وطریقت میں نہایت اعلیٰ مقام ومرتبہ پر فائز ہیں۔ آں موصوف کے ملفوظات کو ایک عقیدت مند سید محمد سعید شاہ لاہوری نے مجالس کی شکل میں بزبان فارسی مدون کیا ہے جس کا نام ''مرأۃ العاشقین'' ہے۔

حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ کی ایک مجلس کا بیان ذکر کرتے ہوئے سید محمد سعید شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

> ''بعد ازاں سخن در ذکر جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ و امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افتاد۔ خواجہ شمس العارفین فرمود آنچہ میاں حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نزاع وخصومت واقع شدہ است اجتہاد بود نہ از جہت عناد۔ پس اے درویش اگرچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برخطا بود لیکن فعل مجتہد اگر برخطا افتد ہم یک ثواب حاصل شود۔ پس درویش را باید کہ در حق ایشاں ہیچ نہ گوید۔''[1]
>
> ''یعنی گزشتہ کلام کے بعد آں موصوف کی خدمت میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ کا تذکرہ ہوا تو حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو نزاع اور خصومت واقع ہوئی وہ ازروئے اجتہاد تھی، کسی عناد کی بنا پر نہیں واقع ہوئی۔
>
> فرمایا کہ اے درویش! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ خطا پر تھے لیکن مجتہد کا فعل اگر خطا پر بھی ہو تو پھر بھی ایک ثواب اسے حاصل ہوتا ہے (یعنی وہ عیب شمار نہیں ہوتا)۔ پس درویش کو چاہیے کہ ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں کچھ نازیبا کلام ہرگز نہ کرے۔''

② اسی طرح مرأۃ العاشقین کی ایک دوسری مجلس میں مذکور ہے کہ صاحب تالیف نے جناب حضرت اعلیٰ

[1] مرأۃ العاشقین در ملفوظات حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمہ اللہ، ص ۱۰۹ طبع قدیم لاہور، تالیف سید محمد سعید شاہ صاحب لاہور، تحت مرأۃ بیست وسوم (۲۳) ذکر جہاد اصغر وجہاد اکبر۔

کی خدمت میں گزارش کی کہ قوم سادات کے بعض افراد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتقاد درست نہیں رکھتے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی جماعت میں شمار کرتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کے حق میں اعتقاد درست نہ رکھے اس کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

"بندہ عرض داشت کہ بعض قوم سادات در حق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اعتقاد درست نمی دارند و بزمرہ عداوتیاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ می شمارند۔ خواجہ شمس العارفین فرمود تا آنکہ در حق جمیع اصحاباں اعتقاد درست ندارد ایمان او کامل نباشد...... الخ"[1]

مندرجات بالا کے ذریعے سے اکابر مشائخ چشت کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں معتقدات واضح ہیں اور ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگمانی اور سوء ظنی سے اجتناب کی تلقین پائی جاتی ہے۔

علمائے بریلی کا بیان

ایک مکتب فکر کے مشہور بزرگ علامہ احمد رضا خان صاحب بریلویؒ (المتوفی ۱۳۴۰ھ) کی خدمت میں بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کے متعلق چند اشخاص کے درج ذیل نظریات پیش کیے:

(الف) زید کہتا ہے کہ آں موصوف رضی اللہ عنہ لالچی شخص تھے یعنی انھوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ سے لڑ کر خلافت لے لی اور ہزار ہا صحابہ کو شہید کیا۔

(ب) بکر کہتا ہے کہ میں ان کو خطا پر جانتا ہوں ان کو امیر نہ کہنا چاہیے۔

(ج) عمرو کا یہ قول ہے کہ وہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں، ان کی توہین کرنا گمراہی ہے...... الخ

پھر سوال کیا کہ مذکورہ بالا اشخاص کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور ان کو اہل سنت والجماعت کہہ سکتے یا نہیں؟ اور حضور کا اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟ جواب مدلل اور عام فہم ارقام فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللہ عزوجل نے سورہ "الحدید" میں صحابہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائی ہیں: ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا، جہاد کیا...... دوسرے وہ کہ بعد...... پھر فرما دیا: وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کو فرماتا

---

[1] مرآۃ العاشقین فارسی در ملفوظات حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین سیالوی ص ۱۳۹ تحت مرآۃ بست و ہشتم (۲۸) در ذکر فرقہ رافضیہ و مذمت آں، مطبع مصطفائی، لاہور

ہے:

أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ [1] هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝

''وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انھیں غمگین نہ کرے گی۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمھارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے تو جو کسی صحابی پر طعنہ کرے وہ اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں، ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند فرما دیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرما دیا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے، بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد جو کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم میں جائے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

((ومن يكن يطعن فى معاوية رضی اللہ عنہ فذاك كلب من كلاب الهاوية))[1]

''یعنی جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔''

فلہٰذا مذکورہ بالا اشخاص میں سے عمرو کا قول (کہ وہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں ان کی توہین گمراہی ہے) سچا ہے اور زید و بکر جھوٹے ہیں۔

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد
عیب نماید بہ نگاہش ہنر

یہ خبثاء خذلہم اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذا نہیں دیتے بلکہ اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں حدیث میں ہے:

((من اٰذاهم فقد اٰذانى ومن آذانى فقد اذى الله ومن اذى الله فيوشك الله ان ياخذه))

''جس نے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے گرفتار کرے۔''

[1] نسیم الریاض شرح شفاء، للقاضی عیاض (خفاجی) ص ۵۷۴ ج ۳ تحت فصل ومن توقیرہ وبرہ صلی اللہ علیہ وسلم توقیر اصحابہ وبرہ، طبع ترکی

والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم[1]

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ

بمحمدن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

ماخوذ از مستند مجموعہ احکام شریعت از امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ ناشر: مکتبہ فقریہ رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور طبع ۱۹۸۴ء

اب اگر کوئی شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو اپنا بھائی کہتا ہے اور سنی شیعہ بھائی بھائی کے نعرے لگاتا ہے تو کیا وہ مولانا احمد رضا خان کا پیرو کہلانے کے لائق ہے؟ یہ فیصلہ آپ خود کریں۔

لاہور کی مرکزی ''مجلس رضا'' کی طرف سے ایک مجموعہ رسائل طبع ہوا ہے۔ اس کے صفحہ ۶-۷ پر ارباب مجلس نے اعلیٰ حضرت بریلویؒ کے چھ عدد رسائل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیے ہیں ذیل میں ہم ان رسائل کے اسماء پیش کرتے ہیں

① البشریٰ العاجلہ من تحف آجلہ (تصنیف ۱۳۰۰ھ)
(تفضیلیہ و مفسقان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا رد)

② عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوک الاسلام (تصنیف ۱۳۱۲ھ)
(مناقب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

③ ذب الاہواء الواہیہ فی باب الامیر معاویہ (تصنیف ۱۳۱۲ھ)
(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا جواب)

④ اعلان الصحابہ الموافقین لامیر معاویہ وام المومنین (تصنیف ۱۳۱۲ھ)
(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وام المومنین کے ساتھ کون صحابہ تھے)

⑤ الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ (تصنیف ۱۳۱۳ھ)
(امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب کی احادیث)

⑥ لمعۃ الشمعہ لہدیٰ شیعۃ الشنیعہ (تصنیف ۱۳۱۲ھ)
(تفضیل و تفسیق کے متعلق سات سوالات کے جوابات)[2]

---

[1] احکام شریعت از امام اہل سنت احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ ص ۱۲۲-۱۲۴ طبع اول ۱۹۸۴ء طبع مکتبہ فقریہ، لاہور تحت مسئلہ نمبر ۲۴ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقیدہ۔

[2] منقول از مجموعہ رسائل ص ۶-۷ مرکزی مجلس رضا، لاہور نمبر ۶۸ پوسٹ بکس نمبر ۲۲۰۶۔

مذکورہ بالا رسائل میں علامہ احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن اور اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمدہ صفائی پیش کی گئی ہے اور پرزور طریقہ سے دفاع کا حق ادا کیا ہے۔ نیز ان رسائل کے مندرجات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب علامہ بریلویؒ کے عمدہ نظریات صاف طور پر سامنے آ گئے اور ان کی عقیدت مندی واضح ہو گئی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) کا بیان

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو ''فتاویٰ امدادیہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ ایک سائل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور مقام کے متعلق تحریراً سوال کیا تو اس کے جواب میں مولانا صاحب موصوف نے درج ذیل جواب ذکر کیا کہ

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود صحابی ہیں اور ایک صحابی کے فرزند ہیں ان کے صحابی ہونے اور ان کی فضیلت اور شان میں کسی کو کلام نہیں مگر کہ وہ شخص رافضی ہو۔''

......''حضرت'' کا لقب اور ''رضی اللہ عنہ'' کے ''تحیہ و تحفہ'' کے ساتھ ان کا ذکر کرنا اہل سنت والجماعت کا شعار ہے اور جو شخص ان کے حق میں اپنی زبان پر طعن و تشنیع کے کلمات لاتا ہے وہ شعبہ رفض سے خالی نہیں۔''

بعدہ حضرت موصوف نے فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم پر متعدد احادیث ذکر کی ہیں اور پھر لکھا ہے کہ:

''از حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ منقول است کہ اگر در رہگذر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نشینم و گرد سم اسپ جناب بر من افتد باعث نجات می شناسم۔''

پس تعجب کہ چنیں بزرگان دین چناں خیال فرمایند و چند کساں و ناکساں زبان درازی کنند۔

صدق من قال

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنہ پاکاں برد

فقط ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ [1]

''یعنی حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رہگذر میں بیٹھ جاؤں اور ان کے گھوڑے کے سم کی گرد مجھ پر پڑے تو اسے میں اپنی نجات کا باعث شمار کرتا ہوں۔ پس تعجب کا مقام ہے کہ اس اعلیٰ درجے کے بزرگان دین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کا اظہار عقیدت فرمائیں اور دوسرے کس و ناکس زبان درازی کریں۔ شاعر نے سچ کہا ہے کہ ''جب خدا تعالیٰ کسی کا پردہ پھاڑ دیتا ہے تو وہ نیک لوگوں کے خلاف زبان درازی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔''

---

1. فتاویٰ امدادیہ ص ۱۲۲-۱۲۳ ج ۴ کتاب العقائد والکلام، طبع مجتبائی دہلی قدیم۔

خاتمۃ الکتاب

گزشتہ اوراق میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح اور ملّی خدمات کو حتی المقدور باحوالہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں تالیف ہذا کو چار ادوار میں تقسیم کرکے بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مقدمۃ الکتاب کے آخر میں اس چیز کو ذکر کیا ہے۔ کتاب ہذا میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق تمام حالات ذکر کرنے کا دعویٰ نہیں تاہم اپنی معلومات کی حد تک ان کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کی ہے اور آنجناب رضی اللہ عنہ پر مطاعن کے جوابات الگ مرتب کردیے ہیں جو ایک مستقل تالیف کی شکل میں ہیں۔

اب ناظرین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے ان چہار ادوار یعنی قبول اسلام سے لے ان کے انتقال ۶۰ھ تک واقعات پر منصفانہ نظر غائر فرمائیں اور اسلام کے فروغ احیاء اور بقا کے لیے آں موصوف نے جو دینی وملّی خدمات سرانجام دی ہیں ان پر توجہ کریں۔

پھر اس کے بعد عہد معاویہ پر ناقدین احباب کے عائد کردہ الزامات کو پیش نظر رکھیں۔ الزامات قائم کرنے والے دوست اپنے نظریات کے تحت لکھا کرتے ہیں کہ:

- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے خلفاء کا طرز زندگی بدل کر قیصر وکسریٰ کا نمونہ اختیار کیا۔
- شاہی حرس (حفاظتی دستہ) اور دربان مقرر کیے جو عوام اور خلیفہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ اس طرح رعایا کی شکایات اور مشکلات کا خلیفہ تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔
- بیت المال کی حیثیت میں ناروا تبدیلی کر دی اور پھر اس میں حلال وحرام کی تمیز بھی اٹھتی چلی گئی۔
- غنائم و دیگر اموال کی تقسیم کے معاملے میں کتاب وسنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی کر دی۔
- سیاست کو دین پر فوقیت دینے اور سیاسی اغراض کے اہتمام کے لیے شریعت کی حدود توڑنے کی ابتداء کی گئی۔
- رائے کی آزادی اور عدلیہ کی خود مختاری کا خاتمہ کر ڈالا اور اسلامی قوانین کی بالاتری معدوم ہو گئی۔
- ضمیروں پر قفل چڑھا دیے اور حق گوئی سے زبانیں بند کر دی گئیں۔
- امیر معاویہ، ایک جابر، ظالم اور متغلب حکمران کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے۔

یہ واردکردہ الزامات بطور نمونہ اور تمثیل کے لکھ دیے ہیں۔

اور ان الزامات کے جوابات اگرچہ کتاب ''جواب المطاعن'' میں حسب موقع ذکر کر دیے ہیں تاہم ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ گزشتہ اوراق میں ذکر کردہ واقعات وحقائق (جو شواہد کے درجے میں ہیں) کے ساتھ ان عائد کردہ اعتراضات کا موازنہ کریں اور مخالفین نے آں موصوف کے کردار کی جو تصویر پیش کی ہے اس کا بھی بالتحقیق جائزہ لیں۔

امید واثق ہے کہ منصفانہ نظر کرنے کے بعد صحیح نتائج پر پہنچنے میں قارئین کرام کوئی دقت محسوس نہیں کریں گے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان ملی خدمات کی بنا پر اس عہد کی اہمیت وافادیت سے مطلع ہو سکیں گے اور اہل اسلام کے حق میں اس دور کے منفعت بخش ہونے کی تصدیق وتائید کریں گے۔ نیز آں موصوف کی عظیم شخصیت کو اسلام میں جو مقام ومرتبہ حاصل ہے اس سے آگاہ ہو سکیں گے۔

آخر میں اپنے مالک کریم کا بہ صمیم قلب شکر ادا کیا جاتا ہے جس مہربان نے اپنے فضل وکرم سے اس ناچیز کو اپنے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات اور حالات بیان کرنے اور ان کی جانب سے دفاع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس کی رحمت کاملہ سے کچھ بعید نہیں کہ اس قلیل سی خدمت کو قبول فرمائے اور شفاعت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نصیب فرمائے اور آخرت میں اپنے مقبولان بارگاہِ خداوندی کے قدموں میں جگہ عنایت فرما کر بخشش کا سامان کر دے۔

ناظرین باتمکین کی خدمت میں دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الاولين والاخرين وعلى اله واصحابه واتباعه باحسان الى يوم الدين۔

دعا جو محمد نافع عفا اللہ تعالیٰ عنہ

محمدی شریف ضلع جھنگ (پاکستان)

دوشنبہ ۱۴ ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۸ مئی ۱۹۹۲ء

رائے گرامی حضرت مولانا عبدالستار تونسوی دامت برکاتہم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد:

اس پرآشوب دور میں جہاں شعائر اسلام کا استخفاف و استحقار اور امور دین سے اعراض و انکار روز مرہ کے مشاغل بن گئے ہوں اور دین متین داخلی و خارجی فتنوں سے ہمکنار ہو، آئے دن فتنوں کا ایک سیلاب امنڈتا چلا آ رہا ہو اور اہل باطل کی ریشہ دوانیاں اور کارستانیاں ''مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ'' کی صورت نمودار ہو رہی ہوں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تحریف و انکار کے نشے میں دنیا میں روز افزوں ہوں اور حب اہل بیت کے نام پر صحابہ سے نفرت و بیزاری کا بیج بویا جا رہا ہو، حتیٰ کہ اسلام کے نام پر پورا کفر مسلط کیا جا رہا ہو، ایسی سنگین صورت حال میں معاندین کی یہ روش کتنی دلسوز ہے کہ تربیت یافتگان رسول کو ہدف طعن و تشنیع بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے اور خلفائے ثلاثہ حضرات صدیق و فاروق و غنی رضی اللہ عنہم کی تکفیر و سب و شتم میں طبع آزمائی کر کے دل کی آگ بجھائی جائے۔ گویا نام نہاد محبان، شجر اسلام کی جڑ کاٹنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اس کربناک داستان کا آغاز اس تحریک و تخریب سے ہوا جس کے پرچار کنندگان شیعہ اثنا عشری اور روافض کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر شیعی نظریات کے اولین موجد عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے رفقاء تھے۔ جنہوں نے یہودیت کی شہ پر اسلامی فتوحات و ترقی کو روکنے اور امت مسلمہ کی وحدانیت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے خطرناک چالیں چلیں۔ ابن سبا نے سب سے پہلے نظریہ امامت ایجاد کر کے اس کا خوب پرچار کیا اور پھر ساتھ ہی اصحاب ثلاثہ کی تکفیر اور ان پر واشگاف الفاظ میں سب و تبرا کرنے کا آغاز کیا جس کا اقرار شیعہ مجتہدین مثلاً ابوعمرو کشی، مامقانی اور باقر مجلسی جیسے لوگ بھی اپنی کتب معتبرہ میں کر چکے ہیں۔ بلکہ شیعہ مجتہدین نے لکھا ہے کہ "فمن ھھنا قال من خالف الشیعۃ اصل التشیع والرفض ماخوذ من الیھودیۃ" (فرق الشیعہ ص۳۰، رجال کشی ص۱۰۸، تنقیح المقال ص۸۷، بحار الانوار ص۲۵، تفسیر مرآۃ الانوار ص۶۲) یعنی یہیں سے وہ لوگ جو شیعہ کے مخالف ہیں یہ کہتے ہیں کہ شیعیت و رافضیت، یہودیت سے ماخوذ ہے۔ نیز مرزا غلام احمد قادیانی دجال بھی اپنی کتاب میں ایک موقع پر لکھتا ہے کہ ''میرے استاد ایک بزرگ شیعہ تھے ان کا

مقولہ تھا کہ وباء کا علاج فقط تولا اور تبرا ہے یعنی ائمہ اہل بیت کی محبت کو پرستش کی حد تک پہنچا دینا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے رہنا، اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔'' (دافع البلاء ص ۷)

اس سے واضح ہوا کہ قادیانیت، شیعیت کی پیداوار ہے جبکہ شیعیت، یہودیت کا چربہ ہے۔ ع

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

بہر حال شیعہ مجتہدین کی صراحت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن سباء نے عقیدۂ امامت کے ذریعے سے حب آل رسول کا لبادہ اوڑھ کر نفاق اور تقیہ کے سیاہ و دبیز پردے میں شیعیت کی بنیاد رکھی۔ اس اسلام دشمن تحریک میں ظاہراً صحابہ کو موردِ طعن بنایا گیا۔ مگر اہل علم سے مخفی نہیں کہ شیعہ امامیہ کو اصالتاً جو کچھ عداوت تھی وہ اسلام، قرآن اور صاحب قرآن سے تھی۔ صحابہ کو مورد طعن محض اس لیے بنایا گیا کہ قرآن حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے چشم دید گواہ صحابہ ہی ہیں، جب عینی گواہ مجروح ہو جائیں گے تو سارے دین سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اسی لیے امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

((اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انه زندیق)) (ابوزرعہ رازی ص ۱۹۹، ج ۲۳۱)

''جب تم ایسے شخص کو دیکھو کہ جو صحابہ کی تنقیص و تردید کرتا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔''

پس اسی سبب سے ہم سمجھتے ہیں کہ فتنہ رفض کئی وجوہ کی بنا پر عام کھلے کفر و زندقہ سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ لیکن عوام الناس حب اہل بیت کے خوشنما نعرے سے دھوکا کھا گئے اور اہل تشیع کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ تصور کرنے لگے۔ یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ شیعوں کی کتب اصلیہ نایاب تھیں اور ان کے عقائد و نظریات کا کماینبغی کسی کو علم نہ ہو سکا اور ساتھ ہی شیعیت پر کتمان و تقیہ کی سیاہ چادر تنی رہی، ورنہ شیعہ اثنا عشریہ مذہب نہ صرف بے شمار ضروریات دین کا منکر و مکذب ہے بلکہ اس کا کلمہ سے لے کر قرآن تک مسلمانوں سے جدا ہے۔ انھیں مسلمان کہنا خود اسلام کی نفی ہے۔ علمائے امت ہمیشہ مسلمانوں کو ان کی شقاوت ضلالت اور کفر و نفاق سے آگاہ کرتے رہے۔ مثلاً علامہ ابوبکر ابن العربی، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی وغیرہم رحمہم اللہ۔ آج سے تقریباً پون صدی قبل استاذی المکرم امام اہل سنت حضرت علامہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اثنا عشریہ کے کفریہ عقائد مثل تحریف قرآن، عقیدۂ بداء، عقیدۂ امامت، تکفیر صحابہ اور قذف عائشہ رضی اللہ عنہا کی بنیاد پر ان کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا، جس پر مشائخ دیوبند شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا و مرشدنا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ جیسے اساطین علم کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں...... دیکھیے:

(ماہنامہ بینات ص ۹۳، ص ۹۴، ص ۱۷۰ تا ص ۱۷۵ کراچی، خمینی اور شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ)

احقر بھی شیعہ عقائد کی تفصیل اپنی عربی تالیف "کشف الواعض فی عقیدۃ الروافض" میں تحریر کر چکا ہے۔ اہل ذوق مراجعت فرمائیں۔ مگر اس کے علاوہ شیعہ سنی کے مابین نزاعی مسائل پر میں خود ایک جامع کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کر رہا تھا مگر تبلیغی مصروفیت کے ساتھ فرق باطلہ سے مناظروں کی مشغولیت، تدریسی امور اور دیگر وقتی مشاغل نے اس قابل نہ چھوڑا کہ اس حوالے سے کوئی ضخیم کتاب مرتب کر سکوں۔ مگر اس سلسلے میں عالم شہیر، محقق کبیر حضرت مولانا محمد نافع صاحب ادام اللہ تعالیٰ بقاء بالخیر نے ہر عنوان سے الگ الگ ایک جامع کتاب تالیف فرمائی ہے۔ بندہ نے ان کی اکثر کتب مثلاً رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (مکمل)، حدیث ثقلین، بنات اربعہؓ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ دیکھیں اور ابھی ان کی نئی تالیف فوائد نافعہ ہر دو جلدوں کو تقریباً اکثر مقامات سے دیکھا ہے۔ ماشاءاللہ موصوف نے اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ بحمد اللہ میری دیرینہ آرزو پوری ہوگئی ہے۔ بلا مبالغہ عرض ہے کہ عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے میں خود ایسی جامع کتب نہ لکھ سکتا۔ مولانا موصوف کی مذکورہ کتب میں درج شدہ دلائل ٹھوس، حوالے صحیح اور مطابق ہیں۔ ان کی تحقیق انیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں۔ فاضل محقق نے مقام صحابہ اور مقام اہل بیت کی وضاحت کر کے نہ صرف مسلک حقہ کو واضح کیا ہے بلکہ روافض کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا خوب استیصال کیا ہے۔ مولانا کی تالیفات روافض کے خود ساختہ نظریات پر ضرب کاری ہیں۔ ردمطاعن میں ان کا انداز تحریر عالمانہ، محققانہ مگر مصلحانہ ہے۔ یہ کتب عقلِ سلیم وفہمِ مستقیم رکھنے والے حضرات کے لیے باعث ہدایت اور اہل باطل پر اتمام حجت ہیں..... لیهلك من هلك عن بينة ويحيىٰ من حى عن بينة.....

احقر اپنے حلقہ کے علمائے کرام وطلبہ کو مشورہ دیتا ہے کہ مذکورہ کتب سے ضرور استفادہ کریں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی یہ عظیم کاوش قبول فرمائے اور اسے مسلمانوں کے لیے مثمر و نافع بنائے۔

آمین یا رب العالمین

محمد عبدالستار تونسوی عفا اللہ عنہ
رئیس تنظیم اہل السنۃ پاکستان
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ